پہلی مرتبہ تقریباً 350 نادر و نایاب رسائل و کتب کی یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ ۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

(شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی)

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون.... مظاہر علوم سہارن پور.... دارالعلوم کراچی
ودیگر مراکز علم سے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے
دستیاب شدہ نادر و نایاب رسائل کی پہلی مرتبہ یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت 93

مجموعہ تالیفات

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

الحمدللہ! عرصہ دراز کی جستجو کے بعد تقریباً 325 رسائل
اس مجموعہ میں شائع کیے جا رہے ہیں۔

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
(شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی)

مرتب

قاری محمد اسحاق
(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

مقالاتِ حکیم الامت 93

تاریخ اشاعت............ ربیع الاوّل ۱۴۴۲ھ
ناشر.............ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت..............ساؤتھ پنجاب پرنٹنگ پریس، ملتان
بائنڈنگ.............اشرفیہ بک بائنڈنگ....ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کا کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

ادارہ اسلامیات.........انار کلی........لاہور	دارالاشاعت.......اُردو بازار.........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید.........اردو بازار......لاہور	قرآن محل......کمیٹی چوک......راولپنڈی
مکتبہ رحمانیہ....... اُردو بازار .... لاہور	مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور
اسلامی کتاب گھر......خیابان سرسید......راولپنڈی	مکتبہ اسلامیہ......امین پور بازار......فیصل آباد
اسلامک بک کمپنی......امین پور بازار......فیصل آباد	ممتاز کتب خانہ......قصہ خوانی بازار......پشاور
مکتبہ رشیدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ	مکتبہ ماجدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ
مکتبۃ الشیخ...... بہادر آباد......کراچی	مکتبہ عمر فاروق......شاہ فیصل کالونی......کراچی
دالی کتاب گھر...گوجرانوالہ...مکتبہ علمیہ...اکوڑہ خٹک	مکتبہ نعمانیہ...گوجرانوالہ...اسلامی کتاب گھر...ایبٹ آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

اِجمالی فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد

كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

مَقالاتِ حَکیمُ الامّت

6

اَکابر کی سیر وسوانح پر مشتمل

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتب ورسائل

جمالُ الاَولِیاء

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
رئیس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہما والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

تمہید

ترجمہ کتاب لامع علامات الاولیاء
تلخیص کتاب جامع کرامات الاولیاء

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ جامع کرامات الاولیاء۔ ایک کتاب ہے جس کو شیخ ابو یوسف ابن اسمٰعیل نبہانی نے چالیس سے زائد کتب معتبرہ سے لے کر ۱۳۲۴ھ میں تالیف فرمایا ہے۔ جس مقصود کے لئے میں نے روض الریاحین کا ترجمہ کرایا ہے جو نزہۃ البساتین کے لقب سے شائع ہے۔ اسی غرض کی تقویت کے لئے اس کتاب کا ترجمہ کرانے کا بھی خیال آیا۔ مگر بعض خاص مصلحتوں سے ترجمہ کے لئے اس کتاب کی تلخیص ﴿کتاب کے کچھ صفحات کی تلخیص حضرت اقدس افاض اللہ علینا فیوضہم نے فرمائی۔ پھر آگے اس معیار پر جو حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا تھا احقر مترجم نے کی ہے۔ (۱۲)﴾ مناسب معلوم ہوئی۔ مثلاً بعض مضامین کا عام فہم نہ

ہونا۔ ﴿جو یقینی طور سے ماخوذ معلوم ہوئی ہیں وہ حذف کی گئی ہیں اور جن میں شبہ رہا وہ باقی ہیں۔۱۲ مترجم﴾ بعض حکایات کا روض الریاحین سے ماخوذ ہونا جن کا ترجمہ نزہۃ البساتین میں آچکا ہے یا کسی حکایت میں بین فائدہ کا ظاہر نہ ہونا یا بظاہر کسی اَمر خلاف سنت کا موہم ہونا وامثال ذٰلک اور تلخیص کا نام لامع علامات الاولیاء تجویز کرتا ہوں اس بناء پر کہ خوارق منجملہ علامات ولایت کے ایک ظاہر علامت ہے۔ اب بعد تلخیص اس کا ترجمہ بنام خدا عزیزی مولوی جمیل احمد سلمہ کے ہاتھوں شروع کراتا ہوں اس کا اہتمام پھر طبع کا انتظام بھی خدا کے نام پر چھوڑتا ہوں اور بمناسبت معنی نام تلخیص ولفظ نام مترجم اس کا نام ''جمال الاولیاء'' تجویز کرتا ہوں اور اس احتمال پر کہ شاید کسی کو خود متن تلخیص کے چھاپنے کا شوق ہو ترجمہ کے ساتھ اصل کتاب سے مقامات ماخوذ کا پورا پتہ بھی ملحق کرتا ہوں۔ ﴿یہ اس طرح ہے کہ ایک فہرست مدوّن کی گئی ہے جس میں صفحہ وسطر اور اوّل وآخر کے لفظ بھی دے دیئے گئے ہیں جو ان شاء اللہ اخیر میں درج کی جائے گی، اور یہاں ترجمہ میں یہ کردیا گیا ہے کہ ایک مضمون جہاں ختم ہوا ہے وہاں اُن کا صفحہ وسطر اور اس کی کُل مقدار لکھ دی گئی ہے، پھر دوسرا جو شروع ہوا ہے ایک خط کھینچ کر اس کے شروع صفحہ نمبر اور کل صفحات کی تعداد لکھ دی گئی ہے۔۱۲﴾ ان مقامات کے جمع کر لینے سے متنِ تلخیص مرتب ہو جاوے گا۔

وباللہ التوفیق و هو فی کل خیر معین و رفیق۔

کتبہ اشرف علی ۱۵ ؍محرم ۱۳۴۹ھ

تمہید مصنف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریفیں سارے جہانوں کے پروردگار کے لئے ہیں جس نے اپنے نیک بندوں میں سے جسے چاہا ایسی ایسی کرامتوں کا شرف بخشا جو منجملۂ معجزات انبیاء ومرسلین اوردین مبین کی صحت کی شاہد ہیں۔اور صلوٰۃ وسلام افضل الانبیاء والمرسلین سید المخلوقات سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صادق امین صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جن کو تنہا سارے نبیوں سے زیادہ معجزے عطاء فرمائے جن کی اُمت کے اولیاء کو ان کرامتوں سے معزز فرمایا جو کہ ان سب کرامات سے بالا وبرتر ہے۔جن سے تمام اولیاء سابقین کو عزت بخشی ہے۔

امابعد یہ ایک کتاب ہے جس کا نام میں نے ''جامع کرامات الاولیاء'' رکھا ہے کیونکہ میں نے اس میں اولیاءکرام کی اس قدر کرامتیں جمع کی ہیں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس سے پہلے کسی کتاب میں اس قدر کرامتیں جمع نہیں کی گئیں۔پھر اگر معلوم ہوسکا ہے تو ہر کرامت کو صاحبِ کرامت کی طرف منسوب کیا ہے اور زیادہ تر ایسا ہی ہے۔ہاں اگر کہیں صاحبِ کرامت کا نام معلوم نہیں ہوا تو راوی کی طرف منسوب کردیا گیا ہے مگر ایسا کم ہے اور سوائے ان کرامتوں کے جن کو مَیں نے خود مشاہدہ کیا ہے یا کسی دیکھنے والے نے مجھے بتایا ہے ہر کرامت کے لئے اس کتاب کا حوالہ دے دیا ہے جس سے اُس کو نقل کیا ہے۔اب ان کتابوں کے نام بتاتا ہوں جن سے مَیں نے ان کرامتوں کا ایک بڑا حصہ اخذ کیا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ نہ اس موضوع پر اس کتاب کی کوئی نظیر

موجود ہے اور نہ اس قدر کرامتیں کسی اور کتاب میں مجتمع ہیں وہ کتابیں یہ ہیں:

(۱) مشکوۃ المصابیح مؤلفہ امام ولی الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ جس کو امام موصوف نے ۷۳۷ھ میں تالیف فرمایا ہے۔ میں نے اس کتاب سے معجزات کی سو ﴿چونکہ احادیث و سیر میں یہ معجزات مذکور اور مشہور ہیں اس لئے ان کو تلخیص میں نہیں لیا ۱۲۔ حضرت ملخص مد ظلہم العالی ۱۲﴾ حدیثیں نقل کی ہیں۔

(۲) تفسیر کبیر مؤلفہ امام فخر الدین رازیؒ متوفی ۶۰۶ھ میں نے اس کتاب سے اپنی کتاب کے مقدمہ میں کرامات کے اثبات کئے اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کی کرامتوں میں بہت کچھ لیا ہے۔ (۳) کتاب الاعتبار مؤلفہ امیر اسامۃ بن منقدح جن کی وفات دمشق میں ۵۸۴ھ میں ہوئی ہے (۴) رسالہ قشیریہ مؤلفہ ابوالقاسم قشیری جن کی وفات نیشاپور میں ۴۶۵ھ میں ہوئی ہے۔

(۵) مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام علیہ الصلوۃ والسلام مؤلفہ ابوعبداللہ بن نعمان مراکشی متوفی ۶۸۳ھ (۶) روح القدس (۷) فتوحات مکیہ (۸) مواقع النجوم (۹) المحاضرات۔ ہر چہار مؤلفہ شیخ اکبر سیدی محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۶ھ۔

(۱۰) روض الریاحین ﴿تمہید ترجمہ ہذا ملاحظہ ہو ۱۲ حضرت ملخص مدظلہم العالی ۱۲﴾

(۱۱) نشر المحاسن۔ ہر دو مؤلفہ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۶۸ھ

(۱۲) تفاح الارواح مؤلفہ کمال الدین محمد بن ابی الحسن علی السراج رفاعی قرشی شافعی جو قرن ہشتم کے بزرگوں اور امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے ہیں ان کی اس کتاب کی دو جلدیں کرامات الاولیاء کے بیان میں ہیں مگر مجھے صرف جلد اوّل دستیاب ہو سکی ہے۔

(۱۳) شرح الحکم العطائیہ مؤلفہ عارف کامل ابن عباد رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۹۲ھ۔

(۱۴) تحفۃ الاحباب فی الکلام علی الاولیاء المدفونین بمصر مؤلفہ امام سخاوی جو قرن نہم کے بزرگوں میں سے ہیں اور ان امام حافظ سخاوی کے علاوہ ہیں جو مشہور ہے۔

(۱۵) الاشارات لاماکن الزیارات فی دمشق الشام مؤلفہ شیخ ابن الحواراني جو قرن یا زدہم کے بزرگوں میں سے ہیں۔ (۱۶) تحفۃ الانام فی فضائل الشام مؤلفہ شیخ جلال الدین بصری دمشقی تالیف ۱۰۰۲ھ۔ (۱۷) طبقات الخواص من اہل الیمن مؤلفہ امام زین الدین ابوالعباس احمد بن احمد ابن عبداللطیف شرجی زبیدی مصنف مختصر البخاری جن کا انتقال ان کے وطن یمن کے ایک شہر زبید میں ۹۳ے ھ میں ہوا ہے۔

(۱۸) الانس الجلیل مؤلفہ قاضی عبدالرحمٰن علیمی حنبلی متوفی ۹۲۷ھ (۱۹) الشقائق النعمانیہ مؤلفہ طاش کبری زادہ متوفی ۸۹۳ھ (۲۰) شرح قصیدہ تائیہ ابن حبیب صفدی (۲۱) نسمات الاسماء فی کرامات الاولیاء الاخیار ہر دو مؤلفہ سیدی شیخ علوان حموی متوفی ۹۳۶ھ۔ یہ کتاب نسمات الاسماء پوری نہیں ہے بلکہ ایسی ہے کہ گویا یہ کتاب کا مقدمہ ہے اور جناب مؤلف کتاب کو پورا نہیں کر سکے۔ (۲۲) قلائد الجواہر فے مناقب الشیخ عبدالقادر مؤلفہ شیخ محمد بن یحییٰ تاذنی حنبلی متوفی ۹۶۳ھ۔ (۲۳) المنن الکبری (۲۴) البحر المورود (۲۵) الاجوبۃ المرضیہ (۲۶) الطبقات الکبریٰ ہر چہار مؤلفہ امام عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۲ھ (۲۷) طبقات کبری۔

(۲۸) طبقات صغری ہر دو مؤلف امام مناوی متوفی ۱۰۰۱ھ (۲۹) الابریز فی مناقب سیدی عبدالعزیز الدباغ مؤلفہ ابن مبارک فاسی جن کی تالیف ۱۱۲۹ھ میں شروع ہوئی تھی۔ (۳۰) المشرع الروی فی مناقب ساداتنا آل باعلوی مؤلفہ محمد بن ابی بکر الشلی باعلوی متوفی ۱۰۹۳ھ جو علمائے باعلویین کے اکابر میں سے تھے۔

(۳۱) الکواکب السائرہ فی اخیان المأۃ العاشرۃ مؤلفہ شیخ محمد نجم الدین الغزی جن کی وفات شہر دمشق الشام میں ۱۰۶۱ھ میں ہوئی ہے۔

(۳۲) نفح الطیب مؤلفہ شہاب احمد المقری متوفی ۱۰۴۱ھ

(۳۳) خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحاوی حشر مؤلفہ محبی جن کی وفات ان کے وطن دمشق میں ۱۱۱۱ھ میں ہوئی (۳۴) سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر مؤلفہ سید

محمد خلیل مرادی مفتی شام متوفی ۱۲۰۶ھ۔

(۳۵) تاریخ مصر مؤلفہ عبدالرحمٰن بن حسن الجبرتی متوفی ۱۲۳۷ھ

(۳۶) شرح الطریقۃ المحمدیہ مؤلفہ سیدی عارف باللہ شیخ عبدالغنی نابلسی ۱۱۴۴ھ

(۳۷) شرح قصیدہ بردہ مؤلفہ شیخ حسن عدوی بصری جن کا انتقال مصر میں ۱۳۰۳ھ میں ہوا ہے۔ (۳۸) الحدائق الوردیہ فی اجلاء النقشبندیہ مؤلفہ عالم فاضل شیخ عبدالمجید صاحب ابن شیخ علامہ مرشد محمد الخانی نقشبندی جن کا انتقال قسطنطنیہ میں ۱۳۱۷ھ میں ہوا ہے۔ (۳۹) مناقب القطب الکبیر سیدی شمس الدین حنفی مصری مؤلفہ شیخ علی بن عمر التبعونی خلیفہ حضرت موصوف مگر چونکہ امام شعرانی نے اپنی کتاب میں اس کی تلخیص کر لی ہے اس لئے میں نے اس کے مضامین کو صرف طبقات شعرانی سے ہی نقل کر لینے کو کافی سمجھ لیا ہے۔ (۴۰) عمدۃ التحقیق فی بشائر آل الصدیق مؤلفہ شیخ ابراہیم عبیدی مالکی (۴۱) مناقب القطب شمس الدین حنفی مصری مؤلفہ شیخ حسن شمہ مصری خوی شاگرد قطب صاحب موصوف (۴۲) مناقب سیدی القطب شیخ محمد الجرطرابلسی مؤلفہ شیخ حسین صاحبزادہ حضرت ممدوح جو اَب تک حیات ہیں۔

(۴۳) خود میری اپنی کتاب ''حجۃ اللہ علی العالمین'' اور یہاں امام سبکی کی طبقات کے حوالہ سے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اسی اپنی کتاب میں سے نقل کر لیا ہے کیونکہ (یہ کتاب اب تک طبع نہیں ہوئی ہے اور) مصر میں ایک صاحب نے اس کتاب کو طبع کرنے کیلئے مانگ لیا تھا پھر نہ انہوں نے واپس کی اور نہ اب تک طبع کی۔ بس اللہ تعالیٰ سے ہی ہر کام میں اعانت کی درخواست ہے۔ غرض یہ چالیس سے کچھ زائد کتابیں ہیں جن کی نقل بھروسہ کی نقل ہے اور پھر اُن کے مؤلفین بھی ایسے ایسے اکابر اولیاء اور بڑے بڑے علماء ہیں کہ آفاق عالم میں اُن کے مقبول ہونے پر اتفاق ہو چکا ہے اور ان کے علاوہ کہیں کہیں کسی اور کتاب سے بھی لیا ہے تو وہاں اس کے مؤلف کا نام بھی ذکر کر دیا ہے اور بعض کرامتیں کئی کتابوں میں بیان ہیں تو مَیں نے کسی ایک

کے حوالہ کو کافی سمجھا ہے۔ مثلاً ایک کرامت طبقات مناوی میں ملی پھر وہاں سے نقل کرنے کے بعد وہی طبقات زبیدی یمنی میں مل گئی جن کا زمانہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کا ہے یا یہ کہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں دیکھی پھر وہی کرامت یافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں پائی جو اُن سے بھی پہلے کے ہیں تو مَیں نے اگرچہ وہ صاحب جن سے نقل کیا ہے بعد کے ہیں اسی حوالہ کو جو پہلے دے چکا تھا باقی رکھا ہے۔

میرا خیال ہے کہ جو کرامتیں اس کتاب میں بیان ہیں وہ کسی طرح دس ہزار سے کم نہ ہوں گی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوں گی اور جن جن حضرات کی یہ کرامتیں ہیں اُن کی تعداد ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) ہے۔

﴿ممکن ہے تلخیص میں اس عدد سے کم ہو جائے ۱۲، حضرت ملخص مدظلہم العالی ۱۲)﴾

یہ حضرات حضرات صحابہ اور اُن کے بعد سے اب تک کے بزرگ ہیں اور سب کے سب بڑے اولیاء اللہ ہیں مگر یہ سب اُن کے علاوہ ہیں جن کی کرامتیں خاتمہ میں بیان ہیں اور ان کا حال معلوم نہیں ہوا البتہ مَیں ان کتابوں کو حاصل نہیں کر سکا جو کرامات وحالات اولیاء میں محدثین رحمہ اللہ علیہم کے طرز پر تصنیف کی گئی ہیں جیسے کتاب الزہد مؤلفہ امام احمد اور حلیۃ الاولیاء مؤلفہ ابو نعیم اور صفوۃ الصفوۃ مؤلفہ ابن جوزی اور کرامات الاولیاء نام کی کتابیں مؤلفہ ابو محمد خلال وابن ابی الدنیا ولالکائی۔ گو مَیں نے اُن میں سے کسی کسی کے حوالہ سے بھی کچھ نقل کیا ہے مگر وہ خود ان کتابوں سے نہیں بلکہ ان سے کسی نقل کرنے والے کے یہاں سے نقل کیا ہے مثلاً علامہ مناوی وغیرہ نے نقل کیا تھا مَیں نے اُن کے یہاں سے نقل کیا ہے۔

یہ بھی جان لینا چاہئے کہ جب کسی ولی سے کوئی کرامت صادر ہوتی ہے تو وہ اس کے نبی کا ہی معجزہ ہوتی ہے جیسا کہ اس کا بیان مقدمہ میں تفصیل سے آئے گا تو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء اُمت کی کرامتیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور آپ کے دین کی صحت پر دلالت کرنے والے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے ہی معجزے ہیں اور یہی وہ بات ہے جو مجھے اس کتاب کے تالیف کرنے پر آمادہ کررہی ہے تا کہ یہ کتاب میری پہلی کتاب ''حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین'' کے لئے تکملہ بن جائے۔اس کتاب سے میرا مقصود صرف تاریخی خبریں یا منقولہ حکایتیں بیان کرنا محض ان کرامتوں سے تفریح حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں اور حضرات صوفیاء کے ہاتھوں پر ظاہر فرمایا ہے۔گو یہ مقصد بھی اپنی ذات میں ایسا ہے کہ اہلِ علم و فضل معتقدین اولیاء اور اُن کے حالات واثرات وکرامات سے برکت حاصل کرنے والے اس کا بھی اہتمام کرتے ہیں اور حقیقت میں ہے بھی اہتمام کے قابل کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے وجود وقدرت پر اور فرماں بردار نیک بندوں کو اعزاز دینے پر ایمان رکھنے کو تقویت حاصل ہوتی ہے لیکن اُن سے دین متین کی صحت اور حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق کو ثابت کرنا نہایت بلند و بالا اور دلوں میں جاگزین ہونے والا نفع ہے۔اس لئے کہ جو لوگ ایمان سے خالی ہیں ان میں ان کی بدولت ایمان پیدا ہوتا ہے اور جو ایمان والے ہیں اُن سے اُن کی ایمانی قوت میں ترقی ہوتی ہے لہٰذا اسی کو بیان کرامات کا مقصد قرار دینا اَولیٰ ہے۔(والحمد للہ ولی الحمد ص ۱۱/۶ کل دو صفحے۔ص ۱۱/۷)

مقدمہ کتاب جامع کرامات الاولیاء

یہ چار مطلبوں پر مشتمل ہے۔ ﴿تلخیص میں صرف دو مطلب لئے گئے ۱۲، حضرت ملخص مدظلہم اللہ تعالیٰ﴾

مطلب اَوّل

اولیائے کرام کی کرامتوں کے اور اس اَمر کے اثبات میں کہ جو فعل کسی نبی کا معجزہ ہوا ہے جائز ہے کہ وہ کسی ولی کی کرامت بھی ہو جائے کیونکہ وہ نبی کی سچائی اور اسکے مذہب کی صحت کی دلیل ہونے کی وجہ سے اب بھی اس ولی کے نبی کا ہی معجزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ O اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ O لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَالْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O

(آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ولیوں پر نہ ہراس ہے نہ وہ رنجیدہ ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور گناہوں سے بچتے تھے انہی کے واسطے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں خدا کے کلمات میں تبدیلی نہیں، بڑی کامیابی یہی ہے)۔

اور ارشاد فرمایا ہے: وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا O فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ (الآیۃ)۔ (مریم اپنی طرف کھجور کی شاخ کو جھکاؤ۔ وہ تم پر تروتازہ کھجور گراتی رہیں گی تو تم کھانا اور پینا) اور ارشاد ہے: كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (جب مریم (علیہا السلام) پر

زکریا علیہ السلام محراب میں جا پہنچتے ہیں تو اُن کے پاس رزق پاتے ہیں۔ کہتے ہیں اے مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے (آیا؟) عرض کرتیں یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں) اور ارشاد ہے:

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًاO وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ

(اور جب تم اُن سے اور خدا کے سوا اُن کے اور معبودوں سے علیحدہ ہو گئے تو غار میں پناہ لو۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت وسیع کر دیں گے اور تمہارے لئے اپنے حکم میں گنجائش مہیا فرما دیں گے اور (اے رسول) تم سورج کو دیکھو گے جب وہ طلوع ہوتا ہے تو اُن کے غار داہنے کو ہٹ جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو اُن پر بائیں کو گزرتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر میں کرامات اولیاء کے اثبات پر مفصل بحث کی ہے فرمایا ہے کہ ص ۲۱/۷ کل ۹ سطر ...... ص ۱۴/۸ ار کرامات اولیاء کے ثبوت پر آیات قرآنی احادیث شریفہ اقوال صحابہ اور عقلی دلیلیں قائم ہیں۔

قرآن مجید

اس مضمون کے لئے ہمارے نزدیک بالکل صاف صاف کئی آیتیں ہیں۔ پہلی دلیل حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ ہے جس کو ہم (امام رازی رحمۃ اللہ علیہ) نے سورہ آل عمران کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اب دوبارہ بیان نہیں کرتے۔ دوسری دلیل اصحاب کہف کا واقعہ ہے۔ ان کا نیند کے ساتھ زندہ اور آفتوں سے محفوظ رہ کر تین سو نو (۳۰۹) سال تک رہنا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آفتاب کی حرارت سے بچائے رکھا ہے۔ ارشاد ہے تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ۔ (تم ان کو بیدار خیال کرو گے حالانکہ وہ سوتے ہیں) اس آیت سے آیت وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ۔ آخر تک یہ مضمون ہے (ص ۱۹/۸ ار کل ۵ سطر ..... ص ۲۲/۸)

(اس واقعہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ کسی نبی کا معجزہ ہو دوسرا یہ کہ کسی ولی کی کرامت ہو۔لیکن) ہم کہتے ہیں کہ یہ بات تو بالکل محال ہے کہ یہ کسی نبی کا معجزہ ہو اس لئے کہ یہ اُن لوگوں کا سو جانا کوئی خرق عادت اَمر نہیں ہے کہ اسے معجزہ قرار دیا جائے (اور معجزہ تو نبی کی تصدیق کے واسطے ہوتا ہے مگر لوگ اس واقعہ میں اس نبی کی تصدیق نہیں کر سکتے کیونکہ لوگ ان نبی کا صدق تو اس وقت تسلیم کر سکتے ہیں جبکہ وہ سب اس پوری مدت تک زندہ رہیں اور ان لوگوں کو پہچان بھی لیں کہ یہ جو غار سے نکل کر آئے ہیں وہی ہیں جو تین سونو (۳۰۹) سال پہلے اس میں جا کر سوئے تھے اور یہ سب شرطیں پائی نہیں گئیں۔اس لئے اس واقعہ کو کسی نبی کا معجزہ قرار دینا ممکن نہیں اب صرف یہی رہ گیا کہ اس واقعہ کو ان اولیاء کی کرامت اور ان پر حق تعالیٰ کا ایک احسان مانا جائے۔

احادیث

اثبات کرامات کے بارہ میں احادیث بہت ہیں (۱) بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ گھوارہ میں صرف تین شخصوں نے باتیں کی ہیں ایک تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اور ایک بچے نے جریج جوگی کے زمانہ میں اور ایک اور بچے نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو تم جانتے ہی ہو۔اور جریج بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار شخص تھا اس کی ماں زندہ تھی یہ ایک روز نماز پڑھ رہا تھا اس کی ماں کو اس کی تلاش ہوئی،اس نے پکارا تو جریج سوچنے لگا کہ اپنے رب کی نماز زیادہ بہتر ہے یا والدہ کی زیارت۔مگر پھر نماز ہی پڑھتا رہا۔اُس کی ماں نے دوبارہ پکارا تو اُس نے پھر اپنے دل میں یہی خیال کیا یہاں تک کہ اس نے تین بار پکارا۔یہ نماز پڑھتا رہا اور ماں پکارتی رہی۔ماں کو یہ بہت گراں گزرا تو اُس نے بددُعا دی کہ اے اِلٰہ العالمین! اسے اس وقت تک موت نہ دیجئے جب تک اسے بدکار عورتیں نہ دکھا دیجئے (اس کی ماں کی بددعا کا یہ اثر ہوا کہ وہاں ایک بدکار عورت تھی اس نے ارادہ کیا) کہہ دیا کہ میں جریج کو ورغلاؤں یہاں تک

کہ وہ زنا کرے گا مگر چونکہ یہ بہت پارسا اور نیک تھا وہ عورت اس پر قابو نہ پا سکی (اتفاقاً) وہاں (قریب میں) ایک چرواہا بھی تھا جو رات کو جریج کے عبادت خانہ کے نیچے آ رہتا تھا۔ جب جریج نے اس عورت کو ناکام کر دیا اور وہ عورت جریج سے مایوس ہوگئی تو اس نے چرواہے کو ورغلایا اور وہ چرواہا راضی ہوگیا (عورت نے اس سے زنا کیا تو اس کے حمل رہ گیا اور) پھر اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا تب اس عورت نے (جریج پر بہتان لگایا) اور کہا کہ یہ لڑکا جریج کا ہے (اس کو سن کر) بنی اسرائیل جریج کے پاس آئے اور اس کو متہم سمجھ کر یہاں تک غضب ناک ہوئے کہ) اس کا عبادت خانہ توڑ دیا اور اسے گالیاں دیں (جریج اس کو دیکھ کر سخت پریشان ہوا اور اس پریشانی میں) وہ نماز پڑھنے اور دُعا مانگنے لگا پھر (نماز و دعا کے بعد) بچے کو (اپنی طرف متوجہ کرنے کے واسطے) ایک کوچہ دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (کوچہ دینے کی ہیئت بتانے کے لئے) ہاتھ سے اشارہ فرمایا تھا تو (حالت میری نظروں کے سامنے اس وقت بھی اسی طرح پھر رہی ہے کہ) گویا مَیں اس کو دیکھ رہا ہوں (غرض کوچہ دینے کے بعد جریج نے لڑکے سے کہا کہ) اے لڑکے تیرا باپ کون سا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ چرواہا تب تو ساری قوم اپنے کئے پر شرمندہ ہوئی اور سب کے سب جریج سے عذر معذرت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم تمہارا عبادت خانہ سونے یا چاندی سے بنا دیں گے۔ مگر جریج نے ان کی اس بات کو قبول نہیں کیا اور (اپنا عبادت خانہ) جیسا تھا ویسا ہی خود بنا لیا۔

اور دوسرے بچے کا قصہ یہ ہے کہ ایک عورت کے پاس ایک لڑکا تھا جسے وہ دُودھ پلا رہی تھی سامنے سے ایک خوب صورت طاقت ور جوان گزرا تو عورت نے دُعا کی کہ اے اللہ میرے بیٹے کو ایسا بنایئے۔ بچے نے کہا کہ اے اللہ! مجھے ایسا نہ بنایئے۔ پھر ایک عورت گزری جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس نے چوری کی ہے اور زنا کیا ہے اور پھر اسے سزا دی گئی۔ بچہ کی ماں نے دُعا کی کہ اے اللہ میرے لڑکے کو ایسا نہ

بنا ئیے۔اس پر بچے نے کہا کہ الٰہی مجھے ایسا ہی بنا ئیے۔اس کی ماں نے ان دعاؤں کے بارے میں اس سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ وہ جوان بڑا جابر وظالم شخص تھا اس لئے مَیں نے اُسے پسند نہیں کیا کہ مَیں اس جیسا ہو جاؤں اور عورت کہا تو یہ جاتا ہے کہ اس نے زنا کیا ہے مگر اس نے زنا نہیں کیا اور کہا جاتا ہے کہ اُس نے چوری کی ہے حالانکہ اُس نے چوری نہیں کی اور اس پر بھی وہ کہتی رہی کہ بس مجھے تو اللہ کافی ہے۔

(۲) غار والی حدیث جو حدیث کی صحیح کتابوں میں حدیث مشہور کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سالم کے واسطہ سے اور سالم نے زہری کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں میں سے تین آدمی سفر میں چلے (جب رات ہوگئی تو) رات گزارنے (کے لئے کسی ٹھکانے کی ضرورت ہوئی آخر اس ضرورت) نے ان کو ایک غار کے اندر پہنچا دیا۔یہ لوگ غار میں داخل ہو گئے تو (اتفاق سے) پہاڑ پر سے ایک بڑا پتھر لُوھک آیا اور اُس نے غار کے دروازہ کو ڈھک دیا (یہ لوگ اندر بند ہو گئے تو بہت پریشان ہوئے اور اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے مشورہ کیا اور وثوق کے ساتھ یہ رائے قائم ہوئی کہ) سب نے (بالاتفاق) یہ کہا کہ خدا کی قسم تمہیں اس پتھر سے صرف یہی بات نجات دلا سکتی ہے کہ اپنے اپنے نیک عملوں کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو (کہ اس مصیبت سے نجات دیں) ان میں سے ایک شخص نے (دُعا شروع کی اور) عرض کیا کہ میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے مَیں شام کے وقت ان سے پہلے دودھ نہیں پیتا تھا ایک روز وہ ایک درخت کے سایہ میں سو گئے تھے تو میں انہی کے پاس رہا (وہاں سے کہیں نہیں گیا) پھر جب شام کو دودھ دوہا تو اُن کے واسطے لے کر حاضر ہوا تو اُن کو سوتا ہوا پایا اب مجھے نہ یہ پسند ہوا کہ انہیں جگالوں اور نہ یہ پسند ہوا کہ خود ان سے پہلے پی لوں۔آخر مَیں ہاتھ میں پیالہ لئے کھڑا رہا اور اُن کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی تب وہ جاگے اور اُٹھ کر وہ شام کا دودھ

پیا۔ اے اِلٰہ العالمین اگر میں نے یہ سب آپ ہی کی رضا مندی کے لئے کیا ہے تو آپ ہم سے پتھر کی اس مصیبت کو جس میں ہم مبتلا ہیں دُور فرما دیجئے۔

(اس کی دعا کے بعد) وہ پتھر اس قدر کُھل گیا کہ وہ غار سے نکل نہ سکے۔ پھر دوسرے نے (دعا شروع کی اور) عرض کیا کہ میرے چچا کے یہاں ایک لڑکی تھی جو تمام دُنیا سے زیادہ مجھے محبوب تھی مَیں نے اُسے (اپنی خواہشات کے لئے) ورغلایا مگر وہ اس سے باز رہی (اور میرا کہنا نہ مانا) یہاں تک کہ قحط پڑا اور ایک سال بہت سخت آیا تو وہ میرے پاس آئی (اور اپنی تنگ دستی وفقر کا حال بیان کیا) مَیں نے اس کو بہت سا مال اس شرط پر دیا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ خلوت کا موقع دے دے (تنگدستی کی مجبوری میں اس نے مان لیا) جب مَیں اس پر پوری طرح قابو پا گیا تو اس نے کہا کہ تم کو یہ جائز نہیں کہ بدوں حق حاصل ہوئے اس مہر کو توڑ دو (مجھ پر آپ کا خوف غالب ہوا اور) مَیں اس حرکت سے باز آ گیا۔ مَیں نے اس کو بھی چھوڑ دیا اور سب مال بھی اس کے پاس رہنے دیا۔ اے اللہ اگر مَیں نے یہ سب آپ کی رضاء کے لئے کیا تھا تو آپ ہم سے اس مصیبت کو دُور فرما دیجئے (اس کی دعا کے بعد) وہ پتھر اور کُھل گیا۔ مگر (پھر بھی) یہ لوگ نکل نہیں سکے۔ فرمایا پھر تیسرے شخص نے (دُعا کرنا شروع کی اور) عرض کیا کہ اے اِلٰہ العالمین مَیں نے چند مزدوروں کو اُجرت پر رکھا تھا (جب وہ کام پورا کر چکے تو) مَیں نے سب کو ان کی مزدوریاں دے دیں سوائے اس شخص کے کہ وہ (مزدوری کو کم سمجھ کر یا یہ سمجھ کر کہ پھر لے لوں گا اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا (مَیں نے اس کی مزدوری سے کاروبار شروع کر دیا) حتیٰ کہ اس کی مزدوری سے بہت کچھ نفع ہوا اور اس سے بہت مال ودولت حاصل ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ آیا اور (مجھ سے) کہا کہ اَے اللہ کے بندے میری مزدوری مجھے دے دے۔ مَیں نے کہا کہ یہ جو کچھ مال تم دیکھ رہے ہو، اُونٹ بکریاں غلام وغیرہ یہ سب تمہاری ہی مزدوری ہے وہ (یہ سُن کر) کہنے لگے اے اللہ کے بندے تو مجھ سے مذاق کرتا ہے (میں اس کو نہیں مانگتا مَیں تو

صرف اپنی مزدوری چاہتا ہوں) مَیں نے کہا نہیں مَیں ہنسی نہیں کرتا (یہ سب کچھ مال و دولت تیری ہی مزدوری سے کاروبار کر کے حاصل ہوا ہے اس لئے واقعی یہ سب کا سب تیرا ہی مال ہے) تو اس نے سب کا سب مال لے لیا۔ اے اللہ اگر مَیں نے یہ صرف آپ کی ہی رضا کے واسطے کیا ہے تو آپ اس مصیبت کو جس میں ہم مبتلا ہیں دُور فرما دیجئے۔ (اس کی دعا کے بعد) وہ پتھر غار کے اُوپر سے ہٹ گیا اور یہ تینوں نکل کر چل دیئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بخاری و مسلم میں ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ بہت سے پراگندہ حال غبار آلود پھٹے کپڑوں والے جن کا (عام طور سے لوگوں کے یہاں) کوئی خیال نہیں کیا جاتا ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے (کسی کام کے ہونے پر) قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ اسے پوری فرما دیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز اور اُس چیز (یعنی معمولی یا بڑی چیز بلکہ بڑے سے بڑے کام میں بھی) کوئی فرق نہیں فرمایا۔

(۴) سعید بن میسب رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص ایک گائے لئے جا رہا تھا اور اس نے اس کے اُوپر کچھ سامان لاد رکھا تھا۔ گائے نے اس کی طرف منہ موڑ کر کہا مَیں اس کام کے لئے نہیں پیدا کی گئی ہوں کھیتی کے کاموں کے لئے پیدا کی گئی ہوں۔ لوگوں نے سُنا تو بہت تعجب کیا کہ سبحان اللہ گائے بھی بولتی ہے (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا تو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر مَیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ایمان رکھتے ہیں۔

(۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ یکا یک ایک شخص بادل میں سے کڑک کی یا (ویسی ہی) ایک آواز سنتا ہے (کہ کوئی شخص بادل کو حکم دے رہا ہے) کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے یہ شخص کہتا ہے کہ مَیں نے یہ عجیب واقعہ دیکھا تو مجھے اس کے نتیجہ کا شوق ہوا اور) مَیں بھی اس باغ

کی طرف چل دیا۔ وہاں ایک آدمی کھڑا تھا۔ مَیں نے پوچھا آپ کا کیا نام ہے؟ اُس نے بتایا کہ فلاں پسر فلاں مَیں نے پوچھا آپ جب اس باغ کا پھل توڑتے ہیں تو کیا کیا کرتے ہیں؟ اس نے کہا تم کیوں پوچھتے ہو؟ مَیں نے کہا کہ میرے پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ (جب بادل اُٹھا تو) مَیں نے بادل میں سے یہ آواز سُنی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے (تو مجھے اشتیاق ہوا کہ تم سے مل کر پوچھوں کہ تم ایسا کیا نیک کام کرتے ہو جس سے تم پر اس قدر غیبی عنایات ہوتی ہیں کہ مَیں بھی ایسا ہی کام کیا کروں) اس نے کہا کہ تم ایسا کہتے ہو تو سنو مَیں اس کی آمدن کے تین حصے کرتا ہوں ایک حصہ تو اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے رکھتا ہوں اور ایک حصہ مسکینوں اور مسافروں کے واسطے نکال دیتا ہوں اور ایک حصہ پھر اسی میں لگا دیتا ہوں۔

آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

مناسب یہ ہے کہ ہم پہلے وہ کرامتیں ذکر کریں جن کے متعلق منقول ہے کہ یہ حضرات خلفائے راشدین سے صادر ہوئی ہیں اور ان کے بعد ان کرامتوں کو جو اور صحابہ سے ظاہر ہوئی ہیں (یہاں تک کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون چلا آرہا ہے آگے مصنف کہتے ہیں) کہ یہاں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کی وہ کرامتیں بیان کی ہیں جن کو مَیں نے ان سے اور دوسرے حضرات سے کرامات صحابہ میں نقل کی ہیں پھر امام موصوف نے بیان کیا ہے کہ صوفیاء کی کتابوں میں کرامتوں کے بارے میں بے حد روایتیں موجود ہیں جو شخص ان کو دیکھنا چاہتا ہو وہ کتب صوفیاء کا مطالعہ کرے۔ (ص ۹/۳۴، کل صفحہ ۱۳ سطر..... ص ۱۲/۱۳)

اب یہ اور باقی رہ گیا کہ ہم کرامت اور استدراج ﴿غیر متبع شریعت سے اگر کوئی بات خلاف عادت و معمول صادر ہوتی ہے اس کو استدراج کہتے ہیں۔ ۱۲ مترجم﴾ میں فرق بیان کریں تو ہم کہتے ہیں کہ کرامت والا کرامت سے محفوظ نہیں ہوتا بلکہ کرامت کے ظاہر ہونے کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا خوف غالب اور اُن کے قہر کا ڈر مسلط ہو جاتا ہے وہ

ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اس کا یہ فعل استدراج نہ ہو اور صاحب استدراج اس فعل سے جو اس سے صادر ہو جاتا ہے محفوظ ہوتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس نے یہ کرامت اس لئے پائی ہے کہ وہ اس کا مستحق تھا وہ اس وقت دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اس فعل کی وجہ سے تکبر کرنے لگتا ہے اللہ تعالیٰ کی تدابیر و گرفت سے مطمئن ہو جاتا ہے اور بدانجامی سے خوف محسوس نہیں کرتا تو جب خرق عادت والے پران باتوں میں سے کوئی سی بات ظاہر ہو تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کا یہ فعل استدراج ہے کرامت نہیں۔ اسی راز کی وجہ سے محققین نے کہا ہے کہ جب بارگاہِ لایزال سے انقطاع ہوتا ہے اکثر مقامات کی کرامات ہی میں ہوتا ہے اسی وجہ سے تم محققین کو دیکھو گے کہ وہ کرامتوں سے ایسے ہی ڈرتے رہتے ہیں جیسے اور بلاؤں سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس بات پر کہ کرامتوں سے محفوظ ہونا راہِ حق سے منقطع کرنے والا ہے کئی دلیلیں ہیں۔

(۱) خرق عادت پر گھمنڈ جب حاصل ہوتا ہے کہ انسان یہ اعتقاد کرے کہ وہ اس کرامت کا مستحق ہے ورنہ یہ فرض کرنے پر کہ وہ اس کا مستحق نہ تھا اس کو کرامت سے کوئی فرحت نہیں حاصل ہو سکتی بلکہ ضروری ہے کہ اپنے مولا کے فضل و کرم کی فرحت اپنی ذات کی فرحت سے بھی زیادہ ہو (نہ یہ کہ خود کرامت پر فرحت ہو) حاصل یہ ہے کہ جب صاحب کرامت اپنے کو کرامت کا مستحق نہیں سمجھے گا بلکہ اُسے محض فضل و کرم الٰہی سمجھے گا تو اس کو نفس کرامت پر تو کیا مسرت ہوتی اپنے کو غیر مستحق سمجھنے کی وجہ سے کرامت کے اپنی ذات کے متعلق ہونے کی وجہ سے اپنی ذات پر بھی فرحت نہیں ہوتی۔ بس محض فضل و کرم الٰہی کی فرحت ہوتی ہے اور یہ فرحت اپنی ذات کے انتساب کی فرحت پر غالب ہوتی ہے اور جو شخص اپنے کو اس کا مستحق سمجھے گا تو اس کو فضل و کرم کا تو احساس ہی نہ ہو گا اس لئے اس کو اس کی فرحت بھی نہ ہو گی ہاں مستحق سمجھنے کی وجہ سے اپنی ذات سے متعلق ہونے کی فرحت ہو گی اور اس سے بھی زیادہ فرحت نفس کرامت کے صدور کی ہو گی) تو ثابت ہو گیا کہ کرامت سے محفوظ ہونے

والے کو کرامت پر جو فرحت ہوتی ہے وہ اپنی ذات پر فرحت سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کرامت پر فرحت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب یہ اعتقاد ہو کہ یہ اس کا اہل اور مستحق ہے اور یہ (خود کو کرامتوں کا مستحق سمجھنا) عین جہالت ہے کیونکہ فرشتے تو جناب باری میں یہ عرض کرتے ہیں لا علم لنا الا ما علمتنا ہمیں کچھ علم نہیں سوائے اس کے جو جناب نے تعلیم فرمایا ہے) اور حق تعالیٰ نے اس پر بھی یہ ارشاد فرمایا ہے ما قدروا اللّٰہ حق قدرہ (انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ان کی شان کے موافق نہیں کی) یعنی جب فرشتے باوجود اعتراف فضل وکرم واقرار عدم استحقاق کے بھی ناواقف وناقدر شناس قرار دیئے گئے تو یہ انسان جو خود کو مستحق سمجھے اور فضل وکرم محض ہونے کا اعتراف نہ کرے کس درجہ بے علم وجاہل ہے۔ یہ بالکل ظاہر ہے) دوسرے عقلی دلیل سے بھی ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ پر مخلوق میں سے کسی کا کوئی حق نہیں ہے تو پھر کسی کو خود کو کسی بات کا مستحق گمان کرنے کا خیال کیسے ہو سکتا ہے؟

(۲) کرامات ذات باری کی غیر ہیں تو کرامت پر فرحت غیر اللہ پر فرحت ہوئی اور غیر اللہ پر فرحت اللہ تعالیٰ سے حجاب ہے تو جو چیز حجاب بنائی ہوئے ہو تو اس پر فرحت وسرور کیسے ہو سکتا ہے۔

(۳) جو شخص اپنے دل میں اس کا اعتقاد رکھے گا کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے کرامت کا مستحق ہوا ہے تو اس کے دل میں اس کے اعمال کی بہت وقعت ہو جائے گی اور جس کے دل میں اپنے اعمال کی وقعت ہوتی ہے وہ جاہل ہوتا ہے (عارف نہیں ہو سکتا کیونکہ) اگر وہ اپنے رب کو پہچانتا ہوتا تو جان لیتا کہ اس کی عظمت شان کے سامنے تمام مخلوق کی تمام عبادتیں ہیچ اس کی نعمت اور رزق کے مقابلہ میں ساری خلقت کا شکر کالعدم اور ان کی عزت ورفعت کے آگے تمام کائنات کے علوم ومعارف حیرت و جہالت ہیں۔ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک معلم نے حضرت ابوعلی الدقائق کی مجلس میں یہ پڑھا۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح

یرفعه (اللہ تعالیٰ کی طرف ہی کلمہ خیر بلند ہوتا ہے اور وہ نیک عمل کو رفعت دیتے ہیں) تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے عملوں کو رفعت دینے کی علامت یہ ہے کہ وہ عمل تمہارے پاس باقی نہ رہے یعنی تم کو اس پر ناز نہ ہو اور تم اس کو قابل قدر سمجھے ہوئے نہ ہو اگر تمہارا عمل تمہاری نظر میں باقی رہ جائے تو وہ دفع کیا ہوا ہے اور اگر تمہاری نظر سے باقی نہ رہے تو رفع کیا ہوا ہے اور مقبول ہے۔

(۴) صاحبِ کرمت کو کرامت اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں انکسار و تواضع کرتا ہے تو جب وہ ان کرامتوں کی وجہ تفوق خودداری اور تکبر کرے گا تو وہ کیفیت ہی باطل ہو جائے گی جس کی وجہ سے یہ کرامت تک پہنچ گیا تھا تو (اپنے کو مستحق سمجھنے اور ان سے محفوظ ہونے کے ساتھ) کرامتوں کے صادر ہونے کا طریقہ کرامتوں کے صادر نہ ہونے تک پہنچانے والا اور مردود کردینے والا ہے۔ اسی راز کی وجہ سے کبھی کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات بابرکات کے اوصاف و فضائل بیان فرمائے ہیں ہر ایک کے آخر میں یہ بھی فرمادیا ہے ولا فخر (اس پر کوئی فخر نہیں) یعنی میں ان اُمور پر فخر نہیں کرتا۔ بلکہ ان کے عطاء اور یہ فضل و کرم کرنے والے پر فخر کرتا ہوں۔)

(۵) ابلیس اور بلعام سے بڑی بڑی کھلی کھلی کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں لیکن ابلیس کے متعلق تو یہ فرمایا گیا ہے وکان من الکافرین (اور وہ کافروں میں سے تھا) اور بلعام کے لئے ارشاد ہے فمثله کمثل الکلب (تو اس کی مثال کتے کی سی ہے) اور علمائے بنی اسرائیل کے لئے فرمایا ہے مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا. (ان لوگوں کی مثال جن کو تورات دی گئی تھی پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اُٹھائے ہوئے ہو) اور انہی کے بارے میں ارشاد ہے: وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَاجَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا م بَیْنَهُم۔ (ان لوگوں میں جن کو کتاب دی گئی ہے اختلاف نہیں ہوا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا ایک سے دوسرے پر

زیادتی کی وجہ سے ہوا) تو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا گمراہیوں اور ظلمتوں میں واقع ہو جانا اپنے علم وزُہد پر جوان کو دیا گیا تھا مغرور ہو جانے کی وجہ سے تھا۔

(۶) کرامات خالق کرامات کی غیر ہیں اور جو شے بھی غیر خالق ہے وہ ہیچ اور ذلیل ہے اور جو شخص کسی ذلت والی شے سے عزت کا مدعی ہے وہ خود ذلیل ہے (اس لئے خالق کو چھوڑ کر غیر خالق یعنی کرامات سے عزت کا مدعی خود ذلیل ہے) انہی معنی سے حضرت خلیل اللہ صلوات اللہ تعالیٰ علیہ نے (جب آگ میں ڈالنے کے وقت لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ تم کو کوئی حاجت ہو تو کہو اس پر) فرمایا کہ مجھ کو تم سے کوئی حاجت نہیں ہے کیونکہ حاجت مندوں سے حاجت روائی چاہنا خود محتاجی اور عاجزوں سے قوت چاہنا عجز و ناقصوں سے کمال کا طالب ہونا نقص اور حادث شے سے مسرور ہونا حماقت ہے۔ ہاں حق تعالیٰ کی طرف بالکلیہ متوجہ ہو جانا اخلاص ہے تو ثابت ہوا کہ جب درویش کرامت سے محفوظ ومسرور ہوگا تو اپنے درجہ سے گر جائے گا اور جب کرامتوں میں خالق کرامات کا اور اس اعزاز میں اعزاز دہندہ کا اور مخلوق میں خالق کا مشاہدہ کرے گا اس وقت وصول الی اللہ کا مستحق ہوگا۔

(۷) اپنی ذات اور اپنی صفات پر فخر کرنا فرعون اور ابلیس کی صفت ہے کیونکہ ابلیس نے کہا تھا انا خیر منه (میں آدم سے بہتر ہوں) اور فرعون نے کہا تھا الیس لی ملک مصر (کیا میرے پاس مصر کا ملک نہیں ہے) اور وہ ہر شخص جو خدائی کا یا نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اس کی غرض سوائے اپنے نفس کو زینت دینے (اور دنیا بھر سے ممتاز بنانے) اور حرص وخود پسندی کو تقویت دینے کے اور کچھ نہیں (اس لئے اپنے کو ممتاز بنانا خود پسندی کرنا جھوٹے مدعیان خدائی ونبوت کا سا کام ہے۔ اس کو ولایت و بزرگی سے کیا تعلق تو کرامتوں پر فرحت وسرور اور غرور کرنا مقبولیت کی نہیں مردودیت کی علامت ہے) اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں جن میں سے آخری چیز انسان کا خود پسندی کرنا بیان فرمائی ہے۔

(۸) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: فَخُذْ مَآ اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (لے لو جو کچھ ہم نے تم کو عطا کیا ہے اور شکر گزاروں میں ہو جاؤ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ یوم الیقین یعنی قیامت آجائے) جب صاحب کرامت کو کرامت جیسا زبردست عطیہ عنایت فرمایا ہے تو اس کو اس پر عطا کنندہ کی شکر گزاری کا حکم فرمایا ہے نہ کہ عطیہ پر مسرور ہونے کا اس لئے اس سے محظوظ و مسرور ہونا اور احسان کا شکر گزار نہ ہونا مرض الٰہی کے خلاف ہے۔

(۹) جب حق تعالیٰ جل شانہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بادشاہ اور نبی بندہ ہونے میں اختیار کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (بندہ ہونا اختیار فرمایا بادشاہ ہونا پسند نہیں فرمایا اور) ملک کو ترک فرما دیا تھا حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک ایسے ملک کا حاصل کرنا جو مشرق سے مغرب تک ہو کرامات میں سے نہیں بلکہ معجزات میں سے تھا۔ پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک کو ترک فرما دیا اور عبدیت کو اختیار فرمایا تو یہ اس لئے فرمایا ہے کہ جب آپ عبد ہوں گے تو آپ کو اپنے مولیٰ پر فخر ہوگا اور جب بادشاہ ہوں گے تو غلاموں پر فخر ہوگا۔ پھر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدیت کو اختیار فرمایا ہے اس وجہ سے اس التحیات ﴿وہی التحیات جس کو ہم لوگ حنفیہ نماز میں پڑھتے ہیں اور بعض دوسرے ائمہ کے یہاں دوسرے صحابہ کی روایت سے ذرا مختلف ہے۔۱۲ مترجم﴾ میں جس کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے بہ سنت فرمایا "کہ دو میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور ان کے رسول ہیں"۔ اور معراج کے بارے میں ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو لے گئی) ارشاد فرمایا ہے (تو خدائے قدوس کی بندگی اور اُس کے فضل کی محتاجی کا فخر سنت نبویہ ہے اور غیر پر فخر و فرحت خلاف طریق مصطفوی ہے)

(۱۰) مولا سے محبت رکھنے والا اور ہوتا ہے اور مولیٰ کی طرف کی چیز سے محبت رکھنے والا اور تو جو شخص مولیٰ سے محبت رکھنے والا ہوگا وہ غیر مولیٰ پر مسرور نہ ہوگا اور نہ غیر مولیٰ

سے کوئی حظ حاصل کرے گا اس لئے غیر مولا سے مسرور ہونا اور اُس سے حظ حاصل کرنا اس کی دلیل ہے کہ یہ مولیٰ سے محبت رکھنے والا نہیں بلکہ حظ نفس کی محبت والا ہے اور حظ نفس نفس ہی کی محبت کی) وجہ سے مطلوب ہوتا ہے تو ایسے شخص نے نفس سے محبت کی مولیٰ سے محبت نہیں کی (اور اس کا مطلوب نفس ہی ہوا مولیٰ نہیں ہوا) بلکہ خود مولیٰ کو بھی اسی مطلوب اور برے بت یعنی نفس کی مطلوبیت کا ذریعہ بنالیا ہے (تو یہ مولیٰ کا طالب نہیں ہوا بلکہ اپنے مولیٰ کو بُت پرستی کا ذریعہ بنانے والا ہوا) جیسے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ۔ (کیا تم نے اُس کو دیکھا ہے جس نے اپنا معبود خواہش نفس کو بنالیا) تو یہ شخص ایک برے بت کی عبادت کرنے والا ہوا اور محققین نے بیان کیا ہے کہ بتوں کی عبادت میں سے کسی کی عبادت اس قدر مضر نہیں جس قدر نفس کی عبادت مضر ہے اور بتوں کی عبادت سے اس قدر اندیشہ نہیں ہے جس قدر کرامتوں پر مسرور ہونے سے ہے۔

(۱۱) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ.

”جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اُس کے واسطہ راستہ نکال دیں گے اور ایسی جگہ سے اُس کو رزق دیں گے کہ وہ گمان بھی نہ کر سکے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو کافی ہوجاتے ہیں)۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف نہ رکھے گا اور توکل نہ کرے گا اُس کے واسطے ان افعال واحوال میں سے کچھ بھی نہ ہوگا (اس سے ثابت ہوا کہ کرامات پر خوش ہونے سے چونکہ حق تعالیٰ کا خوف اور اُن پر توکل نہیں رہتا اس لئے وہ خوش ہونے والا پھر ان کرامتوں کا اہل ہی نہیں رہتا تو یہ کرامت عدم کرامت کا سبب ہوگئی۔

(ص ۱۴/۱۳۱ کل اصفحہ ۷ اسطر.....ص ۲۰/۴)

کراماتِ اولیاء معجزاتِ انبیاء کا تتمہ ہوتی ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کسی (نبی کی

اُمت کے) ولی سے اُس کے نبی (کی وفات) کے بعد کوئی کرامت ظاہر ہوتی ہے تو یہ کرامت اُس کے نبی کے معجزات کا تتمہ ہوتی ہے۔ (کیونکہ اس ولی کو جو کچھ فیض حاصل ہوا ہے وہ اس نبی سے ہی ہوا ہے اور اس کے ہاتھ پر جو خرق عادت ظاہر ہوا ہے چونکہ وہ اس نبی کے فیض کی وجہ سے ہے تو وہ بھی نبی سے ہی ظاہر ہوا ہے یا بلا واسطہ نہیں ہوا بلکہ اس ولی کے واسطہ سے ہوا ہے جو خرق عادت نبی سے ظاہر ہوا تھا وہ معجزہ بلا واسطہ اور جو خرق عادت اس کے فیض یافتہ ولی سے ظاہر ہوا ہے وہ بھی اسی کا معجزہ ہے مگر معجزہ بالواسطہ ہے اس لئے ولی کی کرامت اُس کے نبی کا معجزہ بالواسطہ یا یوں کہئے کہ تتمہ معجزہ ہے) اسی طرح اس اُمت کے نیک بندوں کی کرامتیں بھی اس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کے تتمے میں اور اولیائے اُمت رحمہم اللہ تعالیٰ کا وجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ رہنے والے معجزات ہیں کہ انہی کی برکت سے لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں انہی کی بدولت شہروں سے بلائیں دفع کی جاتی ہیں انہی کی دُعاؤں سے حق تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور انہی کے وجود کی برکات سے عذاب دفع کئے جاتے ہیں۔

جامع کتاب فقیر یوسف نبہانی عرض کرتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اولیاء کی کرامتیں (بہ نسبت دوسری اُمتوں کے) بہت زیادہ ہیں اس کی حکمت کیا ہے تو حقیقتِ حال تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے بظاہر یہ ہے کہ معجزوں کی کثرت سے حیات میں بھی اور بعد وصال بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سید الانبیاء ہونا ظاہر کرنا ہے (کہ تمام انبیاء کے معجزات بواسطہ یا بلا واسطہ جس قدر ہوئے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بواسطہ یا بلا واسطہ ان سب سے اُسی قدر زیادہ ہیں جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے اس لئے معجزوں کی زیادتی مرتبہ کی زیادتی کو ظاہر کرتی ہے) ایک وجہ اولیاء امت محمدیہ کی کرامتوں کے زیادہ ہونے کی یہ بھی ہے کہ چونکہ حضور خاتم النبیین محبوب رب العالمین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قیامت تک باقی رہنے والا ہے اس لئے اسباب تصدیق کی

ضرورت بھی عرصہ دراز (بلکہ قیامت) تک رہے گی اور اسباب تصدیق رسالت میں سے قوی اسباب کرامات اولیاء بھی ہیں جو درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی معجزے ہیں اور یہ اُس سید المعجزات قرآن مجید کے علاوہ ہیں جو بہت سے کھلے کھلے معجزوں کا جامع خدائے قدوس کا کلام قدیم سراپائے حکمت ہے جس کے سامنے سے باطل آسکتا ہے نہ پیچھے سے اور حکمت والی ذات کا نازل کیا ہوا ہے۔ اوران علاماتِ قیامت کے بھی علاوہ ہیں جن کا ظہور یکے بعد دیگرے حسب ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا رہے گا اور انہی کرامتوں کی وجہ سے یہ کیفیت ہے کہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے درمیان تشریف فرما ہیں اور لوگ وصال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ایسا ہی مشاہدہ کررہے ہیں جیسا کہ حیات شریفہ میں کرتے تھے تاکہ جو لوگ اِیمان لاچکے ہیں اُن کے ایمان میں ترقی وقوت ہو اور جو لوگ اب تک ایمان سے مشرف نہیں ہوئے اُن میں سے جسے چاہیں اللہ تعالیٰ ہدایت بخش دیں، کرامتوں کا کثرت سے صادر ہونا، اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں اولیاء اللہ کی کثرت ہو اور اولیائے کرام کی تعداد جیسے کہ شیخ اکبر سلطان العارفین سید محی الدین بن عربی وغیرہ نے اُس حدیث سے جو اسباب میں وارد ہوئی ہے سند حاصل کر کے اور کشف صحیح سے معلوم کر کے بیان فرمایا ہے۔ ہر زمانے میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد کے موافق ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ان حضرات کے ہاتھوں پر کس قدر کرامتیں ظاہر ہوتی ہوں گی اور چونکہ سب کی سب کرامتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے ہی ہیں اس لئے ان کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے روز بروز حد شمار سے زیادہ بڑھتے رہتے ہیں۔

کرامتوں کے بے شمار اور عرصہ دراز تک ہونے کی جو وجہ مَیں نے بیان کی ہے دراصل یہی اصلی سبب ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر بہ نسبت بعد کے اولیاء اللہ کے کرامتیں کم ظاہر ہوئی ہیں کیونکہ دین کی صحت کا ثبوت مؤمنین کے ایمان

کی ترقی اور غیر مؤمنین کی ہدایت صحابہ کے زمانہ میں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن معجزوں سے ہی حاصل ہو جاتی تھی جن کو یہ حضرات ہر وقت مختلف انواع سے مشاہدہ کرتے رہتے تھے اس لئے گو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی کرامتیں بھی اور اولیاء کی کرامتوں کی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہی شمار ہوتی تھیں لیکن ان کی ضرورت بہ نسبت بعد کے اولیاء کی کرامتوں کے کم تھی۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طبقات میں بیان کیا ہے کہ اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ کیا بات ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں ان کی کرامتیں گو فی نفسہا بہت ہیں لیکن ان کرامتوں کی بہ نسبت جو ان کے بعد کے اولیاء کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئی ہیں بہت کم ہیں تو پہلا جواب تو وہ ہے جو حضرت امام جلیل المرتبت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا عنایت فرمایا تھا کہ اس زمانہ کے لوگوں کے ایمان خود بہت قوی تھے اِن کو کسی ایسی بات کی بھی ضرورت نہ تھی جس سے ایمان کو تقویت حاصل ہوتی ہو اور دوسرے لوگ اپنے اپنے زمانوں میں ضعیف الایمان ہوئے ہیں اس لئے ان کے ایمانوں کو قوی کرنے کے واسطے کرامتوں کے اظہار کی ضرورت بہت زیادہ ہوئی ہے اور اسی کی نظیر حضرت سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے کہ خرق عادت کا ظہور جس کے ہاتھ پر ہوتا ہے یہ اُس کے ضعف یقین کی وجہ سے حق تعالیٰ کی طرف سے اپنے عابد و زاہد لوگوں پر ایک رحمت اور ثواب عاجل کے طور پر ہوتا ہے اور اُن سے اُوپر کے درجہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دِلوں سے حجابات اُٹھ چکے ہیں ان کو ایسی چیزوں کی ضرورت نہیں رہی اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کی کرامتوں کو نقل کرنا غیر ضروری سمجھا گیا ہے کیونکہ ان حضرات کے مرتبہ کی عظمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا اور راہِ مستقیم پر شدت سے قائم ہونا جو خود نہایت زبردست کرامت ہے یہی کافی ہے باوجود اس کے کہ اُن کے ہاتھوں پر دنیوی فتوحات بھی بہت کچھ ہوئی ہیں حالانکہ نہ انہوں نے دنیا کی طرف التفات فرمایا نہ ادھر کوئی توجہ کی اور پھر ان میں سے کسی پر بھی

دنیا نے کوئی اثر نہیں کیا (جیسے دوسرے لوگوں پر فتوحات دنیویہ کا اثر ہوتا ہے کہ ان کے مرتبہ میں تنزل ہو جاتا ہے۔ ان میں سے کسی شخص پر بھی ایسا اثر نہیں ہوا) اور باوجود اس کے دنیا سے ان کا اعراض بہت ہی زیادہ پھر دنیا ان حضرات کے پاس اس سے کئی گنا زائد تھی جواَب ہمارے پاس ہے ان کو تو سوائے اعلاء کلمۃ اللہ اور بارگاہ الٰہی میں متوجہ رہنے کے اور کوئی شوق ہی نہ تھا۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ختم ہو گیا۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ (قشیریہ) میں بیان کیا ہے کہ اگر کسی ولی سے دنیا میں کوئی کرامت ظاہر نہ ہو تو اس سے ولایت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ شیخ الاسلام زکریا انصاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی یہ ولی جس سے کسی کرامت کا ظہور نہیں ہوا اس ولی سے افضل ہوتا ہے جس سے بہت سی کرامتوں کا ظہور ہوتا ہے کیونکہ افضل ہونا یقین کی بیشی (اور اس کی پختگی کی زیادتی) سے ہوتا ہے نہ کہ کرامات کے ظہور سے (اس لئے جس کا یقین پختگی کے بہت اعلیٰ درجوں پر ہو گا اُس کی ولایت افضل ہو گی چاہے اُس سے ایک کرامت کا بھی ظہور نہ ہوا ہو۔) امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''یہ ضروری نہیں کہ جو ولی صاحبِ کرامت ہو وہ غیر صاحب کرامت ولی سے افضل ہو بلکہ کبھی کبھی بعض غیر صاحب کرامت صاحبِ کرامت سے افضل ہوتے ہیں''۔ اور سیدی محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے مواقع النجوم میں پیروں کی خاص کرامتوں جیسے پانی پر یا ہوا پر چلنا وغیرہ وغیرہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب کے سب اصحاب مقامات جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، سردارِ وقت، بزرگ، متقی سراپائے خیر اللہ والے، اولیاء اللہ، اشرف ترین زمانہ اور ابدال ہیں لیکن ان سب میں سے یاقوت سرخ اکسیر اعظم سراپائے اعمال۔ غیر کی طرف التفات سے پاک تمام اوصاف نیک کے مالک کل آفات سے بری حجابات محفوظیت اور تاریکی وجودات اور فوائد مشہور کی ظلمت میں مستور عروس نو دوہ ہیں جو نہ خود کسی کو پہنچانتے ہیں نہ اُن کو کوئی پہچانتا ہے کبھی ظاہر کر دیئے جاتے

ہیں اور کبھی نہیں کیے جاتے اور نہ اُن کو کوئی یاد کیا کرتا ہے تم ان کو اس حالت میں پاؤ گے کہ کسی دکان میں پڑے ہوں گے کُتے ان کو لپٹتے ہوں گے یا بدحواس ہوں گے کہ اُن کے پتھر مارے جاتے ہوں گے نہ کسی کو ان کا اہتمام ہوگا نہ اُن کی طرف نظریں اُٹھتی ہوں گی۔ حق تعالیٰ کی اُس غیرت نے جواُن کی ذات سے متعلق ہے ان کو لوگوں سے محجوب کردیا۔ شیخ ابن عربی نے یہ مضمون یہاں تک بیان کیا ہے کہ مَیں یہ نہیں کہتا کہ بزرگ جو مراد کے درجہ پر ہیں برگزیدہ احوال یاقوت وقت اور اکسیر وجود ہیں ان سے یہ کرامتیں بالکل صادر ہی نہیں ہوتیں بلکہ کسی کسی وقت کسی مصلحت سے بھی ہو جاتی ہیں مگر ہمیشہ ہوتی ہیں اس کی کوئی سبیل نہیں اور اس کی وجہ ایک مخفی راز ہے۔

غرض شیخ اکبر رضی اللہ عنہ یہ فرمار ہے ہیں کہ اولیاء اللہ کا یہ گروہ باوجود عظیم الشان ہونے کے ایسا ہے کہ اُس کے ہاتھوں پر کرامتوں کا صدور بہت کم ہے۔ یہ لوگ چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے حالات مجہول و مستور رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رضا کی بارش نازل فرمائیں ۔ اب تم یہاں سے معلوم کر سکتے ہو کہ اس کتاب میں جو جو حضرات دوسروں سے زیادہ کرامتوں والے ہیں تو اُن کی کرامتوں کا زیادہ ہونا اس کی دلیل نہیں ہے کہ یہ حضرات دوسرے حضرات سے افضل ہو گئے کیونکہ تم سُن چکے ہو کہ بعض غیر صاحب کرامات اولیاء صاحب کرامات سے افضل ہوتے ہیں مگر یہ حضرات (باوجود کرامتوں کے) صرف درجہ ولایت کی وجہ سے فضل عظیم کے مالک ہوتے ہیں ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حق سبحانہٗ ان حضرات کو کبھی بھی کرامتوں سے مشرف نہ فرماتے اور ان کے لئے کبھی خرق عادت نہ فرماتے۔

کبھی کبھی بعض جھوٹے مدعی صوفیوں کا بھیس بھرنے والے خود کو اہلِ ارشاد سمجھنے والے حالانکہ حقیقت میں وہ اہلِ ارشاد نہیں اہلِ جہل و فساد اور صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں اس ڈر سے کہ کہیں کرامتوں کے صادر نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں سے ان کی عقیدت نہ جاتی رہے یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ بھی اسی مقدس گروہ میں سے ہیں

اور ولایت میں ان کا درجہ کرامات والے بزرگوں سے بڑھا ہوا ہے۔ اور پھر ان صاحب کرامات بزرگوں کی تحقیر وتوہین بھی کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں اُن کی عزت واعتبار قائم رہے۔ لیکن خدا کی قسم یہ وہ لوگ ہیں جو تمام شر والوں سے زیادہ اہلِ شر اور تمام فاجروں سے بڑھ کر فاجر ہیں بلکہ ان سے تو وہ عوام وجہال بہت بہتر ہیں جو علی الاعلان فسق وفجور میں مُبتلا ہیں۔ (ص ۲۱/ ۲۸ کل صفحہ ۲۳ سطر.....ص ۳۰/ ۲۷)

مطلب دوم.........(کرامات کی قسمیں)

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے "طبقات کبریٰ" میں بیان کیا ہے کہ کرامتوں کی بہت سی قسمیں ہیں:

(۱) مُردوں کا زندہ کرنا اور دلیل میں ابو عبید یُسری کا قصہ بیان کیا ہے کہ اُنہوں نے ایک جنگ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی تھی کہ اُن کی سواری کو زندہ فرمادیں اور حق تعالیٰ نے (اُس کو اُن کی دُعا) سے زندہ فرمادیا تھا اور مفرج دمامینی کا قصہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بھُنے ہوئے پرندوں کے بچوں کو فرمایا تھا کہ اُڑ جاؤ تو وہ اُڑ گئے تھے اور شیخ اہدل کا قصہ لکھا ہے کہ اُنہوں نے مری ہوئی بلی کو آواز دی تو وہ ان کے پاس آ گئی اور شیخ عبدالقادر کی حکایت لکھی ہے کہ آپ نے گوشت کھالینے کے بعد مرغ کی ہڈیوں کو فرمایا کہ اُس اللہ کی اجازت سے اُٹھ کھڑا ہو جو بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ فرماتے ہیں، تو مُرغ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اور شیخ ابو یوسف دہمانی کا واقعہ کہ آپ ایک مُردہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اُٹھ جا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور پھر عرصہ دراز تک زندہ رہا اور شیخ زین الدین فاروقی شافعی مدرس شامیہ کا قصہ بھی لکھا ہے جس کے متعلق علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ مَیں نے اس قصے کو اُن کے صاحبزادہ اللہ تعالیٰ کے ولی شیخ فتح الدین یحیٰ سے سُنا ہے کہ اُن کے گھر میں ایک چھوٹا بچہ چھت سے گر گیا اور مَر گیا تھا۔ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور اللہ تعالیٰ نے

اُسے زندہ کر دیا تھا (ان سب واقعات کے نقل کرنے کے بعد) سبکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کرامات کی اس قسم میں جو جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں چونکہ وہ بہت زیادہ ہیں اس لئے اُن سب کے ضبط کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے پھر کہتے ہیں کہ میں اس پر ایمان تو رکھتا ہوں لیکن یہ بھی کہے دیتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی ہے کہ کسی ولی (کی کرامت) کے لئے ایسا ہو کہ ایک طویل ترین زمانہ کا مرا ہوا مُردہ ہڈیوں کے بوسیدہ ہو چکنے کے بعد زندہ کیا گیا ہو اور پھر وہ ایک طویل عرصہ تک زندہ رہا ہو۔ کرامت کا یہ درجہ نہ ہم تک پہنچا ہے نہ مَیں اس کا اعتقاد رکھتا ہوں۔ البتہ پہلے زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کے لئے ایسا واقع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، یہ درجہ معجزہ کا ہوتا ہے کرامت اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتی ہاں یہ جائز تھا کہ نبوت کے ختم ہونے سے پہلے پہلے کوئی نبی زمانہ سابق کی مدت کی گزری ہوئی اُمتوں کو زندہ کرنے کا معجزہ لاتا اور پھر جب وہ لوگ زندہ ہو جاتے تو ایک عرصہ تک بقیدِ حیات رہتے۔ لیکن اب میرا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ کوئی ولی ہمارے لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح زندہ کر دے گا کہ وہ زندہ ہونے کے بعد ایک طویل عرصہ تک ایسے ہی زندہ رہیں گے جیسے وفات سے پہلے عمر پا چکے ہیں یا کچھ عرصہ بھی اسی طرح زندہ لوگوں میں مِلے جُلے رہیں گے جس طرح وفات سے پہلے تھے۔

(۲) مُردوں کا بات چیت کرنا اور یہ قسم تو پہلی قسم سے بھی زیادہ واقع ہوتی ہے اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابوسعید خزار رحمہ اللہ سے اور پھر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت سے روایت ہے جن میں کے آخری بزرگ علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت شیخ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(۳) دریا کا شق ہو جانا یا اس کا خشک ہو جانا یا پانی کے اُوپر اُوپر کو چلا جانا، یہ تینوں قسمیں بہت واقع ہوئی ہیں۔ ایک ایسا ہی واقعہ شیخ الاسلام سید المتاخرین تقی الدین دقیق العید کے یہاں بھی ہوا ہے۔

(۴) قلب ماہیت جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ شیخ عیسیٰ القہار یمنی کے پاس کسی شخص نے مزاح میں دو برتن شراب سے بھرے ہوئے بھیج دیئے تھے۔ آپ نے ایک کو دوسرے میں اُلٹ کر فرمایا کہ بسم اللہ کر کے کھاؤ۔ لوگوں نے کھایا تو وہ ایسا عمدہ گھی تھا کہ اُس کی سی رنگت اور خوشبو کہیں دیکھی نہیں گئی۔ اور ایسے ایسے واقعات بہت منقول ہیں۔

(۵) اولیاء اللہ کے واسطے زمین کا سمٹ جانا بیان کیا گیا ہے کہ ایک ولی طرسوس کی جامع مسجد میں تھے۔ آپ کو حرم شریف کی زیارت کا اشتیاق ہوا تو آپ نے سر جھکا لیا پھر سر اُٹھایا تو آپ حرم شریف کے اندر تھے اور اس قسم کے واقعات کا مشترک مضمون ﴿تواتر یہ ہے کہ جس کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر ہوں کہ عقل اُن کے جھوٹا ہونے کو محال قرار دے۔ ۱۲ مترجم﴾ تواتر کی حد کو پہنچا ہوا ہے اس لئے اب اس کا انکار سوائے ضدی شخص کے اور کون کر سکتا ہے۔

(۶) جمادات اور حیوانات کا کلام کرنا خود اس کرامت کے ہونے میں اور پھر اس کے بکثرت واقع ہونے میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم کا واقعہ انار کے درخت کا آپ کو اپنا پھل کھانے کے لئے پکارنا منقول ہی ہے۔ آپ نے ایک انار کھایا تو وہ درخت چھوٹا سا تھا بڑا ہو گیا کھٹا تھا میٹھا ہو گیا اور ایک سال میں دو بار پھل لانے لگا۔

(۷) بیماریوں سے تندرست کر دینا جیسا کہ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ ﴿حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پیر ۱۲﴾ سے ایک بزرگ کے قصہ میں روایت ہے جو اُن سے ایک پہاڑ پر ملے تھے کہ وہ اپاہج اور اندھوں اور دوسرے بیماروں کو تندرست کر دیا کرتے تھے اور جیسے کہ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک مجبور محض فالج زدہ اندھے کوڑھی بچے کو فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کھڑا ہو جا وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اُس کا کوئی مرض باقی نہ رہا۔

(۸) حیوانات کا فرماں بردار ہو جانا جیسے کہ ابو سعب بن ابی الخیر المہینی کے

ساتھ ایک شیر کا قصہ ہے اور ان کے قبل ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بھی ہوا ہے بلکہ جمادات بھی فرماں بردار ہو جاتے ہیں جیسے کہ سلطان العلماء شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کے قصہ میں ہے اور انہی سے واقعہ فرنگ میں یہ قول مروی ہے کہ

''اے ہوا ان لوگوں پر گرفت کر''

(۹) وقت کا سمٹ جانا (۱۰) وقت کا وسیع ہو جانا ان دونوں کرامتوں کی تقریریں عوام کی عقلوں کے لئے دُشوار ہے مگر اہل لوگوں کے لئے اس کا تسلیم کرنا ہی اسلام میں مستحسن ہے اور اس باب میں روایات بکثرت ہیں (۱۱) مقبولیت دُعا اور یہ تو بہت ہی زیادہ ہے ہم نے خود بھی ایک جماعت کی جماعت سے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

(۱۲) زبان کا گفتگو میں رکنا یا بہت زیادہ چلنا۔ (۱۳) کسی ایسی مجلس میں دلوں کو اپنی طرف کھینچ لینا جس میں ان سے انتہائی نفرت ہو (۱۴) بعض غیب اور کشف کی باتوں کی خبر دینا اور اس کے درجے اس قدر ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔

(۱۵) ایک عرصہ دراز تک نہ کھانے پینے پر صبر کرسکنا۔ (۱۶) تصرف یہ تو جماعت اولیاء سے بہت ہی منقول ہے بیان کیا جاتا ہے کہ بارش ایک بزرگ کے پیچھے پیچھے چلا کرتی تھی اور متاخرین میں ایک بزرگ شیخ ابوالعباس شاطر ہوئے ہیں وہ بارش کو کچھ درہموں کے بدلے فروخت کیا کرتے تھے اور ان سے اس باب میں اس قدر واقعات روایت ہیں کہ عقل کو انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔

(۱۷) بہت سی غذا کھا لینے پر قدرت ہونا۔ (۱۸) حرام کھانے سے محفوظ ہونا جیسے کہ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حرام کھانے میں سے ان کی ناک میں کچھ بو آجاتی تھی جس کی وجہ سے وہ اس کو نہ کھاتے تھے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی کوئی رگ جنبش کرنے لگتی تھی ایسا ہی واقعہ شیخ ابوالعباس مرسی سے بھی نقل ہے

(۱۹) دُور کے مقام کو باوجود حجابات کے دیکھ لینا جیسا کہ نقل ہے کہ شیخ ابو اسحٰق شہرازی کعبہ مکرمہ کو بغداد میں سے دیکھ لیا کرتے تھے۔

(۲۰) ہیبت جو محض بزرگوں میں ہوتی ہے کہ صرف دیکھنے سے ہی ایمان مرجاتا ہے جیسے کہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید میں تھی یا یہ کہ اُن کے سامنے رنگ رہ جائے یا ایسی بات کا اقرار کرے جس کے متعلق غالب گمان یہ تھا کہ اُس نے ان سے چھپایا تھا اور ان کے علاوہ اس کی اور بھی صورتیں ہیں۔ غرضیکہ یہ قسم بہت ہوتی ہے۔

(۲۱) ان کے ساتھ جو شخص برائی کے ساتھ پیش آئے اللہ تعالیٰ کا اس کی بدی پر ان کی طرف سے کفایت فرمانا اور اس بدی کا بھلائی سے بدل جانا جیسے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ہارون رشید کے ساتھ پیش آیا تھا۔

(۲۲) مختلف صورتوں میں ہو جانا اور یہی وہ ہے جس کا نام صوفیاء حضرات عالم مثال رکھتے ہیں اور یہ حضرات عالم اجسام و عالم اَرواح کے درمیان ایک درمیانی عالم اور ثابت کرتے ہیں جس کا نام اُنہوں نے عالم مثال رکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ وہ عالم عالمِ اجسام سے زیادہ لطیف اور عالم اَرواح سے زیادہ واضح ہے اور اسی پر روح کے جسمانی شکل اختیار کرنے اور اس کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے کی بناء قائم کی ہے اور اس کو حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے استنباط کیا ہے فتمثل لھا بشرا سویا (تو ان کے واسطے جبرائیل ایک معتدل انسان بن گئے) وہ واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے جو قضیب البان موصلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ یہ حضرت ابدال میں سے تھے کسی شخص نے جب ان کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھا تو نماز نہ پڑھنے کی تہمت لگائی تھی اور سختی سے اعتراض کیا تھا۔ آپ فوراً اس کے سامنے مختلف صورتوں میں منتقل ہوئے اور پوچھا تم نے کون سی صورت میں مجھے نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ کرامتوں کی اس قسم میں بزرگوں کے بہت واقعے ہیں۔ متاخرین میں سے بعض کے لئے جو واقعے ہوئے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک بوڑھے درویش کو قاہرہ کے مدرسہ سلوفیہ میں ترتیب کے خلاف وضو کرتے دیکھا تو پوچھا کہ حضرت آپ ترتیب کے خلاف وضو کرتے ہیں۔ فرمایا مَیں نے تو ترتیب کے موافق ہی وضو کیا ہے مگر تم

دیکھتے ہی نہیں اگر دیکھ سکتے ہو تو ایسے دیکھو اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کعبہ مکرمہ دکھا دیا پھر اُسے مکہ معظمہ لے گئے اور اس شخص نے خود کو مکہ معظمہ میں پایا اور کئی سال وہیں رہے۔ حکایت لمبی ہے جس کا بیان طویل ہو جائے گا۔

(۲۳) حق تعالیٰ کا ان حضرات کو زمین کے ذخیروں پر مطلع فرما دینا جیسے کہ ابو تراب کے واقعہ میں ہے کہ جب اُنہوں نے زمین پر پیر مارا تو زمین میں سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ برآمد ہو گیا۔ ابن السبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں آئندہ کے لئے (دو کرامتیں ہیں) اللہ تعالیٰ کا پانی کو غیر جگہ میں پیدا فرما دینا اور زمین کا ان پیر مارنے والے بزرگ کی فرماں برداری کرنا اور ایک بزرگ سے منقول ہے کہ حج کے راستہ میں پیاس لگی تو کسی کے پاس پانی نہ ملا۔ ایک درویش کو دیکھا کہ اس نے بھالے دار لاٹھی زمین میں گاڑ رکھی ہے اور اس کے نیچے سے پانی اُبل رہا ہے۔ اُنہوں نے اس میں سے اپنا مشکیزہ بھی بھر لیا اور دوسرے حاجیوں کو بھی بتا دیا وہ بھی آئے اور اپنے اپنے برتن بھر کر لے گئے۔

(۲۴) بہت سے علماء کے لئے تھوڑے سے زمانے میں بہت بہت تصانیف کا سہولت سے ہو جانا اس طرح کہ جب ان کی تصانیف کو ان کے علم میں مشغول ہونے کے وقت سے وفات تک کے زمانہ پر تقسیم کیا گیا تو ایسی ثابت ہوئیں کہ وہ اتنے وقت میں پوری نقل بھی نہیں ہو سکتیں چہ جائیکہ تصنیف، یہ کرامت بھی وسعت زمانہ کی ایک قسم ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اُن کی تصنیفات کے دسویں حصہ کے لئے بھی کافی نہیں ہو سکتی باوجود اس کے کہ اُن سے تلاوتِ قرآن مجید بھی بہت زیادہ ثابت ہے کہ ہر روز غور و فکر کے ساتھ ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور رمضان شریف میں تو ہر روز ایسے ہی غور و فکر کے ساتھ دو ختم فرماتے تھے اور باوجود درس و تدریس فتاویٰ ذکر و فکر اور ان بیماریوں کے جو آپ کو پیش آتی رہتی تھیں یہاں تک کہ آپ کبھی بھی ایک دو یا زیادہ بیماریوں سے خالی نہیں رہے

بلکہ بعض دفعہ تو تیس تیس بیماریاں جمع ہو جاتی تھیں اور ایسے ہی امام الحرمین جوینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ آپ کی عمر اور تصانیف کا حساب لگایا گیا تو آپ کی عمر اُن کے لئے کافی نہیں پائی گئی باوجود اس فیض کے جو طلبہ کو پہنچاتے تھے اور باوجود ان مجالس وعظ کے جن میں آپ وعظ فرمایا کرتے تھے اور بعض بزرگوں نے تو ایک ایک دن میں قرآن شریف کے آٹھ آٹھ ختم پڑھے ہیں اور ایسے واقعات اور بھی بہت ہیں۔ امام ربانی شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر کو تصنیفات پر تقسیم کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اگر وہ ان کو فقط نقل ہی فرماتے تو یہ عمر کافی نہ ہوتی چہ جائیکہ تصنیف فرمائی ہیں اور پھر ان کے ساتھ طرح طرح کی بہت سی عبادتیں بھی کی ہیں شیخ امام میرے والد یعنی سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے والد شیخ الاسلام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اُن کی عمر ایک تہائی تصانیف کے لئے بھی کافی نہیں ہوسکتی باوجود ان عبادات کے جن کا التزام کر رکھا تھا اور باوجود ان افادات کے جو وہ کرتے تھے اور باوجود ان علوم کے جن کو درس و تدریس میں بیان فرماتے اور فتوؤں میں قلمبند کرتے تھے اور باوجود تلاوت قرآن اور ان فیصلوں کے جن میں وہ مشغول رہتے تھے۔

(۲۵) زہریلی اور طرح طرح کی ہلاک کرنے والی اشیاء کا اثر نہ کرنا جیسے کہ ایک بزرگ کے لئے واقع ہوا ہے کہ ان سے کسی بادشاہ نے کہا تھا کہ تم مجھے کوئی کرامت دکھاؤ ورنہ مَیں تمام درویشوں کو ہلاک کر دوں گا۔ بادشاہ کے قریب کچھ اُونٹ کی مینگنیاں پڑی تھیں۔ آپ نے فرمایا دیکھو۔ دیکھا تو وہ سونے کی تھیں۔ اور بادشاہ کے پاس ایک خالی پیالہ رکھا تھا۔ آپ نے لیا اور اُوپر کو اُچھال دیا پھر بونچا اور پانی بھرا ہوا اُلٹا کر کے دے دیا مگر اس میں سے ایک قطرہ تک نہیں گرا۔ بادشاہ نے کہا یہ تو جادو ہے۔ پھر آپ نے بہت سی آگ روشن کی اور اشعار پڑھنے کا حکم دیا جب لوگوں پر وجد طاری ہو گیا تو یہ بزرگ اور سب درویش آگ میں چلے گئے۔ پھر یہ نکلے اور بادشاہ کے ایک چھوٹے سے بچہ کو لے کر گھس گئے اور گھنٹہ بھر تک غائب رہے۔ قریب تھا کہ بادشاہ بھی بچہ کی وجہ سے جل جاتا

مگر کچھ دیر بچہ کو نکال لائے تو اُس کے ایک ہاتھ میں سیب اور دوسرے میں انار تھا۔ اس کے باپ نے کہا کہ تُو کہاں رہا؟ بچہ نے کہا کہ مَیں باغ میں تھا۔ بادشاہ کے ہم نشینوں نے کہا کہ یہ تو کوئی شعبدہ ہے حقیقت نہیں ہے اس پر بادشاہ نے ان سے کہا کہ اگر تم زہر کے اس پیالہ کو پی جاؤ تو مَیں تم کو سچا مان لوں، آپ نے اس کو (اُٹھا کر) پی لیا آپ کے تمام کپڑے جسم کے اُوپر ریزہ ریزہ ہو گئے۔ لوگوں نے (آپ کے جسم پر) اور کپڑے ڈال دیئے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو گئے۔ اسی طرح کئی بار کیا گیا حتیٰ کہ کپڑے ٹھہر گئے اور جو پسینہ آیا ہوا تھا خشک ہو گیا مگر اس زہر نے اُن کے جسم پر کوئی اثر نہیں کیا۔

اس کے بعد سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ کرامات کے اقسام سو سے بھی زیادہ ہو جاویں گے مگر جس قدر مَیں بیان کر چکا ہوں ان سے ان باقی کو بھی سمجھا جا سکتا ہے جن کو مَیں نے چھوڑ دیا ہے اور جس شخص کے دل سے غفلت کے پردے دُور ہو چکے ہیں اس کے واسطے یہی قسمیں سکون و اطمینان کا ذریعہ بن سکتی ہیں اور ان قسموں میں سے کوئی قسم ایسی نہیں ہے جس کے متعلق بزرگوں سے بہت بہت قصے واقعات اور روایات موجود اور شائع نہ ہو چکی ہوں اب حق کے بعد باطل اور ہدایت کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے ہاں توفیق ایزدی جس کی دست گیری کرے اس کو سوائے تسلیم اور اس دُعا کے کوئی چارہ کار نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی ان صلحاء کے زمرہ میں داخل فرما دیں کیونکہ یہی بزرگ (درحقیقت) صراطِ مستقیم پر ہیں۔

(اے اللہ! ہم سب کو اُن کے اتباع کی توفیق دیجئے اور ان کی جماعت میں شامل فرما دیجئے) اور اگر ہم ان حضرات کے واقعات کا احاطہ کرنے کی فکر کریں تو عمریں ضائع اور دفتر کے دفتر فنا کر دیں گے (مگر احاطہ نہ ہو سکے گا) سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں سے جس قدر مَیں نے نقل کرنا چاہا تھا وہ تمام ہو گیا۔

(ص ۱۱/۳۰ کل ۲ صفحہ ۱۶ سطر ..... ص ۱۵/۷۵)

کراماتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے چوّن (۵۴) اولیاء کی کرامتیں ہیں جن کے بابرکت نام حروف تہجی کی ترتیب پر ترتیب دیئے گئے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ کی کرامتوں میں ایک وہ واقعہ ہے جس کو بخاری و مسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ (ایک روز شام کو) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین آدمی (مہمان) گھر لے کر آئے اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے وہاں دیر لگ گئی اور ایسے وقت تشریف لائے کہ رات کا کافی حصہ گزر گیا تھا۔ اہلیہ صاحبہ نے عرض کیا کہ آپ کہاں تھے کہ مہمانوں کے پاس نہیں آئے۔ فرمایا کیا کھانا نہیں کھلایا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے تو آپ کے آئے بغیر کھانا کھانے سے انکار کردیا۔ اس پر آپ قسم کھا بیٹھے کہ اللہ کی قسم میں یہ کھانا ہرگز نہیں کھاؤں گا تم لوگ کھا لو۔ ایک صاحب کا بیان ہے کہ خدا کی قسم ہم کوئی لقمہ نہیں اُٹھاتے تھے مگر وہ نیچے سے اور زیادہ بڑھ آتا تھا یہاں تک کہ ہم سب شکم سیر ہو گئے اور کھانا اس سے زیادہ ہو گیا جتنا پہلے تھا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اتنے کا اتنا بلکہ اور زیادہ ہے تو اہلیہ محترمہ سے فرمایا اے بنی فراس کی بہن یہ کیا بات ہے؟ عرض کیا قسم میری آنکھ کی ٹھنڈک کی یہ تو اس وقت اس سے بھی تین گنا زیادہ ہے جتنا پہلے تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھانا کھا لیا اور فرمایا کہ یہ (یعنی قسم کھا لینا) شیطان کی طرف سے تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی لے گئے۔ یہ کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صبح تک رہا (اور ادھر یہ ہوا کہ) ہم (مسلمانوں) میں اور ایک قوم میں معاہدہ تھا اس کی مدت گزر گئی تھی تو ہم بارہ شخص (یعنی امیر مہم پر جانے کے لئے) الگ الگ ہو

گئے اور ہر شخص کے ساتھ بہت کچھ آدمی تھے یہ خدا کو معلوم ہے کہ کتنے کتنے آدمی تھے غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو بھیجا اور سب نے ہی وہ کھانا کھایا۔

عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے غابہ مقام کے مال میں سے بیس وسق (تقریباً ساڑھے باون من) کھجوریں عطا فرمائی تھیں جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سے فرمایا کہ بیٹی نہ تو اپنے بعد تم سے زیادہ کسی کا مالدار ہونا میں چاہتا ہوں اور نہ اپنے بعد تم سے زیادہ کسی تنگ دستی کا مجھے فکر ہے لیکن میں نے جو تم کو یہ بیس وسق کھجوریں دی تھیں اگر تم ان پر قبضہ کر لیتیں تو وہ تمہاری ہو جاتیں مگر آج تو اس میں میراث جاری ہو گی اور وارث تمہارے دونوں بھائی اور دونوں بہنیں ہیں تو تم کتاب اللہ کے موافق تقسیم کر لینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ابا جی (یہ تو ہے ہی کیا) اگر بہت سا مال بھی ہوتا میں تو جب بھی چھوڑ دیتی اور ہاں بہنوں میں ایک تو ہیں اسماء رضی اللہ عنہا اور دوسری کون ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو ابھی پیٹ میں ہے اور میں اسے لڑکی خیال کرتا ہوں۔ پھر (جیسا انہوں نے فرمایا تھا) ایسا ہی واقع ہوا۔ علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دو کرامتیں ہیں ایک تو یہ خبر دینا کہ وہ اس مرض میں وفات پا جائیں گے کیونکہ فرمایا ہے کہ آج تو اس میں میراث جاری ہو گی۔ دوسری خبر یہ دینا کہ جو بچہ پیدا ہو گا وہ لڑکی ہے اور (کرامات کا بلا ضرورت ظاہر کرنا مناسب نہیں ہوتا تو) اس کرامت کے اظہار کا اصلی راز اس ہبہ کی واپسی کے بعد جس کو انہوں نے ہبہ کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبضہ نہیں کیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل خوش کرنا اور اس حصہ کا بتا دینا تھا جو حصہ اب ان کا ہو گا۔ کیونکہ اب ان کے ساتھ دو بھائی اور دو بہنیں بھی مالک ہوتی ہیں اور اس بات پر دلیل کہ یہ کرامت کا ظاہر کرنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا

دل خوش کرنے کے لئے تھا وہ کلام ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بطور تمہید کے فرمایا تھا کہ اپنے بعد ان سے زیادہ کسی کا مالدار ہونا نہیں چاہتے اور اسی تمہید میں یہ جو فرمایا ہے کہ وہ وارث تمہارے دونوں بھائی اور دو بہنیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اجنبی یا دُور کی قرابت کا شخص وارث نہیں ہے (تمہارے ہی بہن بھائی ہیں) اور اس سب کے فرمانے میں جس قدر شفقت ہے وہ مخفی نہیں۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ

﴿کیونکہ یہ ہبہ تھا اور جب مکمل ہوتا ہے جب وہ شخص جس کو ہبہ کیا جائے اس پر قبضہ کرلے۔ ۱۲ مترجم﴾

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ کہف کی تفسیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی کچھ کرامتیں ذکر کی ہیں اور فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ جب آپ کا جنازہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کے دروازہ پر لایا گیا اور ندا دی گئی السّلام علیک یا رسول اللہ! یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ دروازے پر حاضر ہیں تو دروازہ خود بخود کھل گیا اور غیب سے قبر شریف کے اندر سے کوئی آواز دیتا ہے کہ ایک دوست کو دوست کے یہاں داخل کردو۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

بیہقی اور ابونعیم نے قیس سے روایت کی ہے کہ ابوالدرداء اور سلمان رضی اللہ عنہ ایک بڑے پیالہ میں کھانا کھا رہے تھے تو پیالہ اور جو کچھ پیالہ میں تھا تسبیح پڑھنے لگا۔ یہ تو وہ کرامت ہے جس کو میں نے کتاب حجۃ اللہ علی العالمین میں ذکر کیا ہے پھر میں نے علامہ مناوی کی طبقات میں کچھ زیادہ دیکھا ان کی عبارت یہ ہے۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ وہ سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک پیالہ میں کھانا کھا رہے تھے تو وہ تسبیح پڑھنے لگا اور یہ ایک دن ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور اُن کے پاس سلمان تھے انہوں نے ہنڈیا میں سے ایک آواز سُنی پھر ہنڈیا بچہ کی سی آواز سے سبحان اللہ پڑھتی ہوئی اُونچی ہوئی پھر لوٹ آئی اور اپنی جگہ پہنچ گئی اور اس میں سے کچھ بھی نہیں گرا تو سلمان رضی اللہ عنہ نے تعجب کیا

اور فرمایا ابوالدرداء یہ ایسی عجیب بات دیکھو کہ جس کے جیسی کہیں دیکھی نہیں جاتی۔ ابوالدرداء نے فرمایا اگر آپ خاموش رہتے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے عجیب عجیب دیکھتے اور پیالہ کی تسبیح کو قشیری نے بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ

حاکم وبیہقی اور ابونعیم نے ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھتے اور بنی حارثہ کی طرف لوٹ جایا کرتے تھے ایک شب نکلے تو رات اندھیری تھی اور بارش تھی تو آپ کی لاٹھی روشن ہوگئی یہاں تک کہ بنی حارثہ کے گھر پہنچ گئے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو فوج کے ایک دستہ پر سمندر میں امیر مقرر فرما یا۔ کشتی ان سب کو رات کے وقت لئے جارہی تھی کہ سب نے اُوپر کی جانب سے ایک منادی کو سُنا جو نِدا دیتا ہے کہ کیا میں تم لوگوں کو وہ فیصلہ بتا نہ دوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے فرمالیا ہے کہ جو گرمی کے دن میں اللہ تعالیٰ کے لئے پیاسا رہے گا اللہ تعالیٰ پر حق ہوگا کہ اس کو پیاس کے دن (یعنی روزِ حشر) سیراب فرمائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

آپ کی کرامتوں میں وہ واقعہ ہے جس کو علامہ مناوی نے اپنی طبقات کبریٰ میں تاریخ ابن النجار درحلۃ ابن الصباح کے واسطہ سے زنجانی فقیہ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے شیخ ابواسحٰق شیرازی نے قاضی ابوالطیب سے روایت کرکے بیان کیا ہے کہ ہم لوگ ایک مناظرہ کی مجلس میں تھے کہ ایک خراسانی نوجوان آیا جو مصراۃ (جس جانور کا دُودھ روک کر فروخت کیا جائے) کے مسئلہ میں استفسار کرتا اور دلیل مانگتا تھا۔ اس کو دلیل میں بخاری ومسلم کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سنائی

گئی۔ یہ شخص حنفی ﴿حنفی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حنفیہ کا عمل اس حدیث پر نہیں ہے دوسری حدیث پر ہے۔اس لئے ان صاحب کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ دوسرے حضرات صحابہ جو مجتہد ہیں اور فقاہت کے بڑے رُتبے پر ہیں ان کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے راجح ہے اور اس عنوان مذکور میں جو انہوں نے اختیار کیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص ہوتی ہے جو بڑی گستاخی ہے اور یہ ممکن ہے کہ نیت بھی تحقیر کی ہو اس لئے یہ ابتلاء ہوا۔۱۲ مترجم﴾ تھا اس نے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مقبول نہیں۔اس نے ابھی اپنی بات پوری بھی نہ کی تھی کہ اُس پر ایک سانپ آ پڑا لوگ اِدھر اُدھر بھاگ گئے اور وہ سانپ سب کو چھوڑ کر اس نوجوان کے پیچھے ہولیا۔نوجوان نے کہا کہ مَیں توبہ کرتا ہوں مَیں توبہ کرتا ہوں تو پھر اس سانپ کا پتہ بھی نہ رہا (نہ معلوم کہاں چلا گیا)۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ

آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ بیہقی و ابن عساکر نے کئی سندوں کے ساتھ ابو غالب کے واسطہ سے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا۔مَیں اس حال میں پہنچا کہ مجھے بھوک لگ رہی تھی اور وہ لوگ خون کھا رہے تھے۔ان لوگوں نے کہا آجاؤ۔مَیں نے کہا کہ مَیں تو اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کو اس سے منع کردوں انہوں نے میرا مذاق اُڑایا۔ مجھے جھٹلایا اور اپنے پاس سے لوٹا دیا۔مَیں بھوکا پیاسا تھا اور بہت خستہ حالت تھی کہ سو گیا خواب میں آنے والا آیا اور مجھے ایک برتن دیا جس میں دودھ تھا مَیں نے پی لیا تو شکم سیر اور سیراب ہو گیا اور میرا پیٹ بڑا سا ہو گیا ان میں کسی ایک شخص نے کسی سے کہا کہ تمہارے پاس تمہاری قوم کے سرداروں میں سے ایک شخص آیا اور تم نے اُسے لوٹا دیا ہے اس کے پاس جاؤ اور جو کچھ وہ کھانا پینا چاہتا ہے اُسے کھلاؤ پلاؤ۔وہ لوگ کچھ کھانا پینا لائے تو مَیں نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے کہنے لگے ہم نے تم کو دیکھا ہے کہ تم خستہ حال تھے مَیں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کھلا

پلا دیا ہے اور اپنا پیٹ دکھلایا تو اُن سے آخر تک سب نے مان لیا۔

ابن عساکر کے یہاں ایک اور سند سے یہ روایت ہے کہ مَیں ان کو اسلام کی دعوت دیتا رہا اور وہ انکار کرتے رہے۔ مَیں نے کہا، تم پر افسوس ہو مجھے ایک گھونٹ پانی تو پلا دو مَیں بہت پیاسا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں ہم تم کو یونہی چھوڑے رکھیں گے تاکہ تم پیاسے مر جاؤ مجھے بہت رنج ہوا اور اپنی گٹھڑی پر سر رکھ کر گرم ریت پر اسی سخت گرمی میں سو گیا تو خواب میں ایک آنے والا ایک ایسا بلوری جام لایا کہ کسی انسان نے اس سے بہتر نہ دیکھا ہوگا اور اس میں کوئی پینے کی ایسی چیز ہے کہ کسی شخص نے اس سے زیادہ مزے دار پینے کی چیز نہ دیکھی ہوگی۔ اس نے وہ مجھے دے دیا اور مَیں نے پی لیا جب پینے سے فارغ ہو گیا تو آنکھ کھل گئی۔ پس اللہ کی قسم اس کے پینے کے بعد سے نہ مَیں کبھی پیاسا ہوا نہ بھوکا ہوا۔

حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ علوان حموی نے نسمات الاسماء میں بیان کیا ہے کہ ہمارے شیخ یعنی جناب بازلی نے غایۃ المرام میں جو صحیح بخاری کے راویوں کی تاریخ ہے ذکر کیا ہے کہ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ زمین تھی اس زمین میں کام کرنے والے نے زمین کی خشکی کی شکایت کی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور پوچھا تم کچھ دیکھتے ہو (یعنی اَبر وغیرہ) اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے پھر نماز پڑھی اور پوچھا کچھ دیکھتے ہو؟ عرض کیا کہ پرندہ کے پَر کے برابر بادل دیکھتا ہوں۔ آپ نماز پڑھتے اور دُعا کرتے رہے یہاں تک کہ بارش ہوگئی اور زمین سیراب ہوگئی پھر فرمایا دیکھو بارش کہاں تک پہنچی ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ آپ کی زمین سے آگے نہیں گئی۔

حضرت اَنس بن النضر رضی اللہ عنہ

بخاری و مسلم نے حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُن کے چچا اَنس بن النضر نے جنگ اُحد کے دن یہ کہا تھا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری

جان ہے مَیں جنت کی خوشبو اُحد سے ورے پاتا ہوں اور بے شک یہ جنت ہی کی خوشبو ہے اوراس کے بعد آپ شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ

بیہقی اورابونعیم نے معاویہ بن حرمل سے روایت کی ہے کہ حرہ مقام سے ایک آگ نکلی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمیم داری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور فرمایا اس آگ کی طرف اُٹھ کر چلو یہ اُن کے ساتھ اُٹھے اور مَیں بھی پیچھے پیچھے ہولیا دونوں آگ کے پاس آئے تو تمیم داری آگ کو ہاتھوں سے دھکیلنے لگے یہاں تک کہ وہ گھاٹی کے اندر چلی گئی اور تمیم رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے پیچھے چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جس نے دیکھ لیا وہ نہ دیکھنے والے جیسا نہیں ہے اور تین بار فرمایا۔ اورابونعیم رحمہ اللہ نے مرزوق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک آگ نکلی تھی تو تمیم داری رضی اللہ عنہ اس کو اپنی چادر سے ہٹاتے تھے حتیٰ کہ وہ غار میں داخل ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ہم تم سے ایسی ہی باتوں کو حل کراتے ہیں۔

حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ

ابن سعد رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابن اُمّ مکتوم فجر کے وقت کو ٹھیک معلوم کر لیتے تھے کبھی خلاف نہ کرتے تھے حالانکہ بالکل نابینا تھے۔ اور یہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذنوں میں سے تھے۔ آپ کے نام میں اختلاف ہے بعض نے عبداللہ کہا ہے اور بعض نے عمرو جیسے کہ اسد الغابہ میں ہے اوراسی لئے مَیں نے اُن کو یہاں ذکر کیا ﴿یعنی حرف الف میں ورنہ نام عبداللہ تو حرف عین میں عبداللہ نام صحابہ میں ذکر ہونا چاہئے اور عمرو ہو تو حرف عین میں عمر نام صحابہ میں اوران میں سے یقینی کوئی سا نہ تھا اس لئے ابن اُمّ مکتوم کنیت سے ذکر کر دیا تو یقینی ہے۔۱۲﴾ ہے۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

آپ کی کرامتوں میں سے وہ ہے جس کو ابن الاثیر نے ان تک اپنی سند پہنچا

کر اسد الغابۃ میں روایت کی ہے اور آپ قرآن شریف پڑھنے میں نہایت خوش آواز تھے۔ وہ روایت یہ ہے کہ حضرت اسید خود فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایک رات سورۂ بقرہ پڑھی وہیں گھوڑا بندھا ہوا تھا اور برابر میں میرا ایک لڑکا لیٹا ہوا تھا گھوڑا گھومنے لگا مَیں رُک گیا اور مجھے سوائے لڑکے کے (چوٹ وغیرہ لگ جانے کے) اور کوئی اندیشہ نہ تھا (کچھ دیر بعد) پھر پڑھنے لگا تو گھوڑا پھر گھومنے لگا۔ مَیں پھر رُک گیا اور سوائے بیٹے کے گھوڑے سے چوٹ لگ جانے کے) اور کوئی اندیشہ نہ تھا۔ پھر پڑھنے لگا تو پھر گھوڑا گھومنے لگا۔ مَیں نے ادھر سر کو اُٹھایا تو (دیکھا کہ) کوئی چیز سائبان کی طرح ہے قمقموں جیسی جو آسمان سے اِدھر آ رہی ہے مجھے اس سے ذرا ڈر سا معلوم ہوا اور مَیں خاموش ہو گیا۔ صبح ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب ماجرا سنایا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ فرشتے تھے تمہاری آواز سننے کے لئے قریب آتے تھے۔ اگر تم صبح تک پڑھتے رہتے تو لوگ ان کو صبح دیکھتے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

بیہقی نے عبداللہ بن عبید اللہ الانصاری سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ مَیں بھی ان لوگوں میں تھا جنہوں نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو دفن کیا ہے اور یہ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے ہیں۔ صار کے خطیب تھے۔ اُن کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی شہادت دی ہے تو جب ہم نے ان کو دفن کیا تو یہ کہتے سُنا محمد رسول اللہ ہیں، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ شہید ہیں اور عثمان رضی اللہ عنہ نیک و رحیم ہیں ہم نے ان کو دیکھا تو وہ زندہ نہ تھے اس کو صاحب شفاء وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ جن کو مع ان کے ساتھیوں کے شام کے دیہات میں سے یہ قریہ عذراء میں جہاں یہ حضرات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شہید کیے گئے تھے دفن کیا گیا ہے۔ عارف باللہ سید محمد حنفی نے اپنے حاشیہ میں جو جامع صغیر پر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے قریب کہ عنقریب

عذراء میں چند ایسے لوگ شہید کئے جائیں گے جن کی وجہ سے حق تعالیٰ سبحانہٗ اور سب آسمان والے غضبناک ہو جائیں گے یہ لکھا ہے کہ حضرت حجر رضی اللہ عنہ وضو اور طہارت پر بہت زیادہ حریص تھے اور جب قید کر دیئے گئے وہاں اُن کو احتلام ہوا تو جیل خانہ کے منتظم سے پانی مانگا تا کہ غسل کرلیں اس نے جواب دیا کہ میرے پاس صرف تمہارے پینے کے بقدر پانی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہی دے دو کہ مَیں پاکی حاصل کرلوں اس نے کہاں مَیں نہیں دوں گا۔ ایسا نہ ہو کہ پھر تم پیاس سے مَر جاؤ اور جس نے مجھ کو تمہارے قید کرنے کا حکم دیا ہے پھر وہ مجھے قتل کر ڈالے۔ آپ نے حق تعالیٰ سے بارش نازل ہونے کی دُعا کی بارش ہوئی اور یہ پاک ہو گئے تو ان سے اور قیدیوں نے جو اُن کے ساتھ تھے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے اور آپ سے یہ مصیبت دُور فرما دیں۔ فرمایا مَیں تو اسی حالت کو پسند کرتا ہوں جس میں ہوں کیونکہ یہ میرے رب کے اِرادہ اور قدرت سے ہے اور بارش کی دُعا تو اس لئے کی تھی کہ اس کا تعلق عبادت سے تھا شیخ حفنی کہتے ہیں مقربین کی شان ایسی ہوتی ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ

علامہ مناوی نے اپنی کتاب طبقات میں بیان کیا ہے کہ ابو نعیم اور ابن عساکر نے اعمش رحمہ اللہ سے یہ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے آپ کی قبر مبارک پر پاخانہ کر دیا تو وہ مجنون ہو گیا اور کتوں کی طرح بھونکنے لگا پھر مَر گیا تو اس کی قبر میں سے سُنا گیا کہ وہ بھونک رہا ہے۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ

امام شبلی باعلوی نے کتاب المشرع الروی میں بیان کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کرامتوں میں سے ایک وہ ہے جو ابن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے کوئی نہیں بچا کہ اس کو دُنیا میں عذاب نہ دیا گیا ہو خواہ قتل کئے جانے کے ساتھ یا اندھا ہو جانے سے یا چہرہ کے سیاہ ہو جانے سے یا ملک و

دولت کے بہت تھوڑی سی مدت میں جاتے رہنے سے اور آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن حصین نے آپ کو جنگ کے وقت اور پانی روک دینے کے وقت آواز دی تھی کہ اے حسین! کیا تم پانی کو نہیں دیکھتے گویا وہ آسمان کا بیچ ہے (کہ اس تک رسائی نہیں ہو سکتی) اللہ کی قسم تم اس میں سے ایک قطرہ نہ چکھ سکو گے اور پیاس سے مر جاؤ گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دُعا کی اے اللہ! اس کو پیاس سے مار ڈالئے تو یہ خبیث ایسا ہو گیا کہ پانی پیتا تھا مگر سیراب نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ پیاس سے مر گیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پینے کے لئے پانی مانگا تو ایک آدمی نے جس کو وزغہ کہا جاتا تھا آپ کے تیر مارا جو آپ کے تالو پر جا لگا اور آپ کے اور پانی کے درمیان حائل ہو گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دُعا کی اے اللہ اس کو پیاسا کر دیجئے، تو یہ خبیث بھی ایسا ہو گیا کہ پیٹ میں گرمی سے اور پیٹھ میں کی سردی سے ہر وقت چلاتا رہتا تھا سامنے تو برف اور پنکھے رہتے اور پیچھے انگیٹھی اور کہتا رہتا تھا کہ مجھے کچھ پلاؤ۔ ایک اتنا بڑا برتن ستو اور پانی اور دُودھ کا لایا جاتا جس سے پانچ آدمی سیراب ہو جائیں۔ یہ اس کو پیتا اور کہتا رہتا کہ مجھے کچھ پلاؤ مجھے تو پیاس نے مار ڈالا۔ اور پھر اسی طرح پلایا جاتا تھا یہاں تک کہ پیتے پیتے اس کا پیٹ اسی طرح پھٹ گیا جس طرح اُونٹ کا پیٹ پھٹتا ہے۔ ان دونوں کرامتوں کو شیخ ابن حجر نے صواعق میں بیان کیا ہے۔

علامہ شبلی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک بہت بوڑھے شخص نے جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں اعانت کی تھی جب یہ سنا کہ جس جس نے ان کے قتل میں اعانت کی ہے وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اس کو کوئی بلا نہیں پہنچ جائے گی تو بولا کہ مَیں بھی تو ان لوگوں میں سے ہوں جو اس واقعہ میں تھے اور مجھے کوئی ناگوار بات پیش نہیں آئی۔ پھر چراغ ٹھیک کرنے کے لئے اُٹھا کہ آگ بھڑک گئی اور اُس کے بدن میں لگ گئی یہ آگ آگ چلاتا رہا اور مر گیا۔ علامہ موصوف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نقل ہے کہ ایک شخص حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں صرف حاضر

تھا تو وہ اندھا ہو گیا اس سے اُس کے اندھے ہونے کا سبب پوچھا گیا تو اُس نے کہا کہ مَیں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آستینیں چڑھی ہوئی ہیں دست مبارک میں تلواریں اور سامنے چمڑا بچھا ہوا ہے (جس پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے) اور پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے دس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذبح کیا ہوا دیکھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی اور اس کو وہاں کھڑے ہو کر ان کی جماعت کی تعداد بڑھانے پر بُرا بھلا کہا۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خون کی ایک سلائی اُس کی آنکھوں میں لگا دی تو صبح کو جو اُٹھا اندھا تھا۔

اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کے سینہ پر لٹکا دیا تو چند روز کے بعد دیکھا گیا کہ اس کا چہرہ تار کول سے زیادہ سیاہ تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم تو سارے عرب سے زیادہ خوشرو تھے؟ جواب دیا کہ جب سے مَیں نے اس سر کو اُٹھایا ہے ہر رات دو شخص میرے بازو کو پکڑتے ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں اور دھکا دے دیتے ہیں اور مَیں اس میں منہ کے بل گر جاتا ہوں وہ مجھے جھلسا دیتی ہے اس سے مَیں ایسا ہو گیا جیسا تم دیکھ رہے ہو پھر وہ بہت بری حالت پر مرا ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بروز جمعہ یوم عاشورہ ۶۱ھ میں شہید کئے گئے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب

آپ کی کرامتوں میں سے ایک وہ ہے جس کو حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حالت جنابت میں شہید کئے گئے تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان کو فرشتوں نے غسل دے دیا ہے اور ابن سعد نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَیں نے دیکھا ہے کہ فرشتے حمزہ رضی اللہ عنہ کو غسل دیتے تھے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے واقدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ فاطمہ خزاعیہ نے بیان کیا ہے کہ مَیں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کی تو عرض کیا السلام علیک اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا مَیں نے ان کا کلام سنا تو انہوں نے جواب دیا۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور مَیں نے عارف باللہ سیدی شیخ محمود کردی شیخانی مقیم مدینہ منورہ کی کتاب الباقیات الصالحات میں دیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کی تو سلام کیا۔ اپنے کان سے واقعی طریقے سے سلام کا جواب سُنا اور آپ نے ان کو حکم دیا کہ اپنے لڑکے کا نام ان کے نام پر رکھیں۔ پھر ان کے لڑکا ہوا اور اس کا نام انہوں نے حمزہ رکھا۔ (ص ۲۵/۷۸، کل ۲ صفحہ ۱۰ سطر...... ص ۲۵/۷۹)

حضرت حمزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ

کتاب التاریخ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اور بیہقی اور ابونعیم نے خود حضرت حمزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے اندھیری رات تھی (اُونٹوں کے منتشر ہونے اور آدمیوں کے الگ الگ ہو جانے کا اندیشہ تھا) تو اس وقت میری اُنگلیاں روشن ہوگئیں (اس روشنی سے سب لوگوں نے اپنی سواریوں کو ایک جگہ کرلیا اور کوئی گم نہ ہوا اور میری اُنگلیاں برابر چمکتی رہیں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ اُحد کے روز فرمایا تھا کہ حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتے غسل دیں گے۔ لوگوں نے ان کے گھر والوں سے ان کا حال پوچھا اور مَیں نے اُن کی اہلیہ صاحبہ سے پوچھا تو اُنہوں نے کہا حنظلہ جنابت کی حالت میں تھے جب جنگ پر بلائے جانے کی آواز سُنی تو گھر سے نکل کھڑے ہوئے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیا ہے اور بیہقی اور ابن سعد نے ہشام بن عروہ کی سند سے ان کے والد سے ان لفظوں میں روایت کی ہے کہ میں

نے دیکھا کہ فرشتے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو آسمان وزمین کے درمیان بارش کے پانی سے جو چاندی کے طشت میں تھا غسل دے رہے ہیں۔ ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم پہنچے تو دیکھا کہ اُن کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

ابویعلی اور بیہقی اور ابونعیم نے ابوالسفر سے روایت کی ہے کہ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ حیرہ میں نازل ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ زہر سے بچتے رہیں۔ یہ عجمی لوگ آپ کو زہر نہ پلادیں۔ فرمایا وہ زہر میرے پاس لاؤ۔ آپ نے اُسے ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ پڑھ کر حلق میں ڈال لیا تو زہر نے کچھ نقصان نہ دیا اور کلبی سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب خالد بن الولید حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حیرہ کا قصد کرنے لگے تو وہاں کے لوگوں نے عبدالمسیح کو ایک گھنٹہ میں ختم کردینے والا زہر دے کر بھیجا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا لاؤ ہتھیلی پر لے کر **بسم اللہ و باللہ رب الارض والسماء بسم الذی لا یضر مع اسمہ داء** پڑھا اور کھا لیا۔ عبدالمسیح اپنی قوم میں لوٹ کر گیا اور کہا کہ اے میری قوم انہوں نے تو اس زہر کو کھا لیا ہے اور اس نے کوئی نقصان نہیں دیا۔ تم لوگ اُن سے صلح کرلو (اور سمجھ لو) یہ بات ان کے لئے تجویز شدہ ہے۔ ابن ابی الدنیا نے صحیح سند سے خیثمہ سے روایت کی ہے اُنہوں نے بیان کیا ہے کہ خالد بن الولید کے پاس ایک شخص آیا اس کے ساتھ شراب کا ایک مشکیزہ تھا، آپ نے دُعا کی کہ اے اللہ! اسے شہد بنادے اور وہ شہد ہوگئی۔

اور اسی سند سے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اُس کے ساتھ شراب کا مشکیزہ تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ سرکہ ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کو سرکہ ہی بنادے۔ پھر لوگوں نے دیکھا تو وہ سرکہ تھا حالانکہ پہلے شراب تھی۔ ابن سعد نے محارب بن دثار سے روایت کی ہے کہ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ آپ کے لشکر میں بعض آدمی شراب

پیتے ہیں۔ آپ نے لشکر میں چکر لگایا تو ایک شخص کے پاس شراب کا مشکیزہ دیکھا۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا سرکہ ہے۔ فرمایا اے اللہ! اس کو سرکہ بنا دیجئے۔ پھر جو اس شخص نے مشکیزہ کھولا تو سرکہ تھا وہ کہتا تھا کہ یہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی دُعا ہے۔

حضرت زید بن خارجۃ الانصاری رضی اللہ عنہ

بیہقی نے سعید بن المسیب سے روایت بیان کی اور اسے صحیح کہا ہے کہ زید بن خارجہ انصاری ثم من بنی الحارث بن الخزرج نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی۔ جب کفن دے دیا گیا تو لوگوں نے اُن کے سینہ میں سے ایک آواز سُنی۔ پھر اس کے بعد بولے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی کتاب میں بیان ہے اور سچے ہیں سچے ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جو اپنی ذات میں ضعیف اور اللہ کے حکم میں قوی ہیں پہلی کتاب میں بیان ہے اور سچے ہیں سچے ہیں۔ عمر بن الخطاب قوی اور امین ہیں۔ یہ پہلی کتاب میں بیان ہے سچے ہیں سچے ہیں۔ عثمان بن عفان جو انہی طریقہ پر ہیں چار سال گزر گئے ہیں اور دو باقی رہ گئے فتنے آ گئے۔ قوی نے ضعیف کو کھا لیا اور قیامت قائم ہو گئی اور عنقریب تمہارے لشکر سے تمہارے پاس اریس کے کنوئیں کی خبر آئے گی اور کیا چیز ہے اریس کا کنواں؟ پھر بنی حطمہ میں کے ایک شخص کا انتقال ہوا جب اس کو کفنایا گیا تو ایک آواز اس کے سینہ سے بھی سنائی دی گئی۔ پھر وہ بولا کہ بنی الحارث بن الخزرج کے آدمی نے سچ کہا ہے۔ سچ کہا ہے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اریس کے کنوئیں کا حال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی بنوائی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں۔ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی یہاں تک کہ وہ (ان سے) اریس کے کنوئیں میں گر گئی اور یہ اس وقت ہوا جبکہ اُن کی خلافت کے چھ سال گزر چکے تھے تو اسی وقت آپ کے ماتحت حال لوگ بدل گئے اور فتنوں کے اسباب

ظاہر ہونے لگے جیسے کہ زید بن خارجہ کی زبان پر کہا گیا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جن حضرت نے موت کے بعد کلام کیا ہے وہ خارجہ بن زید ہیں۔

طبرانی وغیرہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خارجۃ بن زید انصار کے سرداروں میں سے تھے ایک دفعہ مدینہ منورہ کے راستوں میں سے کسی راستہ میں ظہر وعصر کے مابین چلے جا رہے تھے تھے۔ اچانک گر پڑے اور وفات فرما گئے۔ انصار کو اس کی خبر کی گئی وہ آئے اور ان کو اُٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔ اور ایک اُونی اور دو دیسی دھاری دار چادروں میں کفن دیا گیا۔ گھر میں انصار کی کچھ عورتیں تھیں رونے لگیں اور کچھ مرد بھی تھے۔ یہ دیر تک کفن میں لپٹے رکھے رہے کیونکہ اچانک موت کے واقع ہو جانے سے لوگوں کو موت میں شک ہو گیا تھا اس لئے تجہیز و تکفین اور دفن میں دیر کی گئی۔ جب مغرب وعشاء کا درمیان ہوا تو لوگوں نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے کہ خاموش ہو جاؤ خاموش ہو جاؤ۔ غور کیا تو یہ آواز کفن کے نیچے سے تھی ان کے چہرہ سے کپڑا اہٹایا گیا تو وہ کہہ رہے تھے کہ محمد رسول اللہ نبی اُمی خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے" یہ پہلی کتاب میں ہے پھر کہا سچ فرمایا سچ فرمایا پھر کہا یہ رسول اللہ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) السلام علیک یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ اور پھر ویسے ہی مُردہ ہو گئے جیسے کہ تھے۔ مَیں نے اس کو اپنی کتاب حجۃ اللہ علی العالمین سے نقل کیا ہے تو گویا اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مبارک کو اپنے پاس موجود دیکھا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کہا ہے اور تین خلفاء کا ذکر کیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی وفات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے ہوئی ہے۔ پھر میں نے ابن الاثیر کی کتاب اسد الغابہ میں خارجہ بن زید الخزرجی کے بیان کو دیکھا تو اُنہوں نے بھی اس قصہ والے بزرگ کے باب میں اختلاف ذکر کیا ہے وہ خارجہ بن زید ہیں یا زید بن خارجہ اور اخیر میں یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ بولنے والے زید بن خارجہ تھے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ذویب بن کلاب رضی اللہ عنہ

ابن وہب نے ابن الہیعہ سے روایت کی ہے کہ جب اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور صنعاء پر غلبہ پالیا تو اس نے ذویب بن کلاب رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا ماننے کی وجہ سے پکڑ کر آگ میں ڈال دیا۔ مگر آگ نے اُن کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ذکر فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اُس نے ہماری اُمت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسے بھی پیدا فرما دیئے ہیں۔ عبدان نے کتاب الصحابہ میں بیان کیا ہے کہ یہ ذویب وہی ہیں جو کلاب بن ربیعہ خولانی کے بیٹے ہیں اور یمن والوں میں سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ ابن عساکر نے ابو بشر جعفر بن ابن وحشیہ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے کہ بنی خولان میں کا ایک شخص اسلام لے آیا تو اس کی قوم نے اُس کو کفر پر لوٹانا چاہا اور آگ میں ڈال دیا مگر اس میں سے سوائے ان چند جگہوں کے کہ جہاں پہلے پہلے وضو کا پانی نہیں پہنچتا تھا کچھ نہیں جلا۔ یہ بزرگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ میرے واسطے بخشش کی دُعا فرمایئے فرمایا تم خود اس کے زیادہ حق دار ہو اور فرمایا کہ تم تو آگ میں ڈال دیئے گئے اور پھر نہیں جلے۔ انہوں نے بخشش کی دُعا کی اور اس کے بعد شام چلے گئے وہاں لوگ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دیا کرتے تھے اور مَیں نے ان کو یہاں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیان میں اس لئے ذکر کر دیا ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں اسلام لے آئے تھے جیسے کہ نجاشی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

بخاری و مسلم اور بیہقی رحمہما اللہ عنہما نے عبدالملک بن عمیر کے واسطہ سے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ ایک شخص کو بھیج دیا کہ کوفہ میں اُن کے متعلق تفتیشِ حال کرے۔ ان صاحب

کو کوفہ کی مسجدوں میں پھرایا گیا تو سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں کہا گیا یہاں تک کہ ایک مسجد میں پہنچے تو ایک صاحب نے جن کو ابوسعدہ کہا جاتا تھا یہ کہا کہ جب تم ہم کو قسم دیتے ہو تو سنو کہ سعد رضی اللہ عنہ تقسیم برابر نہیں کرتے لشکر میں خود نہیں چلتے اور فیصلے میں انصاف نہیں کرتے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دُعا کی کہ اَے اللہ اگر یہ شخص جھوٹا ہو تو اس کی عمر دراز فرما دیجئے اور اس کی تنگ دستی دراز کر دیجئے اور اس کو فتنوں میں ڈال دیجئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مَیں نے اس شخص کو دیکھا ہے بہت بوڑھا ہو گیا تھا بڑی عمر ہونے کی وجہ سے اس کی بھنویں آنکھوں پر لٹک پڑی تھیں۔ فقیر ہو گیا تھا، راستہ میں باندیوں کو چھیڑتا اور آنکھوں سے اشارہ کرتا تھا جب اس سے کہا جاتا کہ تم کیسے ہو؟ تو کہتا ایک بہت بوڑھا اور فتنوں میں مبتلا کیا ہوا۔ اور ابن عساکر نے مصعب بن سعد کی سند سے اسے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ مَیں تمہارے لئے کیسا اُمیر تھا؟ ایک شخص بولا واللہ تم ایسے تھے جیسا مجھے معلوم ہے کہ رعیت میں انصاف نہیں کرتے تھے اور تقسیم میں برابری نہیں کرتے تھے اور لشکر میں شریک ہو کر خود جہاد نہیں کرتے تھے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دُعا کی کہ اے اللہ اگر یہ شخص جھوٹا ہو تو اس کو اَندھا کر دے اس پر جلد تنگ دستی طاری کر دے اس کی عمر دراز کر دے اور اس کو فتنوں میں ڈال دے تو یہ شخص اس وقت تک نہیں مرا جب تک اَندھا اور فقیر نہیں ہو گیا یہاں تک کہ لوگوں سے بھیک مانگی اور مختار کذاب کے فتنہ کو پایا اور اسی میں مرا۔

طبرانی اور ابن عساکر اور ابونعیم نے قبصیہ بن جابر سے روایت کی ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دُعا کی کہ اے اللہ اس شخص کی زبان اور ہاتھ کو جس طرح آپ کو منظور ہو مجھ سے روک دیجئے تو جنگ قادسیہ میں اُس شخص کے تیر لگا جس نے اس کی زبان اور ہاتھ بیکار کر دیئے پھر یہ ایک کلمہ بھی نہ بول سکا اور مر گیا۔ اور ابن ابی الدنیا اور ابن

عساکر نے مغیرہ کے واسطہ سے ان کی والدہ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت تھی جس کا قد بچہ کا سا تھا لوگ کہتے تھے کہ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے اس نے اُن کے پینے کے پانی میں ہاتھ ڈال دیا تھا اس پر اُنہوں نے کہہ دیا تھا کہ اللہ تیری قوت کو کم کر دے۔ تو وہ اَب تک جوان نہیں ہو سکی۔

ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر نے میناء کے واسطہ سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جھانکا کرتی تھی یہ روکا کرتے تھے مگر وہ رُکتی نہ تھی ایک روز اُس نے جھانکا تو آپ نے کہہ دیا کہ تیرا منہ بگڑ جائے تو اس کا چہرہ گدی کی طرف ہو گیا تھا۔

حاکم نے قیس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت بُرا کہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دُعا کی کہ اے اللہ یہ آپ کے ولیوں میں سے ایک ولی کو بُرا کہتا ہے۔ آپ اس مجمع کو اس وقت تک متفرق نہ کیجئے کہ اپنی قدرت نہ دکھلا دیں تو اللہ کی قسم ہم لوگ متفرق نہ ہوئے تھے کہ اس کی سواری زمین میں دھنسنے لگی اور اس نے اس کو کھوپڑی کے بل پتھروں میں پھینک دیا۔ جس سے اُس کا دماغ پھٹ گیا اور یہ مر گیا۔

حاکم نے مصعب بن سعد سے روایت کی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بددُعا دی تو اُس کی اُونٹنی اُس کے پاس آئی اور اس کو مار ڈالا۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک غلام آزاد کیا اور قسم کھائی کہ اب کسی کو بددُعا نہ دیں گے۔

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مروان خلیفہ نے کہا تھا کہ یہ مال ہمارا مال ہے جسے ہم چاہیں گے دیں گے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اُٹھائے اور کہا کیا مَیں بددُعا کروں؟ مروان کود کر آیا اور گلے سے لپٹ گیا اور عرض کیا کہ اے ابو اسحٰق میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں آپ دُعا نہ کیجئے یہ مال تو سب اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔

بیہقی اور ابن عسا کر نے یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن لبیبہ کے واسطہ سے اُن کے والد سے روایت کی ہے کہ اُن کے دادا لبیبہ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دُعا کی۔ اے پروردگار میرے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں تو مجھ سے موت کو اتنا مؤخر کردیجئے کہ یہ بالغ ہو جائیں، بیس سال تک کیلئے ان کی موت مؤخر کردی گئی۔ یعنی اس شدید مرض کے بعد جس میں مرنے کے قریب ہو گئے تھے بیس سال تک اور زندہ رہے۔ طبرانی نے عامر بن سعد سے روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت سعد رضی اللہ عنہ جارہے تھے ایک شخص پر گزرے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت بُرا کہہ رہا تھا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا تم ایسے لوگوں کو بُرا کہہ رہے ہو کہ جن کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ وعدہ آچکا ہے جو آچکا ہے۔ تو اللہ کی قسم یا تو تم اُن کو بُرا کہنا چھوڑ دو یا میں تمہارے واسطے بددُعا کروں گا۔ اُس نے جواب دیا کہ تم مجھ کو ڈراتے ہو کہ گویا تم نبی ہو۔ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دُعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ شخص ان لوگوں کو بُرا کہتا ہے جن کے حق میں آپ کا وہ وعدہ آچکا ہے جو آچکا ہے تو اس کو آج لوگوں کے لئے عبرت بنادیجئے۔ اس کے بعد ایک بختی اُونٹنی آئی۔ لوگ اس کی وجہ سے ہٹ گئے اور وہ اس کو روندگئی۔ پھر ہم نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے ابواسحاق اللہ تعالیٰ نے آپ کی بددُعا قبول فرمالی۔

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ جو مستجاب الدعاء تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے اس کی دُعا کی تھی۔ کیونکہ ترمذی و حاکم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی تھی کہ اے اللہ سعد کی دُعا قبول فرمالیجئے۔ جب وہ دُعا کرے۔ تو جب دُعا کرتے تھے قبول کی جاتی تھی۔ اور حدیث میں یہ بھی ہے: ''اے اللہ ان کی دعا قبول فرمالیا کیجئے اور ان کا نشانہ درست فرمادیجئے۔''

ابونعیم نے ابن الدیلمی سے روایت کی ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نہرشیر پر اُترے تو کشتیاں طلب کیں تا کہ لوگوں کو لے کر گزر جائیں مگر کوئی صورت نہ ہوسکی کیونکہ دشمنوں نے سب کشتیوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ ماہِ صفر کے کئی دن گزر گئے اور آپ ٹھہرے رہے۔ پھر نہر میں چڑھاؤ ہوگیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا کہ مسلمانوں کے گھوڑے اس نہر میں گھس گئے اور عبور کر گئے۔ اور دریا ہے کہ چڑھاؤ کی وجہ سے ہیبت ناک صورت لئے ہوئے ہے۔

آپ نے اپنے خواب کی تعبیر کے لئے اس کو عبور کرنے کا پکا ارادہ کرلیا۔ لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ اب مَیں نے اس دریا کو طے کر کے مقابل تک جانے کا ارادہ کرلیا ہے اور سب لوگوں کو گھس جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ ''یہ کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کی امداد چاہتے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہیں اللہ ہی ہم کو کافی ہے اور وہی بہترین ذمہ دار ہے۔ کوئی تغیر اور قوت نہیں مگر اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے جو بڑے مرتبہ اور بڑی عظمت والا ہے''۔

پھر سب کے سب دریا میں گھس پڑے اور موجوں پر سوار ہوگئے اور وہ جھاگ دے رہی تھیں اور سیاہ تھیں اور لوگ اس تیرنے میں قریب قریب تھے اور ایسے ہی باتیں کر رہے تھے جیسے کہ زمین پر چلنے میں باتیں کرتے رہتے ہیں تو اہلِ فارس کو اس بات سے جو اُن کے گمان میں بھی نہ تھی بہت تعجب ہوا اور اپنی جانوں کو بچا لے گئے اور بہت سامال چھوڑ کر جلدی سے بھاگ نکلے۔ غرض صفر ۱۶ھ میں مسلمان کسریٰ کے شہروں میں داخل ہوگئے اور جو مال کسریٰ کے گھروں میں باقی تھا اس پر قبضہ کرلیا۔

اور ابونعیم نے ابوعثمان ہندی سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لوگوں کے ساتھ قیام کرنے اور ان کو عبور کی دعوت دینے میں یہ روایت کیا ہے کہ ہم گھوڑوں اور سواریوں سے نہر پر چھا گئے۔ یہاں تک کہ دونوں کناروں سے کوئی شخص پانی کو نہیں دیکھ سکتا تھا ہمارے گھوڑے ہم کو لے کر ان کی طرف نکلے تو ان کی ایالوں سے پانی ٹپک

رہا تھا اور ہنہنا رہے تھے۔ جب مقابل قوم نے یہ دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے اور ایسے بھاگی کہ اپنی کسی چیز کی طرف بھی توجہ نہیں کی اور بیان کیا ہے کہ پانی میں ان حضرات کی کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی سوائے ایک پیالہ کے جس کی رسّی بودی تھی وہ ٹوٹ گئی اور اُسے پانی بہالے گیا لیکن اس کو بھی ہواؤں اور موجوں نے دھکیل دیا کہ وہ کنارہ پر آرہا اور اُس کے مالک نے لے لیا۔

ابونعیم نے ابوبکر بن حفص بن عمر سے یہ روایت کیا ہے کہ جو صاحب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ پانی میں چل رہے تھے سلمان فارسی تھے۔ گھوڑے ان لوگوں کو لے کر تیرے تو سعد رضی اللہ عنہ کہتے تھے ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہیں اور وہی بہترین ذمہ دار ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی ضرور مدد فرمائیں گے۔ ضرور اپنے دین کو غلبہ اور ضرور اپنے دشمن کو شکست دیں گے۔ بشرطیکہ لشکر میں بدکاری اور ایسے گناہ نہ ہوں کہ جو نیکیوں پر غالب آجائیں۔

سلمان نے اُن سے کہا کہ ابھی تو سب کا اسلام نیا ہے اور اللہ کی قسم ان کے واسطے دریا ایسے ہی تابعدار کردیئے گئے ہیں جیسے مٹی، اور یہ لوگ پانی پر چھا گئے یہاں تک کہ کنارہ سے پانی نظر نہیں آتا تھا اور بے شک ان حضرات کے لئے دریا کے باب میں بہ نسبت خشکی کے زیادہ واقعات ہیں۔ غرض یہ لوگ دریا سے نکلے اور نہ ان کی کوئی چیز کھوئی گئی اور نہ کوئی غرق ہوا۔

اور ابونعیم نے عمیر صائدی سے روایت کی ہے کہ جب یہ لوگ دریا میں گُھس پڑے تو ایک دوسرے کے قریب قریب ہوگئے۔ سلمان رضی اللہ عنہ، سعد رضی اللہ عنہ کے متصل تھے، برابر میں پانی میں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یہ بڑی عزت اور بڑے علم والے کے مقدر کرنے سے ہے۔ پانی ان لوگوں کو اُوپر اُٹھا رہا تھا۔ گھوڑا ہمیشہ سیدھا کھڑا رہتا تھا۔ جب تھک جاتا تھا تو کوئی ٹیلہ ظاہر ہو جاتا تھا اور اس پر اس طرح آرام کرلیتا تھا کہ گویا زمین پر ہے۔ پس مدائن میں اس سے زیادہ

عجیب واقعہ نہیں ہوا اور اسی وجہ سے اس کو یوم الجراثیم (ٹیلوں کا دن) کہا جاتا ہے کہ جب کوئی تھک جاتا ایک ٹیلہ اُٹھ آتا تھا کہ اس پر آرام لے لے۔

اور ابونعیم نے قیس بن ابی عازم سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ دجلہ میں گھسے تو وہ موجیں مار رہا تھا جب ہم اس کے زیادہ پانی کے درمیان پہنچے تو گھوڑے سوار کھڑا رہتا تھا اور پانی اس کے پاؤں تک نہیں پہنچتا تھا۔

اور ابونعیم نے حبیب بن صہبان سے روایت کی ہے کہ جنگ مدائن کے بعد جب مسلمانوں نے دجلہ کو عبور کرلیا تو اہلِ فارس نے کہا یہ تو جن ہیں انسان نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سارے جہانوں پر ایک حجت ہیں۔

حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ

حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ کو جنگِ اُحد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا کہ سعد بن الربیع کو تلاش کرو۔ اگر تم ان کو دیکھو تو میری طرف سے سلام کہو اور کہو کہ تم اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ میں نے ان کو اس حالت میں پایا کہ ان کا دَم آخر ہو رہا تھا اور ان پر نیزوں اور تلواروں اور تیروں کے ستر (۷۰) زخم تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ عرض کرنا یا رسول اللہ! میں اپنے کو ایسا پاتا ہوں کہ جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں اور میری قوم انصار سے فرما دیجئے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی دشمن پہنچ گیا اور تم میں سے ایک متنفس بھی باقی رہا تو تمہارا کوئی عذر نہ ہو سکے گا اور اس کے بعد رُوح پرواز کرگئی۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

جلال الدین بصری دمشقی نے اپنی کتاب تحفۃ الانام فی فضائل للشام میں بیان کیا ہے کہ اہلِ دمشق کا اتفاق ہے کہ آپ کی قبر مبارک دمشق کے شہر غوطہ ایک گاؤں میں ہے جسے منیحہ کہا جاتا ہے اور بیان کیا ہے کہ شیخ عارف مقتدی ابو اسحٰق ابراہیم بن الشیخ

عارف باللہ عبداللہ نے جن کے والد ارموی مشہور تھے رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مزار کی کئی دفعہ زیارت کی ہے۔ ایک مرتبہ اُن کے دل میں یہ خلجان پیدا ہوا کہ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر ہے بھی یا نہیں؟ ان کو نیند کی اُونگھ آ گئی تو دیکھا کہ یہ قبر اُوپر کی طرف سے پھٹ گئی اور ایک لمبے قد کا بدوی شخص نقاب ﴿جنگ میں منہ پر نقاب ہوتی تھی۔۱۲ مترجم﴾ پوش قبر کی اُوپر کی جانب سے نکلا اور وہ کہہ رہا ہے کہ مَیں سعد ہوں پھر مجھے نیند سے افاقہ ہو گیا تو مَیں نے جان لیا کہ یہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔ مَیں نے کچھ قرآن شریف پڑھا اور دُعا کی اور لَوٹ آیا۔

سیدنا سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات بلادِ شام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۱۴ھ میں ہوئی ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

ابونعیم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ غزوۂ خندق کے بعد جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر تیزی سے تشریف لے چلے کہ پاؤں کے (جوتے) تسمے ٹوٹنے لگے مگر آپ لوٹتے نہ تھے چادر گری جاتی تھی اور آپ توجہ نہیں فرماتے تھے اور کسی کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! قریب ہے کہ آپ ہم کو الگ چھوڑ دیں۔ فرمایا مجھے ڈر ہے کہ معاذ کے غسل دینے میں فرشتے ہم سے سبقت نہ لے جائیں جیسے کہ حنظلہ رضی اللہ عنہ کے غسل دینے میں سبقت لے گئے تھے اور بخاری و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ خندق کے دن زخم لگا ہے۔ حیان بن العرقہ نے ان کی رگ اکحل ﴿ہاتھ کے وسط میں ایک رَگ ہے جسے رگ ہفت اندام اور میزاب البدن اور عرق الحیوۃ بھی کہتے ہیں اس کے پھٹنے سے تمام بدن کا خون نکل جاتا ہے۔۱۲ مترجم﴾ میں تیر مارا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خیمہ لگایا تھا تا کہ قریب سے اُن کی عیادت

فرماتے رہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے واپس ہوئے ہتھیار اُتار دیئے اور غسل فرمایا۔ تو جبرائیل علیہ السلام سر سے غبار جھاڑتے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار اُتار دیئے۔ اللہ کی قسم آپ ہتھیار نہیں اُتاریں گے۔ اب ان کافروں پر خروج فرمائیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کہاں کو؟ جبرائیل علیہ السلام نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ جب سب وہاں نازل ہوئے اور حکم احکام سعد بن معاذ کو تفویض کئے گئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مَیں حکم دیتا ہوں کہ ان میں سے لڑنے والے لوگوں کو قتل کیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا جائے اور اُن کے مال تقسیم کر لئے جائیں۔ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دُعا کی اے اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ مجھے آپ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے اس قوم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں جس نے آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی ہے اور ان کو نکال دیا ہے۔ اَے اللہ! میں سمجھ رہا ہوں کہ اب آپ نے ہمارے اور اُن کے درمیان جنگ کو ختم فرما دیا ہے تو اگر قریش سے کوئی لڑائی باقی ہو تو مجھے اُن کے لئے زندہ باقی رکھئے کہ مَیں آپ کی راہ میں اُن سے جہاد کروں اور آپ نے لڑائی ختم ہی فرما دی ہے تو ذرا کھول دیجئے۔ اور میری موت اسی میں فرما دیجئے۔ پھر اسی رات یہ لڑائی چھڑ گئی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات اسی سے ہوئی۔

اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ غزوۂ احزاب میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے تیر مارا گیا اور رگِ اکحل کُھل گئی۔ خون چمک آیا تو اُنہوں نے دُعا کی اے اللہ! میری جان نہ نکالئے جب تک بنی قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ کر دیجئے۔ ان کی رگ بند ہو گئی اور ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا۔ یہاں تک کہ سب لوگ ان کے حکم پر راضی ہو گئے۔ پھر جب یہ ان کے قتل سے فارغ ہو گئے وہ رَگ پھٹ گئی اور وفات پا گئے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور انور صلی

اللہ علیہ وسلم نے سعد ابن معاذ کے باب میں فرمایا ہے ان کے لئے عرش ہل گیا ہے اور اُن کے جنازہ کے ساتھ ستر (۷۰) ہزار فرشتے چلے ہیں اور جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھا کہ یہ کس مردِ صالح کا انتقال ہوا ہے کہ اس کے واسطے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور اس کے لئے عرش ہل گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی وفات ہوئی تھی۔

اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے رافع ارنی سے روایت کی ہے کہ اپنی قوم میں سے جس سے مَیں نے پوچھا اُس نے بتایا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کے درمیان میں ریشم کا عمامہ باندھے ہوئے آئے اور پوچھا کہ یہ مرنے والا کون ہے؟ جس کیلئے آسمان کے دروازے کُھل گئے اور عرش حرکت میں آ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے سعد بن معاذ کی طرف تشریف لے چلے تو ان کو دیکھا کہ وفات پا چکے ہیں۔ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کیلئے جو حق تعالیٰ کا عرش متحرک ہوا وہ اُن کی رُوح سے خوش ہونے کی وجہ سے متحرک ہوا ہے۔

اور ابن سعد نے مسلمہ بن اسلم بن حربش سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو گھر میں سوائے کفن پہنائے ہوئے سعد رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہیں تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچ بچ کر تشریف لے جا رہے ہیں اور مجھے اشارہ فرمایا کہ ٹھہر جا میں ٹھہر گیا اور پیچھے سے ذرا ہٹا دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر تشریف فرما رہے پھر باہر تشریف لے گئے اور مَیں نے عرض کیا یا رسول اللہ مَیں نے کسی اور کو تو دیکھا نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دیکھا کہ آپ بچ بچ کر تشریف لے جا رہے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ مَیں تو کسی جگہ بیٹھ نہیں سکا جب تک فرشتوں میں سے ایک فرشتے نے اپنا ایک پَر میرے لئے سمیٹ نہیں لیا اور ابو نعیم نے اشعث بن اسحاق بن سعد بن ابی

وقاص سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن اپنے گھٹنے سمیٹ لئے تھے اور فرمایا تھا کہ ایک فرشتہ آیا ہے اُسے بیٹھنے کی جگہ نہیں ملی تو مَیں نے جگہ دی۔ جب لوگوں نے اُن کا جنازہ اُٹھایا اور یہ بہت بڑے اور لمبے تھے۔ ایک منافق نے کہا کہ ہم نے کوئی نعش آج سے زیادہ ہلکی نہیں اُٹھائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن کے جنازہ پر ستر ہزار (۷۰۰۰۰) وہ فرشتے حاضر ہوئے ہیں جنہوں نے زمین پر کبھی قدم نہ رکھا تھا۔

اور ابن سعد نے محمود بن لبید سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ساری قوم نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ ہم نے کسی میت کو سعد سے ہلکا نہیں اُٹھایا۔ فرمایا کہ ہلکے کیوں نہ ہوتے ان کے لئے آج اتنے اتنے فرشتے اُتر آئے ہیں جو آج سے پہلے کبھی نہیں اُترے تھے اور وہ تمہارے ساتھ جنازہ اُٹھائے ہوئے ہیں۔

اور ابن سعد اور ابونعیم نے محمد بن منکدر کی سند سے محمد بن شرجیل بن حسنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے ان کی قبر کی مٹی میں سے ایک مٹھی بھر لی اور لے گیا۔ کچھ دیر بعد اسے دیکھا تو وہ مشک تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا سبحان اللہ! سبحان اللہ! یہاں تک کہ چہرہ مبارک میں (مسرت کا اثر) محسوس ہونے لگا اور فرمایا۔ الحمد للہ اگر قبر سے دبانے سے کوئی بچتا تو سعد بن معاذ بچتے۔ ان کو ذرا سا دبایا گیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے کشادگی فرمادی۔ اور ابن سعد نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مَیں بھی ان لوگوں میں تھا جنہوں نے سعد کی قبر کھودی ہے جب ہم مٹی کا کچھ حصہ کھودتے تھے ہم پر مشک کی لپٹیں آتی تھیں۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے عروۃ بن الزبیر سے روایت کی ہے کہ اویس کی بیٹی اروی نے مروان بن الحکم کے یہاں سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر مقدمہ دائر کیا اور دعویٰ کیا کہ انہوں نے اس کی زمین لے لی ہے۔ حضرت سعید نے جواب دیا کہ کیا مَیں اس کے بعد بھی اس کی زمین میں سے کچھ لے لوں گا جبکہ مَیں

نے خود حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس کے باب میں) سُن لیا ہے۔ مروان نے پوچھا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سُنا ہے؟ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے فرماتے تھے جس نے زمین سے ایک بالشت بھی ظلماً لے لی۔ اللہ تعالیٰ ساتوں زمینوں تک کو اس کے گلے میں طوق ڈال دیں گے۔ مروان نے کہا بس اس کے بعد مَیں آپ سے کوئی گواہ نہیں مانگتا۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے دُعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہو تو اس کی بینائی کو غارت فرما دیجئے اور اس کو اس کی زمین میں قتل کر دیجئے۔

عروہ کہتے ہیں کہ وہ اس وقت تک نہیں مری جب تک اس کی بینائی جاتی نہیں رہی اور وہ اپنی زمین میں چلی جارہی تھی کہ یکا یک ایک گڑھے میں گری اور مرگئی اور مسلم کی ایک روایت میں محمد بن زید بن عبداللہ بن عمرو سے یہی مضمون ہے کہ اُنہوں نے اسے اندھی دیکھا ہے دیواروں کو ٹٹولتی تھی اور کہتی تھی کہ مجھے سعید رضی اللہ عنہ کی دُعا لگ گئی۔ اور جس گھر پر اُس نے مقدمہ کیا تھا اسی کے کنوئیں پر گزری تو اس میں گر پڑی اور وہی اس کی قبر بن گیا۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام

آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ ابن اثیر نے اپنی کتاب ''اسد الغابہ'' میں بیان کیا ہے کہ محمد بن المنکدر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سفینہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں مَیں ایک کشتی میں سوار تھا وہ ٹوٹ گئی اور مَیں ایک تختہ پر سوار رہ گیا۔ مجھے پانی نے کنارے پر پھینک دیا تو مجھے ایک شیر ملا مَیں نے اس سے کہا اے ابوالحارث ﴿ابوالحارث شیر کو کہا جاتا ہے۔۱۲ مترجم﴾ مَیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام سفینہ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ اُس نے سر جُھکا لیا اور مجھے اپنے پہلو اور کندھے سے دھکیلتا رہا یہاں تک کہ راستہ پر پہنچا دیا۔ اور پھر جب راستہ پر پہنچا دیا تو ہمہمانے لگا اس سے مَیں نے سمجھ لیا کہ اب یہ مجھے رُخصت کر رہا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

مَیں نے اپنی کتاب حجۃ اللہ علی العالمین میں ان کو تنہا ذکر نہیں کیا بلکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہی ذکر کر دیا ہے۔ پھر مَیں نے اپنے محترم فاضل شیخ عبدالمجید خانی دمشقی کو دیکھا کہ اپنی کتاب الحدائق الوردیہ فی اجلاء الطریقۃ النقشبندیہ میں ذکر کیا ہے کہ ان کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ یہ مدائن سے تشریف لے چلے اور ان کے ساتھ ایک مہمان تھا۔ ہرن جنگل میں پھر رہے تھے اور پرندے ہوا میں اُڑ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک ہرن اور ایک پرندہ میرے پاس آ جاؤ۔ کیونکہ میرے پاس ایک مہمان آیا ہے جس کی مجھے خاطر کرنا ہے وہ آ گئے تو اس شخص نے کہا سبحان اللہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم اس سے تعجب کرتے ہو کیا تم نے کسی بندہ کو دیکھا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی ہو اور پھر کسی شئے نے اس کی نافرمانی کی ہو۔

انہی شیخ عبدالمجید نے بیان کیا ہے کہ حافظ ابونعیم نے حارث بن عمیر سے روایت کی ہے کہ مَیں نے سفر کیا مدائن آیا تو ایک شخص ملا جس پر پرانے کپڑے ہیں اور اس کے پاس ایک سُرخ چمڑا ہے جسے وہ مل رہا ہے وہ متوجہ ہوا مجھے دیکھا اور کہا اے اللہ کے بندے وہیں ٹھہرو مَیں نے اس شخص سے جو میرے پاس تھا پوچھا یہ شخص کون ہیں؟ اس نے بتایا کہ یہ سلمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر آپ گھر میں تشریف لے گئے اور سفید کپڑے پہنے پھر آئے اور میرا ہاتھ پکڑ لیا مصافحہ کیا اور حال پوچھنے لگے۔ مَیں نے عرض کیا اے ابوعبداللہ نہ آپ نے مجھ کو کبھی پہلے دیکھا نہ مَیں نے آپ کو نہ آپ مجھے پہچانتے ہیں نہ مَیں آپ کو فرمایا ہاں مگر قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جس وقت مَیں نے تم کو دیکھا ہے اسی وقت میری روح نے تمہاری رُوح کو پہچان لیا ہے۔ کیا تم حارث بن عمیر نہیں ہو۔ مَیں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے فرماتے تھے کہ روحیں ایک جمع کیا ہوا لشکر تھیں اُن میں سے جن میں تعارف ہو گیا تھا اُن

میں اُنس ہے اور جن میں اجنبیت رہی تھی اُن میں اختلافات ہیں''۔ اور یہ ہرن اور پرندہ کی کرامت مَیں نے علامہ مناوی کی کتاب ''طبقات'' میں بھی دیکھی ہے۔

حضرت عاصم بن ثابت و حضرت خبیب رضی اللہ عنہما

بخاری وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ بھیجا اور اس پر عاصم بن ثابت کو امیر مقرر فرمایا۔ یہ لوگ روانہ ہوگئے اور جب عسفان اور مکہ مکرمہ کے درمیان پہنچے تو ہذیل کے ایک قبیلہ میں ان کا ذکر کیا گیا اور وہ لوگ تقریباً سو تیر انداز تھے وہ اُن کے نشانات ڈھونڈتے ہوئے چلے اور ان پر آ پہنچے تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے کہا کہ تم لوگوں کا ہم سے ایک معاہدہ ہے کہ اگر تم ہمارے یہاں آئے تو ہم تم میں سے کسی کو قتل نہ کریں گے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو کسی کافر کی ذمہ داری میں یہاں سے نہیں اُتروں گا۔ اے اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری خبر پہنچا دیجئے۔ ان لوگوں نے اُن پر تیر چلانے شروع کر دیئے یہاں تک کہ حضرت عاصم اور سات آدمیوں کو شہید کر دیا اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ اور ایک اور صاحب رہ گئے۔ اُن لوگوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ ان کے ساتھیوں نے ایک بلند ٹیلہ کی پناہ لی۔ اُن لوگوں نے اُن سے عہد و معاہدہ کر لیا تو یہ لوگ ٹیلہ سے اُن کے پاس اُتر آئے۔ جب وہ ان پر قابو پاگئے تو ان کی کمانوں کے چلّے اُتار کر اُن کو باندھ دیا۔ ان تیسرے صاحب نے کہا کہ یہ پہلی بدعہدی ہے اور اُن کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اُن لوگوں نے زبردستی کی کہ ساتھ چلیں مگر وہ نہ چلے تو ان کو بھی شہید کر دیا اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو لے چلے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ میں لا کر دونوں کو فروخت کر دیا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو بنی حارث بن عامر بن نوفل نے خرید لیا کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں حارث کو قتل کیا تھا یہ اُن لوگوں کے پاس قیدی رہے یہاں تک کہ جب اُن لوگوں نے اُن کے شہید کر دینے پر اتفاق کر لیا تو اُنہوں

نے بنی حارث کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی سے استرہ مانگا تاکہ زیر ناف کے بال صاف کرلیں۔ اس نے دے دیا۔ وہ کہتی ہے کہ میں اپنے ایک بچہ سے ذرا غافل ہوئی تو وہ اُن کے پاس پہنچ گیا اور اُنہوں نے اسے اپنی ران پر بٹھالیا۔

جب میں نے بچہ کو دیکھا تو میں گھبرا گئی اور اس گھبراہٹ کو خبیب رضی اللہ عنہ نے بھی محسوس کرلیا۔ اُن کے ہاتھ میں اُسترہ تھا کہنے لگے کیا تم ڈرتی ہو کہ میں اس بچہ کو قتل کر ڈالوں گا میں ان شاء اللہ ایسا نہیں کروں گا۔ اور وہ کہا کرتی تھی کہ میں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ وہ انگور کے خوشے کھایا کرتے تھے حالانکہ اس وقت مکہ مکرمہ میں کوئی سا بھی پھل نہ تھا اور وہ خود لوہے کی بیڑیوں میں بند رہتے تھے۔ بس یہ ایک رزق تھا جو اللہ تعالیٰ ان کو عطاء فرماتے تھے۔

غرض جب ان کو حرم سے باہر لے چلے تو انہوں نے فرمایا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعتیں پڑھ لوں، اور آپ نے نماز پڑھی پھر یہ دُعا کی اَے اللہ ان سب کا احاطہ فرمالیجئے اور ان کو متفرق کر کے مار ڈالئے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑیئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی اس مصیبت کے دن دُعا قبول فرمالی اور حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس روز ان لوگوں پر یہ مصیبت نازل ہوئی یہ خبر بیان فرمادی تھی۔ ادھر قریش نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیجے کہ عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم سے کچھ حصہ لے آؤ کہ وہ اس کو پہچان لیں کیونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے جنگِ بدر میں قریش کے بڑے لوگوں میں سے کسی بہت بڑے کو مار ڈالا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ پر شہد کی مکھیوں کے ایک محال کو جو سائبان کی طرح بھیج دیا اُس نے اُن کی حفاظت کی اور یہ کافروں کی دستبرد سے محفوظ رہ گئے اور ان پر یہ قدرت نہ پاسکے کہ اُن کے جسم میں سے کچھ کاٹ لیں۔

بیہقی نے بھی یہ روایت ایسے ہی بیان کی ہے اور ابونعیم نے موسیٰ بن عقبہ کی سند سے ابن شہاب سے اور عروہ کی سند سے بھی بیان کی ہے اتنا اور زیادہ روایت کیا ہے کہ

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ اے اللہ! میں کوئی قاصد نہیں پاتا کہ آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ سکوں اس لئے آپ ہی ان کو میرا اسلام پہنچایئے، تو جبرئیل علیہ السلام، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ سب ماجرا بتادیا۔ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس روز بیٹھے ہوئے تھے فرمایا اس پر بھی سلام ہو۔ خبیب رضی اللہ عنہ کو قریش نے شہید کردیا۔

بیہقی نے ابن اسحاق کی سند سے روایت کی ہے کہتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ قبیلہ ہذیل نے جب عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا تو اُن کا سر علیحدہ کرلینا چاہا تاکہ اس کو سلافہ بنت سعد کے ہاتھ فروخت کردیں کیونکہ جب جنگِ اُحد میں اُس کے دونوں بیٹے مارڈالے گئے تو اُس نے یہ منت مانی تھی کہ اگر ان کے سر پر قابو پاسکی تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی مگر ان لوگوں کو محال کی مکھیوں نے اس سے روک دیا اور جب مکھیاں ان میں اور عاصم میں حائل ہوگئیں تو ان لوگوں نے کہا کہ شام تک کے لئے چھوڑ دو مکھیاں چلی جائیں گی تو ہم سر لے لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک وادی میں سیلاب بھیج دیا جس نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو اُٹھالیا اور لے گیا۔ اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اپنی زندگی میں نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے اور نہ کوئی مشرک ان کو چھوئے گا تو اللہ تعالیٰ نے وفات میں بھی اُن سے اس چیز کو روک دیا جس سے وہ حیات میں رُکتے تھے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو نعیم نے بریدۃ بن سفیان سلمی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور پھر یہی واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے اور اس میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ان لوگوں نے اُن کا سر کاٹنے کا اِرادہ کیا تھا تاکہ اُس عورت کے پاس لے جائیں تو اَللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا ایک محال بھیج دیا اور اُس نے اُن کی حفاظت کی کہ وہ سر نہ کاٹ سکے۔

اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے حال میں ذکر کیا ہے کہ اُنہوں نے یہ کہا تھا

کہ اے اللہ! مَیں کسی ایسے کو نہیں پاتا کہ جو آپ کے رسول کو میرا اسلام پہنچا دے۔ تو بس آپ ہی اپنے رسول کو میرا اسلام پہنچا دیجئے۔

اور بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ اس پر بھی سلام ہو تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس پر؟ فرمایا تمہارا بھائی خبیب قتل کیا جا رہا ہے جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ تختہ پر چڑھائے گئے تو دُعا مانگنی شروع کی۔ ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ جب مَیں نے اُن کو دیکھا کہ دُعا کر رہے ہیں۔ مَیں زمین کو چمٹ گیا۔ پھر اس کے بعد ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ ان لوگوں میں سے سوائے اس شخص کے جو زمین کو چمٹ گیا تھا ایک بھی باقی نہ رہا۔

اور ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے جعفر بن عمرو بن اسیہ ضمری کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ اُن کے والد نے اُن سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تنہا کو جاسوس بنا کر بھیجا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب میں خبیب رضی اللہ عنہ کے تختہ کے پاس یعنی جس پر قتل کرنے کے بعد اُن کو سُولی دی گئی تھی پہنچا اور لوگوں کی نظروں سے بچتا ہوا اس پر چڑھ گیا تو ان کو چھڑا دیا وہ زمین پر گر پڑے اور زمین نے اُن کو کچھ دُور پھینک دیا۔ پھر جو زمین نے ادھر منہ پھیرا تو خبیب رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا گویا زمین اُن کو نگل گئی اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی کسی ہڈی کا اب تک کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ ابو یوسف نے کتاب اللطائف میں ضحاک سے روایت کی ہے کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو تختہ سے اُتارنے کے لئے مقداد رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔ یہ دونوں تنعیم میں پہنچے تو اُنہوں نے اُن کے چاروں طرف چالیس آدمیوں کو مدہوش پایا۔ ان دونوں نے ان کو تختہ سے اُتار لیا۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے گھوڑے پر سوار کر لیا تو وہ بالکل نرم تھے اُن میں کوئی تغیر نہ ہوا تھا۔ مشرکوں نے ان لوگوں پر منت مان لی اور جب اُن تک آ پہنچے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اُن کو گرا دیا اور اُن کو زمین نگل گئی اس لئے اُن کا لقب بلیع الارض یعنی زمین کا نگل لیا ہوا ہو گیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا ذکر

حرف خاء میں ہونا چاہئے تھا مگر میں نے یہاں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس لئے کر دیا ہے کہ قصہ ایک تھا اور آگے کے واقعہ سے بھی مناسبت تھی۔

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

بخاری نے ہشام بن عروہ کی سند سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے بتایا ہے کہ جب وہ لوگ قتل کر دیئے گئے جو معونہ کے کنوئیں پر گئے تھے اور عمرو بن امیہ ضمری گرفتار ہو گئے تو عامر بن طفیل نے ایک شہید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے؟ عمرو بن اُمیہ نے جواب دیا کہ عامر بن فہیرہ سے عامر بن طفیل نے کہا کہ میں نے اُن کو دیکھا ہے کہ یہ قتل کے بعد آسمان تک اُٹھائے گئے تھے یہاں تک کہ میں نے اپنی آنکھوں سے آسمان تک ان کے اور زمین کے درمیانی حصہ کو دیکھا ہے پھر زمین پر لا کر رکھ دیئے گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُن کی اطلاع آ گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کی خبر صحابہ رضی اللہ عنہم کو سنائی اور فرمایا کہ تمہارے ساتھی شہید کر دیئے گئے۔ انہوں نے اپنے پروردگار سے دُعا کی اور عرض کیا تھا کہ اے ہمارے رب ہمارے بھائیوں کو ہماری خبر پہنچا دیجئے کہ ہم آپ سے خوش اور آپ ہم سے راضی ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر عطا فرمائی ہے۔

اور بیہقی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ روانہ فرمایا، پھر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور فرمایا کہ تمہارے بھائی کافروں سے بھڑ گئے اور کافروں نے ان کو ختم کر دیا ہے اُن میں سے ایک بھی نہیں بچا اور ان لوگوں نے یہ دُعا کی ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دیجئے کہ ہم آپ سے خوش اور آپ ہم سے راضی ہیں تو میں تمہاری طرف ان کا پیامی ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے خوش اور اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گئے ہیں۔

واقدی نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے مصعب بن ثابت نے ابوالاسود کے واسطہ سے عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے وہ کہتے ہیں کہ منذر بن عمرو روانہ ہوئے

اور آگے وہی قصہ بیان ہے۔ یعنی اُن لوگوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند آدمی طلب کرنا جو اُن کو قرآن شریف اور احادیث پڑھا دیں اور اس میں یہ بھی ہے کہ عامر بن طفیل نے عمرو بن اُمیہ سے کہا کہ کیا تم اپنے ساتھیوں کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ہاں: اُس نے شہداء میں چکر لگایا اور ان سے اُن کے نسب پوچھتا رہا۔ پھر اُن سے کہا گیا تم اُن میں سے کسی کو غیر موجود پاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کو اُس نے پوچھا وہ تم لوگوں میں کیسے آدمی تھے؟ مَیں نے کہا ہم میں سے اچھے اور افضل آدمیوں میں سے تھے تو اُس نے کہا کیا مَیں تم سے ان کا حال نہ بیان کردوں۔ فلاں شخص نے اُن کے نیزہ مارا پھر نیزہ کھینچ لیا تو ان صاحب کو آسمان کی طرف بلند کردیا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ کی قسم مَیں ان کو نہیں دیکھ سکا اور جس شخص نے ان کو شہید کیا ہے وہ بنی کلاب کا ایک شخص تھا جس کو جبار بن سلمی کہا جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب اُس نے اُن کے نیزہ مارا تو اُن کو یہ کہتے سُنا اللہ کی قسم مَیں کامیاب ہوگیا۔

عامر بن طفیل کہتے ہیں کہ مَیں ضحاک بن سفیان کلابی کے پاس آیا اور اُن کو اس ماجرا کی خبر سنائی اور خود بھی مسلمان ہوگیا اور مجھے اسلام کی طرف کھینچنے والا یہی واقعہ ہے جو مَیں نے عامر بن فہیرہ کے قتل اور اُن کے آسمان کی طرف بلند کئے جانے کا دیکھا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ ضحاک رحمہ اللہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا کہ ان کے جسم کو فرشتوں نے چھپالیا اور علیین میں پہنچادیئے گئے اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ احتمال ہے کہ اوّل آسمان کی طرف اُٹھالئے گئے ہوں پھر زمین پر لائے گئے ہوں اور پھر اس کے بعد لوگوں کو نہ مل سکے ہوں۔ تو اس احتمال پر یہ روایت بخاری کی روایت گذشتہ کے ساتھ جو عروہ کی سند سے ہے جمع ہوسکتی ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ پھر زمین پر لائے گئے۔

اور ہم سے موسیٰ ابن عقبہ کے مغازی میں اسی قصہ میں روایت کی گئی ہے کہتے ہیں کہ عروہ کہتے تھے کہ عامر بن فہیرہ کا جسم نہیں ملا لوگ سمجھتے تھے کہ فرشتوں نے اُسے

چھپا لیا ہے۔ پھر بیہقی نے عروہ کی متصل روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان لفظوں میں بیان کی ہے کہ میں نے اُن کو قتل کے بعد دیکھا ہے کہ وہ آسمان کی طرف اُٹھا لئے گئے یہاں تک کہ میں اُن کے اور زمین کے درمیان کے فصل کو آسمان تک دیکھتا تھا اور اس روایت میں پھر زمین پر لے آئے جانے کا ذکر نہیں کیا گیا تو اُن کے آسمان میں چھپائے جانے کی روایت متعدد سندوں کی وجہ سے قوی ہوگئی ہے۔

اور ابن سعد کا بیان ہے کہ ہم سے واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن عبداللہ نے زہری کے واسطہ سے عروہ سے روایت کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ عامر بن فہیرہ آسمان کی طرف اُٹھا لئے گئے اور پھر ان کا جسم نہیں ملا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ فرشتوں نے ان کو چھپا لیا ہے۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ

ابن سعد اور حاکم نے روایت کی ہے اور بیہقی نے اس کو صحیح کہا ہے اور ابو نعیم نے ایک اور سند سے حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عباد بن بشر اور اسید بن حضیر ایک ضرورت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا اور رات بہت اندھیری تھی یہ دونوں وہاں سے چلے تو دونوں کے ہاتھ میں لاٹھیاں تھیں۔ ایک صاحب کی لاٹھی روشن ہوگئی اور دونوں اس کی روشنی میں چلتے رہے جب راستہ الگ الگ ہوا تو دوسرے صاحب کی لاٹھی بھی روشن ہوگئی اور ہر ایک اپنی لاٹھی کی روشنی میں چلا گیا حتیٰ کہ اپنے گھر پہنچ گیا۔

اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ وسلم کے اصحاب میں سے دو صاحب ایک سخت اندھیری رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے روانہ ہوئے اور ان دونوں کے ساتھ دو چراغوں کی طرف دو چیزیں تھی جو اُن کے آگے آگے روشن تھیں اور جب دونوں الگ الگ ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک ہوگئی حتیٰ کہ وہ اپنے اپنے گھر پہنچ گئے اور یہاں حضرت اسید رضی اللہ عنہ کا ذکر

اس لئے کردیا گیا کہ ان کا اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ایک تھا جیسے کہ پہلے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ذکر میں بھی ایسے ہی ہو چکا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ

آپ کی کرامتوں میں سے بعض وہ ہیں جن کو تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خشک سالی ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو لے گئے کہ اُن کے وسیلہ سے بارش کی دُعا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے دونوں بازو پکڑے اور سامنے کھڑا کیا پھر آسمان کی طرف دیکھا اور دُعا کی کہ اے اللہ! ہم آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ذریعے آپ کا تقرب حاصل کرتے ہیں کیونکہ آپ کا ارشاد ہے اور آپ کا ہر ارشاد حق ہے

اما الجدار فکان لغلا مین یتیمین فی المدینة
وکان تحته کنزلهما وکان ابوهما صالحا.

(اور وہ دیوار تو دو یتیم بچوں کی تھی جو شہر میں ہیں اور اس کے نیچے ان دونوں کا ایک خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک بخت تھا)

تو آپ نے اُن دونوں کی حفاظت اُن کے باپ کی نیک بختی کی وجہ سے فرمائی تھی تو اَے اللہ! اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی حفاظت اُن کے چچا کے بارے میں فرمایئے کیونکہ ہم ان کو آپ کے پاس شفاعت کرانے کے لئے اور آپ سے بخشش چاہنے کیلئے لائے ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ تلاوت فرمایا:

" استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل
السماء علیکم مدرارا سے انهارا تک

(لوگو! اپنے پروردگار سے بخشش مانگو بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے تم پر بارش کو مسلسل برسادے گا اور تم کو اَموال واولاد سے مدد دے گا اور تمہارے لئے نہریں بنادے گا۔)

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ بہت ہی غمگین تھے آنکھوں سے

آنسوؤں کی جھڑی لگ رہی تھی شہادت کی اُنگلی سینے پر گھوم رہی تھی اور یہ کہہ رہے تھے کہ "اے اللہ! آپ نگہبان ہیں بے راہوں کو چھوڑ نہ دیجئے۔ شکستہ حالوں کو ہلاکت کے گھر میں ڈالے نہ رکھئے۔ بچے رو رہے ہیں اور بڑے بوڑھوں پر وقت ہے مصیبت کی شکایت کا غلغلہ ہے اور آپ تو دِل کے بھید اور چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتے ہیں۔ اے اللہ! اپنی خاص مدد سے ان کی مدد فرمائیے۔ یہ لوگ میرے ذریعہ سے آپ کا تقرب حاصل کرتے ہیں کیونکہ آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا تعلق ہے"۔

اس کے بعد بادلوں کے ٹکڑے اُٹھنے لگے تو لوگ (خوشی میں) چلا اُٹھے دیکھتے ہو دیکھتے ہو پھر وہ ٹکڑے آپس میں مل گئے اور برسنے لگے۔ ہوائیں چلنے لگیں پھر بادل گرجا اور رعد پڑنے لگی۔ یہ لوگ وہیں تھے کہ لنگیاں چڑھانے لگے اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں گھسنے لگے۔ لوگوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑا آپ کی چادر کو (برکت کے لئے) چھونے لگے اور کہنے لگے اے حرمین کی آب پاشی کے سبب آپ کو مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے میدانوں کو سبزہ زار اور شہروں کو شاداب اور اپنے بندوں پر رحم فرمادیا۔

ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے ہلاکت کے سال جبکہ بہت سخت قحط پڑا تھا بارش کی دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی اور زمین سرسبز ہوگئی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ ہے اللہ کی طرف وسیلہ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار فرمائے (جن کا ترجمہ درج ذیل ہے)

امام المسلمین نے ایسے وقت دُعا کی کہ خشک سالی مسلسل تھی۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے چہرہ کے طفیل بادل برس پڑا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور اُن کے والد کے حقیقی بھائی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا شرکت غیر اس کے وارث ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے شہروں کو زندہ فرمادیا اور وہ نا اُمیدی کے بعد سرسبز میدان ہوگئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ ابن سعد اور حاکم اور بیہقی نے ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن جحش کو جنگِ اُحد سے ایک دن پہلے یہ کہتے ہوئے سُنا اے اللہ! مَیں آپ کی قسم کے ساتھ دُعا کرتا ہوں کہ مَیں کل دُشمنوں سے بھڑ جاؤں اور وہ مجھے قتل کر دیں پھر میرا پیٹ چیر ڈالیں پھر ناک اور کان کاٹ ڈالیں۔ پھر آپ (قیامت میں) مجھ سے استفسار فرمائیں کہ یہ کیوں ہوا اور مَیں عرض کروں کہ آپ کے راستہ میں'' ۔ پھر جب لڑائی ہوئی تو کفار نے آپ کو قتل کر دیا اور یہ سب کچھ بھی کر ڈالا جس شخص نے اُن سے یہ سُنا تھا اُس نے کہا کہ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کی قسم کے اوّل حصہ کو پورا فرمایا ہے ایسے ہی آخری حصہ کو بھی پورا فرمادیں گے۔

حضرت عبداللہ والد ماجد حضرت جابر رضی اللہ عنہما

آپ کی کرامتوں میں سے ایک وہ ہے جس کو بخاری و مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب جنگِ اُحد میں میرے والد شہید ہو گئے تو میری پھوپھی رونے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو نہ رونا یا یہ فرمایا کہ ان کو کیوں روتی ہو کیونکہ جب تک تم نے جنازہ اُٹھایا فرشتے اُن پر اپنے پروں کا سایہ کیے رہے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں میرے والد کی نعش قبر سے نکالی گئی تھی مَیں ان کے پاس پہنچا تو مَیں نے اُن کو ایسا ہی پایا جیسا چھوڑا تھا کوئی تغیر نہیں ہوا تھا۔ پھر میں نے ان کو دفن کر دیا۔

اور ابن سعد اور بیہقی اور ابو نعیم نے ایک اور سند سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم نے جنگِ اُحد میں اپنے شہیدوں کے متعلق فریاد کی اور یہ اس وقت ہوا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہر جاری کی تھی ہم اُن کے

پاس آئے اور اُن کو نکال لیا تو وہ نرم تھے ان کے اعضاء مُڑ جاتے تھے اور یہ تقریباً چالیس سال بعد ہوا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پیر پر پھاوڑ والگ گیا تو اس میں سے خون نکل پڑا۔ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اور سندوں سے نقل کیا ہے اُن میں سے ایک واقدی کی سند اُن کے اساتذہ سے بھی ہے اُس میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد اس حالت میں پائے گئے کہ آپ کا ہاتھ آپ کے زخم پر رکھا ہوا تھا زخم سے ہٹایا گیا تو زخم میں سے خون پھوٹ پڑا۔ پھر وہیں لوٹا دیا گیا تو بند ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد کو قبر میں دیکھا تو اَیسے تھے کہ گویا سو رہے ہیں اور وہ چادر جس میں انہیں کفن دیا گیا تھا ویسی کی ویسی ہی تھی اور وہ گھاس جو اُن کے پیروں پر تھی بحالہ تھی اور دفن اور اُس وقت کے درمیان چھیالیس (۴۶) سال تھے اور ان حضرات میں سے کسی ایک صاحب کے پیر پر پھاوڑا لگ گیا تو اس میں سے خون پھوٹ پڑا۔

ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد (شہیدوں کی حیات کا) کوئی منکر کیسے انکار کر سکتا ہے"۔ اور لوگ مٹی کھود رہے تھے تو ایک حصہ کھودا تو اس میں مشک کی خوشبو پھوٹی"۔ اور اس کو امام شعرانی نے کتاب "کشف الغمہ" میں کچھ زیادہ مضمون کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مجھے پسند آیا ہے کہ مَیں انہی کی عبارت یہاں نقل کر دوں تا کہ پورا پورا فائدہ حاصل ہو سکے۔ گو اس میں بعض باتیں مکرر بھی ہو جائیں۔

فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیلاب نے میرے والد اور ایک اور مُردے کی قبر جو اُن کے برابر تھی کاٹ دی تو ہم نے ان دونوں کو نکال لیا۔ ہم نے دونوں کو اسی حالت پر پایا جس حالت پر اُحد کے دن قبر میں رکھا تھا اور مَیں نے اپنے والد کو زخم پر ہاتھ رکھے ہوئے دیکھا مَیں نے اُسے اُس کی جگہ سے ہٹایا اور چھوڑ دیا تو وہیں پھر پہنچ گیا جیسے پہلے تھا اور جنگ اُحد اور سیلاب کے قبر کو کاٹنے میں چالیس سال کا زمانہ تھا مَیں نے اپنے والد کے جسم میں سے سوائے داڑھی کے ان چند بالوں

کے جوز مین سے لگ رہے تھے اور کسی چیز میں فرق نہیں دیکھا۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ بعد ایک اور مرتبہ بھی یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ اُنہوں نے اپنے والد کی لاش کو قبر سے نکالا ہے اور یہ اس لئے کہ اُن کے ساتھ ایک اور شخص بھی اُحد کے دن ایک ہی قبر میں دفن کردیا گیا تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے دل کو یہ گوارا نہ ہوا حتیٰ کہ مَیں نے اس کو نکالا اور علیحدہ قبرستان میں دفن کردیا اور حضرات صحابہ میں سے کسی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر انکار نہیں فرمایا اور ایسے ہی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس نہر کے جاری کرنے کا اِرادہ فرمایا جو اُحد میں ہے تو لوگوں نے ان کو لکھا کہ ہم سوائے اس کے اور کسی صورت سے جاری نہیں کرسکتے کہ شہداء کی قبروں پر سے لائیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھ دیا کہ قبریں اُکھاڑ دو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے شہدائے اُحد کو دیکھا ہے اور وہ لوگوں کی گردنوں پر اُٹھائے جارہے تھے کہ گویا وہ سو رہے ہیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر پھاوڑا لگ گیا تو اس میں سے خون چھٹ پڑا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

آپ کی کرامتوں میں سے جیسے کہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے یہ ہے کہ آپ نے اس شیر کو جس نے لوگوں سے راستہ روک رکھا تھا۔ فرمایا ایک طرف ہو جا، تو وہ دُم ہلانے لگا اور چلا گیا یہ تو وہ ہے جس کو مَیں نے حجۃ اللہ علی العالمین میں ذکر کیا ہے۔ پھر علامہ مناوی کی طبقات میں تفصیل سے دیکھا کہتے ہیں کہ ابن عساکر نے آپ کی کرامتوں میں سے یہ روایت کیا ہے کہ آپ ایک سفر میں جارہے تھے کہ ایک شیر کو دیکھا اُس نے لوگوں پر راستہ بند کر رکھا ہے آپ نے اپنی اُونٹنی کو بٹھایا اور اُتر کر اُس کے پاس آئے اُس کا کان اینٹھا اور راستہ سے اُسے ہٹا دیا اور فرمایا کہ مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ اگر آدم علیہ السلام کا بیٹا سوائے اَللہ تعالیٰ کے اور کسی سے نہ ڈرے تو اللہ تعالیٰ اس پر کسی اور کو مسلط نہیں فرماتے اور ایسے ہی رسالہ قشیریہ میں بھی لکھا ہے اس کی

عبارت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے پر وہ مسلط کیا جاتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرے تو کوئی شے اس پر مسلط نہ کی جائے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ جب حجاج نے آپ کو سُولی دے دی تو لوگ آپ میں سے مشک کی خوشبو محسوس کرتے تھے اور اہل شام میں اس کی وجہ سے ایک فتنہ کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کو شیخ علوان حموی نے اپنی کتاب نسمات الاسحار میں بیان کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ

ابن مندہ نے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ مَیں نے مقام غابہ میں سے اپنے مال کا اِرادہ کیا تو مجھے رات ہو گئی۔

مَیں عبداللہ بن عمرو بن حرام کی قبر پر آیا تو قبر میں سے قرآن شریف پڑھنے کی ایسی آواز سُنی کہ اس سے بہتر کبھی نہیں سُنی تھی مَیں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ماجرا عرض کیا تو فرمایا یہ عبداللہ ہی تھے کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان شہیدوں کی روحوں کو قبض فرما کر زبرجد اور یاقوت کی قندیلوں میں داخل کر کے جنت کے وسط میں لٹکا دیا ہے۔ پھر جب رات ہوتی ہے تو اُن کی روحیں ان کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں اور ایسے ہی رہتی ہیں حتیٰ کہ جب صبح طلوع کرتی ہے تو پھر وہ روحیں اپنی اسی جگہ لوٹا دی جاتی ہیں جہاں تھیں۔

فائدہ: امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے اور حاکم نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے سب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک قبر پر خیمہ لگایا اور اُن کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے تو اس میں ایک انسان سورۂ

ملک پڑھ رہا تھا یہاں تک کہ ختم کر لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو عرض کیا۔ فرمایا یہ سورت عذاب کو روکنے والی اور نجات دلانے والی ہے۔

حضرت عبیدۃ رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی رضی اللہ عنہ

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں بیان کیا ہے کہ عبیدہ رضی اللہ عنہ جنگِ بدر میں سب مسلمانوں سے زیادہ عمر کے تھے، لڑائی میں آپ کا پاؤں کاٹ دیا گیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا سر زانوئے مبارک پر رکھ لیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر ابو طالب مجھے دیکھتے تو جان لیتے کہ میں اُن کے اس قول کا ان سے زیادہ حق دار ہوں (اس شعر کا ترجمہ یہ ہے) ''اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اِردگرد پچھاڑے جاتے ہیں اور اپنے بیٹوں اور عورتوں سے غافل ہو جاتے ہیں۔ پھر حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی بدر سے لَوٹے اور مقام صفراء میں وفات پا گئے۔

بیان کیا گیا ہے کہ اس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کے یہاں فروکش ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم مشک کی خوشبو محسوس کرتے ہیں فرمایا کہ مضائقہ ہے یہاں ابو معاویہ (عبیدہ بن حارث) کی قبر ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت یہ شہید ہوئے ان کی عمر تریسٹھ سال تھی اور میانہ قد اور خوش رو انسان تھے۔ اس روایت کو تینوں نے یعنی ابن مندہ اور ابو نعیم اور ابو عمر بن عبدالبر نے بیان کیا ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

آپ کی کرامتوں میں سے ایک وہ ہے جس کو تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب طبقات میں اور دوسرے اور حضرات نے بھی بیان کیا ہے کہ آپ سے ایک شخص ملا جو راہ میں ایک عورت سے ملا اور اُسے گھور چکا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

نے اس سے فرمایا تم میں سے بعض لوگ سوتے ہیں اور ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ ایک شخص بولا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی ہے! فرمایا نہیں بلکہ مؤمن کی فراست ہے (یعنی جس کو حدیث میں فرمایا ہے کہ مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کی اصلاح کے لئے اور ان کو اس حرکت سے جو اُنہوں نے کی تھی روکنے کے لئے اسے ظاہر فرمادیا تھا۔ (ص۶/۸۹، کل ۹ صفحہ ۷ سطر.....ص۱۹/۸۹)

باوردی اور ابن السکن نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منبر پر تھے کہ جہجاہ غفاری آپ کی طرف اُٹھے اور آپ کا عصا لے کر توڑ ڈالا تو ان جہجاہ پر ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ اُن کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے مرض آکلہ ﴿ایک بیماری ہے جس سے وہ عضو ایسا ہو جاتا ہے جیسے کسی نے اُسے کھا لیا ہے۔۱۲ مترجم﴾ بھیج دیا اور اسی سے اُن کا انتقال ہو گیا۔

اور ابن سکن نے فلیح بن سلیمان کی سند سے ان کی پھوپھی کے واسطہ سے اُن کے والد اور چچا سے روایت کی ہے کہ دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے یہاں حاضر تھے کہ جہجاہ غفاری اُٹھے اور آپ کا عصاء ہاتھ سے لیا اور اپنے گھٹنے پر رکھا اور توڑ ڈالا لوگوں نے شور مچادیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے گھٹنے میں کوئی مرض بھیج دیا اور اُن پر ایک سال بھی گزرنے نہ پایا کہ مرگئے۔ یہ کرامتیں تو مَیں نے حجۃ اللہ علی العالمین میں بیان کی ہیں۔ پھر علامہ مناوی کی طبقات میں ابن باطیش کی کتاب اثبات الکرامات سے نقل کیا ہوا دیکھا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت عثمان رضی اللہ عنہ محاصرہ میں تھے مَیں آپ کے سلام کے لئے آیا۔ فرمایا مرحبا اے بھائی مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی گلی میں دیکھا ہے فرماتے ہیں کہ عثمان لوگوں نے تمہارا محاصرہ کر رکھا ہے؟ مَیں نے عرض کیا جی ہاں! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے ایک ڈول لٹکا دیا جس میں پانی تھا مَیں نے پانی پیا اور سیراب ہو گیا۔ پھر

فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہاری امداد کروں اور اگر چاہو تو ہمارے پاس روزہ افطار کرنا"۔ میں نے اسی کو اختیار کرلیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روزہ افطار کروں۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی روز شہید کردیئے گئے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ قصہ مشہور ہے اور کتب حدیث میں سند کے ساتھ روایت ہے اور اسے حارث بن ابی اسامہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مصنف یعنی ابن باطیش نے اس کو بیداری ہی میں دیکھنا قرار دی ہے۔ ورنہ اس کا کرامتوں میں شمار کرنا صحیح نہ ہوتا کیونکہ خواب دیکھنے میں تو سب کے سب برابر ہیں اور پھر وہ خلافِ عادت بھی نہیں ہوتا کہ جسے کرامتوں میں شمار کیا جاسکے اور نہ وہ لوگ جو اولیاء کی کرامتوں کا انکار کرتے ہیں اس کا انکار کرسکتے ہیں۔

حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ

ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان لفظوں میں روایت کی ہے کہ میں علاؤ الدین حضرمی کے ساتھ سفر کو چلا تو اُن سے ایسی ایسی باتیں دیکھیں کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان میں زیادہ عجیب کون سی ہے؟ ہم دریا کے کنارہ پہنچے تو اُنہوں نے فرمایا کہ اللہ کا نام لو اور گھس جاؤ۔ ہم گھس گئے اور عبور کرگئے اور پانی سے صرف ہمارے اُونٹوں کے پاؤں کے نیچے کا حصہ تر ہوا۔ پھر جب لوٹے تو اُن کے ہمراہ ایک خشک میدان میں رہے۔ پانی ساتھ نہ تھا ہم نے شکایت کی تو اُنہوں نے دو رکعتیں پڑھیں اور دُعا کی ایک بادل ڈھال کی طرح آیا اور اُس نے دھانے کھول دیئے ہم لوگوں نے خوب پیا پلایا اور پھر آپ کا انتقال ہوگیا۔ ہم نے وہیں ریت میں دفن کردیا۔ کچھ دُور چلے تھے کہ خیال ہوا کہ کوئی درندہ آئے گا تو ان کو کھا جائے گا۔ لوٹے تو اُن کو وہاں نہ پایا۔

اور ابن سعد نے ان لفظوں سے روایت کی ہے کہ "میں نے ان کو دیکھا ہے کہ دریا کو گھوڑے پر ہی طے کرڈالا اور یہ لفظ ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تو، ریت کے نیچے سے پانی اُبل پڑا لوگ سیراب ہوگئے اور چل دیئے۔ ایک شخص اپنا کچھ

سامان بھول گیا تھا وہ لوٹا تو سامان تو پالیا مگر پانی وہاں نہ تھا اور یہ لفظ ہیں کہ اُن کی وفات ہوگئی تو ہمارے پاس پانی نہ تھا اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیج دیا وہ برسا تو ہم نے اُن کو غسل دے کر دفن کر دیا۔ پھر ہم لوٹ کر آئے تو اُن کی قبر کی جگہ بھی نہ پائی۔

اور بیہقی نے حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مَیں نے اس اُمت میں تین باتیں ایسی پائی ہیں کہ اگر وہ بنی اسرائیل میں ہوتیں تو کوئی اُمت اُن کی شریک وسہیم نہ ہوسکتی۔ ہم نے پوچھا کیا کیا؟ فرمایا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صُفہ ﴿مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک سایہ دار چبوترہ تھا اسے صُفہ مسجد کہتے تھے کیونکہ صُفہ سائبان کو کہتے ہیں وہاں شب بیدار اور غریب صحابہ رہا کرتے تھے﴾ میں تھے کہ ایک عورت ہجرت کر کے آئی۔ ساتھ میں اُس کا ایک بالغ لڑکا بھی تھا کچھ ہی دن ٹھہری تھی کہ اُس کے لڑکے کو مدینہ منورہ میں وباء ﴿نئے نئے آنے والوں کو بخار ہو جاتا تھا۔ ۱۲ مترجم﴾ لگ گئی لڑکا چند روز بیمار رہ کر مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی آنکھیں بند فرما دیں اور تجہیز و تکفین کا حکم فرمایا ہم لوگوں نے غسل دینے کا اِرادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَنس اس کی والدہ کے پاس جاؤ اور اس کو اطلاع کر دو مَیں گیا اور اطلاع کر دی وہ آئی اور اُس کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر اُس نے اُس کے دونوں پاؤں پکڑ کر دُعا کی کہ اے اللہ! میں آپ کے لئے بخوشی اسلام لائی ہوں اور بتوں کو نفرت کر کے چھوڑ آئی ہوں اور اپنی رغبت سے آپ کی طرف ہجرت کر آئی ہوں اے اللہ! آپ میری مصیبت سے بُتوں کے پوجنے والوں کو خوش نہ فرمایئے اور مجھ پر اس مصیبت کا اتنا بار نہ ڈالئے جس کی برداشت کی مجھ میں طاقت نہیں۔ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم اس کی بات ابھی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ لڑکے نے پیر ہلائے اور چہرہ سے کپڑا ہٹا دیا اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک زندہ رہا اور یہاں تک کہ اُس کی ماں بھی مر گئی۔

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر

روانہ فرمایا اور اس پر علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا ان غازیوں میں مَیں بھی تھا۔ ہم مواقع جنگ پر پہنچے تو دشمن کو دیکھا کہ ہمارے لئے منتیں مان رکھی ہیں اور پانی کے نشانات تک مٹا رکھے ہیں گرمی بہت زیادہ سخت تھی ہم کو اور ہمارے جانوروں کو پیاس کی بہت شدت ہوئی جب زوال آفتاب ہوگیا تو حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں پڑھیں اور دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے ہم لوگ آسمان میں (اَبر وغیرہ) کچھ بھی نہیں دیکھتے تھے پھر اللہ کی قسم اُنہوں نے ہاتھ نہیں گرائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بھیجا اور وہ بادلوں کو اُٹھا لائی۔ اور خوب بارش ہوئی یہاں تک کہ جھیلیں اور گھاٹیاں بھر گئیں ہم نے خوب پیا پلایا اور جانوروں کو دیا۔ پھر (جب دریا پر پہنچے تو) فرمایا اللہ کا نام لے کر دریا سے گزر جاؤ ہم گزر گئے اور پانی سے ہماری سواریوں کے سم تھوڑے تر ہوئے اور بس پھر آپ کا انتقال ہوگیا اور ہم لوگوں نے آپ کو دفن کردیا دفن سے فارغ ہونے کے بعد ایک شخص آیا اور اُس نے کہا کہ یہ کون صاحب تھے ہم نے جواب دیا کہ سب انسانوں سے افضل ابن الحضرمی تھے اس نے کہا کہ یہ زمین مُردوں کو نکال پھینکتی ہے (یعنی نرم ہے درندے سہولت سے لاش نکال لیتے ہیں) کیا اچھا ہوا گر تم ان کو میل دو میل فاصلہ پر ایسے مقام پر منتقل کردو جو مُردوں کو قبول کرتا ہو تو ہم نے آپس میں کہا کہ ہمارے ان ساتھی کی یہ کون سی سزا ہے کہ ہم ان کو درندوں کو دے دیں کہ وہ انہیں کھا جائیں سب نے اس پر اتفاق کیا اور قبر پر پہنچے تو دیکھا کہ یہ ہمارے دوست تو وہاں ہیں نہیں اور قبر حدِ نظر تک نور سے چمک رہی ہے ہم نے مٹی قبر پر لوٹا دی اور چلے گئے۔ مَیں نے حضرت علاء الحضرمی کا یہ قصہ ابوالفرج الاصبہانی کی کتاب اغانی میں ایسا مبسوط و مفصل دیکھا کہ جس میں ہر پہلو سے شفاء ہو جاتی ہے پسند آیا کہ مَیں ان کی روایت کو نقل کردوں۔

علامہ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے چودھویں جلد میں لکھا ہے کہ مجھ سے محمد بن حریر نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ مجھ سے سری بن یحییٰ نے شعیب بن ابراہیم سے اور انہوں نے سیف بن عمر سے اور انہوں نے صقب بن عطیہ بن بلال سے اور انہوں نے سہم بن

منجاب سے اور انہوں نے منجاب بن راشد سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علاء الحضرمی رضی اللہ عنہ کو مرتدین سے لڑنے کے واسطے بحرین بھیجا اور مسلمانوں میں سے جو مرتد نہیں ہوئے تھے اُن کے ساتھ ہو لئے آپ ہم کو دھناء شہر لے گئے جب ہم لوگ اس کے درمیان میں پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ کا اِرادہ ہوا کہ ہم لوگوں کو اپنی کوئی آیت دکھلا دیں کہ حضرت علاء فروکش ہوئے اور لوگوں کو بھی قیام کا حکم دے دیا تو آدھی رات کو سب اُونٹ بھاگ گئے۔ ایک بھی باقی نہ رہا نہ کھانے پینے کا کوئی سامان رہا نہ برتن نہ خیمے اور ابھی خیمے لگائے نہ تھے مَیں نے کبھی کوئی جماعت ایسی نہیں دیکھی جس پر اس قدر غم ٹوٹ پڑا ہو جس قدر ہم لوگوں پر تھا ہم میں سے ایک نے دوسرے کو وصیت کرنا شروع کر دی اس درمیان میں حضرت علاء حضرمی کی جانب سے ایک منادی نے ندا دی کہ سب جمع ہو جاؤ ہم سب جمع ہو گئے تو فرمایا یہ کیا ہراس ہے جو تم لوگوں میں ظاہر ہو رہا ہے اور تم پر غالب آیا جا رہا ہے لوگوں نے عرض کیا ہم پر کیا ملامت ہو سکتی ہے جبکہ ہم لوگ ایسی حالت میں ہیں کہ اگر ہم پر کل کا دن آیا تو آفتاب گرم نہ ہونے پائے گا کہ ہم سب بات ہی بات کے درجہ میں رہ جائیں گے (یعنی مر چکیں گے) فرمایا لوگو ڈرو مت کیا تم مسلمان نہیں ہو کیا تم اللہ کی راہ میں نہیں ہو؟ کیا تم اللہ کے دین کی مدد کے لئے نہیں آئے ہو؟ سب نے عرض کیا کہ ہاں ہاں ضرور ضرور فرمایا تو تم بشارت حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو رُسوا نہیں فرماتے جو تم جیسی حالت میں ہوتا ہے۔ جب فجر طلوع ہوئی مؤذن نے صبح کی نماز کی اذان دی۔ حضرت علاء نے نماز پڑھائی اور ہم لوگوں میں بعض تو تیمم کئے ہوئے تھے اور بعض وہ بھی تھے جو رات کے وضو پر تھے۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور ہم سب بھی اُن کے ساتھ ایسے ہی بیٹھ گئے وہ بہت رنج و غم میں دُعا کرنے لگے اور سب لوگ بھی بے قراری سے دُعا کرنے لگے تو ایک سراب ﴿وہ ریت یا ذرّات جو دُور سے دُھوپ میں پانی معلوم ہوتے ہوں۔ ۱۲ مترجم﴾ چمکتا معلوم ہوا پھر وہ دُعا میں منہمک ہو گئے۔ پھر اور سراب چمکتا

معلوم ہوا۔ وکیل رسد نے کہا کہ یہ پانی ہے تو آپ اُٹھے اور سب لوگ ساتھ اُٹھے اس کی طرف چلے اور پانی پر جا اُترے۔ سب نے پانی پیا اور غسل کیا ابھی دن نہیں چڑھا تھا کہ سب کے سب اُونٹ بھی ہر طرف سے آ گئے اور ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ ہر ایک اپنی اپنی سواری کے پاس گیا اور اُسے پکڑ لیا اور ایک دھاگہ تک غائب نہ ہوا تھا۔ دوبارہ خوب کھایا پیا خوب سیراب ہوئے اور پھر چل کھڑے ہوئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میرے اُونٹ پر کے ساتھی تھے جب اس جگہ سے دُور نکل گئے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اس پانی کی جگہ کو کتنا جانتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ مَیں سب لوگوں سے زیادہ ان شہروں سے واقف ہوں فرمایا میرے ساتھ لوٹ چلو اور مجھے وہاں لے جا کر کھڑا کر دو۔ مَیں ساتھ لوٹا اور خاص اسی جگہ لے جا کر اُونٹ بٹھا دیا۔ مگر اس جگہ نہ وہ جھیل تھی نہ پانی کا اثر۔ میں نے عرض کیا اللہ کی قسم اگر مَیں جھیل کو دیکھے ہوئے نہ ہوتا تو آپ سے کہتا کہ یہ وہی جگہ ہے اور مَیں نے اس جگہ اس مرتبہ سے پہلے کبھی پانی نہیں دیکھا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نظر کی تو لوٹا پانی سے بھرا ہوا موجود ہے۔ فرمایا اے میرے ساتھی اللہ کی قسم! یہ وہی جگہ ہے اسی کے واسطے مَیں لوٹا اور تم کو لوٹا کر لایا تھا۔ مَیں نے اپنا یہ لوٹا بھر لیا ہے اور اس کو گھاٹی کے کنارہ پر رکھ دیا۔ مَیں نے سوچا تھا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک احسان اور خلافِ عادت و معمول بات ہو گی تو مَیں اسے پہچان لوں گا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا۔ پھر ہم روانہ ہو گئے اور ہجر پہنچے۔

آگے راوی نے جنگ اور کافروں کے مقابلہ میں امداد پہنچنے کا ذکر کیا ہے۔ پھر یہ بیان کیا ہے کہ شکست خوردہ لوگ دارین کو بھاگ گئے تو ان حضرات نے دارین کی طرف کشتیوں کے لنگر اُٹھا دیئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کو مقابل کر دیا۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے سب کو بلایا اور یہ تقریر فرمائی کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ نے تم لوگوں کے واسطے شیطانی جماعتوں اور متفرق لڑائیوں کو آج کے دن جمع کر دیا ہے اور تم لوگوں کو

خشکی میں اپنی آیات دکھادی ہیں تاکہ تم دریا میں اُن سے عبرت حاصل کرو تو تم دشمن کی طرف اُٹھ کھڑے ہو اور دریا کے پاس اُن کی طرف پہنچو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو تمہارے ہی واسطے وہاں جمع کردیا ہے۔ سب نے کہا کہ ہم ایسا ہی کریں گے اور جب تک ہم زندہ رہیں گے دھناء کے واقعہ کے بعد ہرگز ان سے مرعوب نہ ہوں گے۔ آپ اور سب کے سب روانہ ہوئے اور دریا کے ساحل پر پہنچ گئے اور گھوڑوں پر ہی دریا میں گھس گئے۔ باربردار جانور اُونٹ، خچر اور سوار و پیدل سب ہی گھس پڑے۔

حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے بھی دُعا کی اور سب نے بھی دُعا کی، دُعا یہ تھی:

اے سب رحیموں سے زیادہ رحیم اے کریم اے بُردبار! اے بے نیاز! اے حی و قیوم، اے زندہ اور اے مُردوں کے زندہ کرنے والے، اے ہمارے پروردگار! تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس خلیج سے عبور کر گئے ایسے چلتے تھے جیسے کسی ایسے نرم ریت پر چلتے ہوں جس پر پانی کا اثر ہو اور اُونٹوں کے پاؤں دھنسے جاتے ہوں ساحل اور دارین کے درمیان اس دریا کی کشتیوں کا ایک دن رات کا راستہ تھا مسلمان وہاں جا پہنچے اور مشرکین میں سے کسی ایسے کو بھی نہیں چھوڑا جو خبر پہنچا سکے بچوں کو گرفتار کرلیا اور جانور اور مال لے آئے اس جنگ میں مسلمانوں میں فی سوار چھ چھ ہزار اور فی پیدل دو دو ہزار غنیمت میں ملے۔

جب جنگ سے فارغ ہوگئے تو جس طرح گئے تھے اسی طرح لوٹ آئے۔ عفیف شاعر اسی کو کہتا ہے۔ "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے دریا کو مسخر کردیا اور کافروں پر ایک بڑی مصیبت نازل فرمائی۔ ہم نے اُس ذات سے دُعا کی جس نے دریاؤں کو شق کرڈالا ہے تو ہمارے لئے وہ بات فرمایئے جو پہلے کے دریاؤں کے شق ہونے سے بھی عجیب ہے۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ سوائے اُن چند کے جنہوں نے وہاں قیام پسند کیا اور لوگوں کو لے کر واپس ہوگئے۔

ہجر میں ایک راہب تھا جو مسلمان ہوگیا تھا اُس سے سوال کیا گیا کہ کون سی

بات تمہارے لئے اسلام کی داعی ہوئی اُس نے کہا تین باتیں کہ جن کے بعد مجھے یہ خوف ہوگیا کہ اگر مَیں نے ایسا نہ کیا تو مَیں جانور بنا دیا جاؤں گا۔ ریت میں پانی کا بہہ پڑنا اور دریا کے درمیان کا فرش بن جانا اور ان کی وہ دُعا جس کو مَیں نے صبح صبح ہوا میں سُنا تھا۔ کہا گیا وہ دُعا کیا تھی تو اُس نے بیان کی کہ یہ تھی:

''اے اللہ! آپ رحمٰن ورحیم ہیں آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ موجد ہیں آپ سے پہلے کچھ نہیں آپ ہمیشہ سے ہیں آپ غافل نہیں ہیں آپ وہ زندہ ہیں جن کے لئے موت نہیں ہر اُس چیز کے خالق ہیں جو دیکھی جاسکتی ہے اور جو نہیں دیکھی جاسکتی ہر روز آپ عجیب شان میں ہیں اور اے اللہ! آپ ہر شئے کو بغیر کسی کے بتائے جانتے ہیں۔''

تو مَیں نے یقین کرلیا کہ قوم فرشتوں سے اسی وقت امداد دی گئی ہے جبکہ یہ اُس کے حکم پر ہے۔ حضرات صحابہ بہت بعد تک اُس ہجر والے سے یہ دُعا سُنا کرتے تھے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

آپ کی کراماتوں میں سے وہ ہے جس کو بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے قبرستان میں داخل ہوئے تو آپ نے با آواز فرمایا اے قبروں والو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ یا تو تم ہم کو اپنی خبریں بتاؤ یا ہم تم کو بتائیں۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے یہ آواز سُنی اے امیر المؤمنین وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ آپ ہم کو بتایئے ہمارے بعد کیا کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا تمہاری بیویوں نے نکاح کرلئے تمہارے مال تقسیم کرلئے گئے۔ تمہاری اولاد یتیموں کے زمرہ میں شمار کرلی گئی اور وہ مکانات جن کو تم نے بنایا تھا اُن میں تمہارے دشمن رہنے لگے یہ تو ہمارے پاس کی خبریں ہیں تمہارے پاس کیا کیا خبریں ہیں۔ ایک مُردے نے جواب دیا ہمارے کفن پھٹ چکے ہیں بال بکھر گئے ہیں۔ کھالیں پراگندہ ہوچکی ہیں۔ آنکھیں رخساروں پر بہہ پڑی ہیں ناک کے نتھنے راد اور پیپ سے بہہ رہے ہیں جو کچھ کیا تھا

وہ پالیا جو چھوڑ دیا تھا اُس کا خسارہ اُٹھایا اور اب ہم رہن ہیں۔

تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے دونوں صاحبزادوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے رات کے وسط میں ایک کہنے والے کو یہ اشعار کہتے سُنا۔

''اے وہ ذات جو بے قرار کی فریاد اندھیروں میں سُنتی ہے اور اے ضرر و مصیبت اور بیماری کے دُور کرنے والے آپ کے یہاں کے آنے والے بیت اللہ کے چاروں طرف سو گئے اور اُٹھ گئے اور آپ حی و قیوم ہیں آپ نہیں سوتے مجھے اپنی سخاوت کے طفیل میری لغزش کی معافی عطا فرمایئے اے وہ ذات کہ حرم میں اُسی سے ساری مخلوق کی آرزو ہے۔ اگر ایک خطا کار آپ کی ہی معافی کی اُمید نہیں کرے گا تو گناہگاروں پر نعمتوں کی سخاوت کون کرے گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں میں سے ایک کو فرمایا تحقیق کرو یہ کون ہے؟ انہوں نے اُس سے کہا امیر المؤمنین کے پاس چلو۔ وہ اپنے ایک پہلو کو ڈھلکائے ہوئے آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہاری گفتگو سُنی ہے تمہارا قصہ کیا ہے اُس نے عرض کیا کہ میں وہ شخص ہوں جو عیش و طرب اور گناہوں میں مشغول رہتا تھا میرے والد مجھے نصیحت کیا کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفتیں بھی ہوا کرتی ہیں۔ اور سزائیں بھی اور وہ ظلم والوں سے دُور نہیں ہیں۔ جب اُنہوں نے نصیحت میں بہت زیادتی کی تو میں اُن کو مار بیٹھا۔ اُنہوں نے قسم کھالی کہ وہ میرے لئے ضرور بددُعا کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کے لئے مکہ مکرمہ جائیں گے۔ پھر انہوں نے ایسا کر بھی لیا۔ ابھی دُعا ختم بھی نہ کی تھی کہ میرا داہنا پہلو خشک ہو گیا۔ میں اپنے کردار پر نادم ہوا۔ منت و خوشامد کی اور ان کو راضی کر لیا۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے اِس کی ذمہ داری لے لی کہ وہ میرے لئے وہیں دُعا کریں گے جہاں بددُعا کی تھی۔ میں نے اُن کی اُونٹنی آگے کی اور اُن کو اس پر سوار کر دیا مگر وہ اُونٹنی بدک گئی اور ان کو دو پتھروں کے

درمیان پھینک دیا اور وہ مر گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تمہارے والد تم سے خوش ہو چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی تم سے خوش ہو گئے۔ اُس نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم میرے والد مجھ سے خوش ہو چکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُٹھے چند رکعتیں پڑھیں اور حق تعالیٰ شانہٗ سے آہستہ آہستہ دُعائیں کیں۔ پھر فرمایا اے مبارک اُٹھو وہ اُٹھے اور چلے اور جیسے پہلے تھے ویسے ہی تندرست ہو گئے۔ پھر فرمایا اگر تم یہ قسم نہ کھا لیتے کہ تمہارے والد تم سے راضی ہو چکے ہیں تو مَیں تمہارے واسطے دُعا نہ کرتا۔

امام فخر الدین رازیؒ نے چند کراماتِ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کو مَیں یہاں ذکر کر چکا ہوں بیان کر کے یہ کہا ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ آپ سے ایک تعلق رکھنے والے شخص نے چوری کی یہ ایک حبشی غلام تھا اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اس سے پوچھا تم نے چوری کی ہے اُس نے اقرار کیا کہ جی ہاں! آپ نے اُس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ پھر اس سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابن الکواء ملے تو ابن الکواء نے اس سے پوچھا تیرا ہاتھ کس نے کاٹا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین، سردار المسلمین، دامادِ رسول شوہر بتول (رضی اللہ عنہ) نے، اُنہوں نے کہا انہوں نے تو تیرا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے اور تو اُن کی تعریف کر رہا ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ مَیں کیوں آپ کی تعریف نہ کروں حالانکہ آپ نے میرا ہاتھ حق سے کاٹا ہے اور مجھے دوزخ سے بچا لیا ہے۔ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ نے یہ سُنا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کر دیا آپ نے اُس حبشی کو بلایا اور اُس کا ہاتھ اُس کے پہنچے پر رکھ کر رومال سے ڈھانپ دیا اور دُعائیں فرمائیں۔ ہم نے آسمان سے ایک آواز سُنی کہ چادر کو ہاتھ پر سے اُٹھا لو۔ ہم لوگوں نے اُس کے ہاتھ پر سے چادر اُٹھائی تو اس کا ہاتھ حق تعالیٰ کے فضل اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برکت سے اچھا ہو چکا تھا اُسامۃ بن المنقذ نے کتاب الاعتبار میں بیان کیا ہے کہ مجھے شیخ اجل شہاب الدین ابوالفتح مظفر بن سعد بن مسعود بن بختکین بن سبکتگین معز الدولہ بن بویہ کے غلام

نے موصل میں ۱۸ر رمضان المبارک ۵۶۵ھ کو یہ بتایا ہے کہ المقتفی بامر اللہ خلیفۃ المسلمین نے مسجد ضد دریاء کی زیارت کی جو فرات کی غربی جانب انبار کے باہر واقع ہے اور ان کے ساتھ ان کے وزیر بھی تھے اور مَیں بھی حاضر تھا خلیفہ مسجد میں داخل ہوئے اور یہ مسجد امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی مسجد مشہور ہے آپ پر دمیاطی لباس تھا۔ تلوار لٹکائے ہوئے تھے جس کی زیب و زینت لوہے سے ہی تھی سوائے اس کے کہ جو پہچانتا تھا اور کوئی یہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ یہ خلیفۃ المسلمین ہیں مسجد کا محافظ وزیر کو دُعائیں دینے لگا تو وزیر نے کہا تجھ پر افسوس ہے خلیفۃ المسلمین کو دُعائیں دے۔ خلیفہ نے فرمایا اس سے ایسی بات پوچھو جو کچھ نفع دے اس سے پوچھو کہ اس کے چہرہ میں جو مرض تھا وہ کیا ہوا کیونکہ مَیں نے اس کو اپنے آقا مستظہر باللہ کے زمانہ میں دیکھا تھا تو اس کے چہرہ میں کچھ بیماری تھی اور مُنہ پر ایک بہت بڑی رسولی تھا جس نے چہرہ کے اکثر حصہ کو گھیر رکھا تھا۔ جب کھانا کھانا چاہتا تھا اس کو رومال سے باندھ لیتا تھا تا کہ کھانا منہ تک پہنچ سکے۔

محافظ مسجد نے عرض کیا کہ مَیں ایسا ہی تھا جیسا آپ کو معلوم ہے مَیں انبار سے اس مسجد میں آیا کرتا تھا ایک شخص مجھ سے ملا اور کہا کہ تم جیسے اس مسجد میں آمد و رفت رکھتے ہو اگر ایسے فلاں صاحب کے پاس یعنی رئیس انبار کے پاس آمد و رفت کرتے تو وہ تمہارے واسطے کوئی طبیب بلا دیتا جو تمہارے چہرہ سے اس مرض کو دُور کر دیتا۔ اس کے اس کہنے سے میرے دل پر ایک خیال غالب ہو گیا اور میں تنگ دل ہونے لگا۔ اس رات جو مَیں سویا خواب میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو دیکھا آپ مسجد میں ہیں اور مسجد میں ایک گڑھا سا تھا اسے فرما رہے ہیں یہ گڑھا کیا ہے؟ میں نے آپ سے اپنی تکلیف کی شکایت کی تو آپ نے منہ پھیر لیا۔

مَیں نے پھر عرض کیا اور جو کچھ اس شخص نے کہا تھا اس کی شکایت پیش کی تو فرمایا تم ان لوگوں میں سے ہو جو دنیا ہی کی بھلائی چاہتے ہو مَیں بیدار ہوا تو رسولی میرے برابر پڑی ہوئی تھی اور جو شکایت تھی جاتی رہی۔

مقتفی باللہ نے فرمایا اُس نے صحیح کہا ہے پھر مجھ سے کہا کہ تم اس سے باتیں کرو اور دیکھو یہ کیا چاہتا ہے؟ اور اس کو اس کا ایک فرمان لکھ دو اور میرے پاس لاؤ کہ مَیں اس پر دستخط کر دوں۔ وزیر نے اس سے باتیں کیں تو اُس نے کہا مَیں ضرورت مند عیال دار ہوں اور کئی میری لڑکیاں ہیں ہر مہینہ تین دینار (تقریباً ساڑھے سات روپے) چاہتا ہوں مَیں نے اُس کی طرف سے ایک درخواست لکھی جس کی پیشانی یہ تھی خادم محافظ مسجد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نے جو کچھ اس نے مانگا تھا اس کا فرمان لکھ دیا اور مجھ سے فرمایا جاؤ اس کو رجسٹر میں لکھو مَیں چلا گیا مَیں نے اس میں سوائے اس کے کہ اس کے لئے فرمان جاری کر دیا جائے اور کچھ نہ پڑھا تھا اور معمول یہ تھا کہ صاحب درخواست کے واسطے فرمان لکھ دیا جاتا تھا اور جس قدر خلیفۃ المسلمین کا لکھا ہوا ہوتا تھا وہ نقل کیا جاتا تھا جب کاتب نے اسے نقل کے واسطے کھولا تو اس میں محافظ مسجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نیچے خلیفہ ہی کے قلم سے امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ لکھا ہوا تھا اور اگر وہ شخص اس سے زیادہ طلب کرتا تو خلیفہ اس کا فرمان جاری کر دیتا۔

صبان نے اسعاف الراغبین میں بیان کیا ہے کہ مُلّاں صاحب نے اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ علی رضی اللہ عنہ کو آواز دے لیں تو اُنہوں نے دیکھا کہ آپ کے گھر میں چکی چل رہی ہے اور پاس کوئی نہیں ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی للہ علیہ وسلم سے اس کو عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ابوذر کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں وہ آلِ محمد کی امداد کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ جنت البقیع تشریف لے گئے اور فرمایا السلام علیکم یا اھل القبور! جو خبریں ہمارے پاس ہیں وہ یہ ہیں کہ

تمہاری بیویوں نے نکاح کر لئے ہیں تمہارے مکانوں میں سکونت ہو رہی ہے تمہارے اموال متفرق ہو چکے ہیں۔ ایک غیب سے آواز دینے والے نے جواب دیا اے عمر بن الخطاب ہمارے پاس کی خبریں یہ ہیں کہ جو جو کچھ ہم نے کیا تھا وہ پالیا اور جو خرچ کیا تھا اس کا نفع اُٹھالیا اور جو چھوڑ دیا تھا اُس کا خسارہ پالیا۔ ﴿مدینہ منورہ کا قبرستان ۱۲ مترجم﴾

ابن عساکر نے یحییٰ بن ایوب خزاعی سے روایت کی ہے کہ میں نے سُنا ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک نوجوان کی قبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے فلاں و لمن خاف مقام ربّه جنتان (اور اس شخص کے واسطے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے دو جنتیں ہیں) نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا اے عمر رضی اللہ عنہ! میرے پروردگار نے جنت میں وہ دونوں عطاء فرمائی ہیں۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والی کرامتوں میں سے ایک وہ ہے جس کو ان کے باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم سے پہلے لوگوں میں کچھ آدمی محدث ﴿وہ شخص جس کا ہر گمان صحیح ہی ہوتا ہو۔ ۱۲ مترجم﴾ ہوئے ہیں اگر میری اُمت میں کوئی ہو تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور ساریہ بن زنیم الخلجی رضی اللہ عنہ کا قصہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے ایک لشکر پر امیر مقرر فرمایا اور اس لشکر کو فارس کے شہروں پر روانہ کیا۔ نہاوند شہر کے دروازہ پر لشکر کی حالت بہت سخت ہوگئی۔ لشکر شہر کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اور دشمنوں کی جماعتیں بہت تھیں۔ قریب تھا کہ مسلمان شکست کھا جائیں۔ اِدھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں تھے۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے خطبہ پڑھا اور اثناءِ خطبہ میں بہت زور کی آواز سے للکار کر فرمایا: ''اے ساریہ پہاڑ کو دیکھو جو شخص بھیڑیئے کو بکریوں کا نگہبان بناتا ہے وہ ظلم کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے نہاوند کے دروازہ پر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کو سب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنوا دی سب یہ کہہ کر کہ یہ امیر المؤمنین کی آواز ہے

پہاڑ کی طرف چل کھڑے ہوئے تو سب نے نجات پائی اور انہیں امداد پہنچ گئی۔
یہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کا خلاصہ ہے۔ پھر یہ بیان کیا ہے کہ مَیں نے شیخ امام والد صاحب یعنی اپنے والد تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے وہ اس میں اتنا زیادہ بیان فرماتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہاں موجود تھے آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ امیر المؤمنین کیا کہہ رہے ہیں؟ اور ساریہ ہم سے اس وقت کس قدر فاصلہ پر ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رہنے دو وہ جس بات میں دخل دیتے ہیں پورا کر آتے ہیں پھر اخیر میں سب حال کھل گیا۔
تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کرامت کے ظاہر فرمانے کا قصد نہیں کیا۔ بلکہ ان کو کشف ہوا اور ان سب لوگوں کو اپنے سامنے ایسے دیکھ لیا جیسے کہ کوئی حقیقۃً اُن میں موجود اور مدینہ منورہ میں کی اپنی مجلس سے غائب ہو تو ان کے حواس (اس طرف سے ہٹ کر) اس مصیبت میں جو نہاوند میں مسلمانوں پر آپڑی تھی بالکل منہمک ہو گئے تھے اس لئے ان کے امیر کو اس طرح خطاب کیا جیسے خود ساتھ ہوں کیونکہ آپ حقیقت میں یا مثل حقیقت میں ان کے ساتھ ہی ہو گئے تھے اور معلوم کر لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی باتیں جو اپنے اولیاء کی زبان سے نکلوا دیتے ہیں احتمال ہے کہ ان کو احساس ہوتا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ احساس نہ ہوتا ہو۔ دونوں حالتوں میں یہ کرامت ہی ہے۔
اور آپ کی کرامتوں میں سے زلزلہ کا قصہ بھی ہے۔ امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الشامل'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں زمین میں زلزلہ آیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی۔ زمین پر جو کہ کانپ رہی تھی لرز رہی تھی دُرّہ سے مارا اور فرمایا ٹھہر جا کیا مَیں نے تیرے اُوپر انصاف نہیں کیا تو زمین اسی وقت ٹھہر گئی اور یہ بھی بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حقیقت میں ظاہر اور باطن دونوں میں امیر المؤمنین اور زمین و ساکنین زمین کے لئے اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے اس

لئے خود زمین کو بھی ان باتوں پر جو اس سے سرزد ہوتی تھیں ایسے ہی سزا دیتے اور ٹھیک بناتے تھے جیسے زمین پر رہنے والوں کو ان کی خطاؤں پر سزا دیا کرتے تھے۔

اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ زلزلہ کے قصہ کے قریب ہی قریب دریائے نیل کا بھی قصہ ہے اور وہ یہ ہے کہ دریائے نیل زمانۂ جاہلیت میں اس وقت تک نہیں چلتا تھا جب تک اس میں ہر سال ایک کنواری لڑکی نہ ڈال دی جائے۔ جب اسلام کا دور ہوا اور نیل کے جاری ہونے کا وقت آیا تو نیل جاری نہ ہوا۔ اہلِ مصر حضرت عَمرو بن العاص کے پاس آئے اور عرض کیا کہ دریائے نیل کا ایک خاص معمول ہے یہ اس وقت تک جاری نہیں ہوتا جب تک اس میں ایک ایسی لڑکی جو ماں باپ دونوں کے اعتبار سے جیٹھی ہو بہتر سے بہتر لباس پہنا کر اس میں نہ ڈال دی جائے حضرت عَمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ایسا اب نہیں ہوسکتا۔ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ اسلام پہلے رواجات کو مٹا رہا ہے۔ لوگ تین ماہ تک انتظار کرتے رہے مگر نیل جاری نہ ہوا نہ تھوڑا نہ بہت آخر لوگوں نے لڑکی کے لے جانے کا اِرادہ کرلیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ لکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ آپ نے ٹھیک کیا ہے بے شک اسلام پہلے رواجوں کو مٹا رہا ہے مَیں آپ کے پاس ایک پرچہ بھیج رہا ہوں اس کو دریائے نیل میں ڈال دیجئے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پرچہ کو دریا میں ڈالنے سے پہلے کھولا تو اس میں یہ لکھا تھا "امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے مصر کے دریائے نیل کی طرف۔ اما بعد اگر تو اپنی جانب سے جاری ہوتا تھا تو جاری مت ہو اور اگر تجھ کو اللہ واحد قہار ہی جاری کرتا ہے تو ہم اللہ واحد قہار سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری فرما دے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یوم الصلیب سے ایک دن پہلے وہ پرچہ دریائے نیل میں ڈال دیا۔ مصر کے لوگ لڑکی کے لے جانے اور شہر سے نکلنے کی تیاری کر چکے تھے۔ صبح ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سولہ ہاتھ پانی کے ساتھ رات ہی رات میں جاری فرما دیا تھا۔

اور بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف ایک لشکر بھیجنا چاہا تو آپ کی خدمت میں ایک دستہ فوج پیش کیا گیا۔ آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیرلیا پھر دوبارہ پیش کیا گیا تو پھر منہ پھیرلیا پھر تیسری بار پیش کیا گیا تو پھر منہ پھیرلیا آخرکار معلوم یہ ہوا کہ اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل بھی تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت میں ہے کہ مَیں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی چیز کے بارے میں یہ کہتے نہیں سُنا کہ مَیں ایسا گمان کرتا ہوں مگر وہ ویسے ہی ہوگئی ہے جیسے وہ گمان کرتے تھے اس کو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ریاض الصالحین میں بیان کیا ہے۔ یہ تو وہ کرامتیں تھیں جن کو مَیں نے کتاب حجۃ اللہ علی العالمین میں بیان کیا ہے۔ پھر مَیں نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ اور دریائے نیل کے قصوں کو جو مشہور ہیں علامہ مناوی کی کتاب طبقات کبریٰ میں بھی دیکھا ہے اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامتوں میں یہ بھی دیکھا ہے کہ جب آپ سے کوئی شخص کوئی بات بیان کرتا تو آپ جھوٹی بات کو جھٹلا دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ نہ کہو پھر وہ کہتا تو آپ پھر فرماتے کہ یہ نہ کہو۔ آخر وہ کہہ دیتا کہ مَیں نے جو کچھ آپ سے عرض کیا ہے وہ سب صحیح ہے سوائے اس کے جس کو آپ نے یہ فرمایا کہ یہ نہ کہو۔

اور آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک شخص سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے عرض کیا جمرہ (انگارا) فرمایا تیرا باپ کون ہے؟ اُس نے عرض کیا میں شہاب کا بیٹا ہوں۔ فرمایا کس قبیلہ سے ہو؟ عرض کیا حرقہ (سوزش) میں سے۔ فرمایا وطن کیا ہے؟ عرض کیا حرہ (حرارت والا) فرمایا کون سا محلّہ؟ عرض کیا ذات نظی (شعلہ والا) فرمایا جلد گھر والوں کے پاس پہنچو کہ وہ سب کے سب جل گئے ہیں، اور ایسا ہی ہوا تھا۔

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں سورۂ کہف کے تحت میں بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مدینہ منورہ کے کچھ گھروں میں آگ لگ گئی تو آپ نے ایک کپڑے پر یہ لکھا کہ ''اے آگ اللہ کے حکم سے ساکن ہوجا''۔ لوگوں نے اس کو آگ میں ڈال دیا

تو آگ فوراً بجھ گئی۔ اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ روایت ہے کہ شاہِ روم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیجا۔ قاصد نے آپ کا مکان تلاش کیا اور گمان یہ کیا کہ آپ کا مکان بھی ایسا ہی ہوگا جیسے بادشاہوں کے محل ہوتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ ان کا مکان ایسا نہیں بلکہ وہ جنگل میں ہیں کچی اینٹیں پاتھ رہے ہیں۔ جب وہ جنگل پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا دُرّہ سر کے نیچے رکھے مٹی پر سو رہے تھے۔ قاصد کو بہت تعجب ہوا اور کہنے لگا کہ تمام مشرق و مغرب کے لوگ اس شخص سے تھراتے ہیں اور یہ اس حال میں ہے۔ پھر اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ مَیں نے ان کو تنہا پا لیا ہے لاؤ قتل ہی کر ڈالوں۔ تلوار اُٹھائی تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں سے دو شیر نمودار کر دیئے اور وہ اس کی طرف چلے، یہ ڈرا اور تلوار ہاتھ سے ڈال دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے اور کچھ نہ دیکھا۔ اس شخص سے حال پوچھا تو اُس نے پورا واقعہ عرض کیا اور مسلمان ہو گیا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کرامت کے ساتھ کچھ اور کرامتیں بھی لکھی ہیں جن کو مَیں بیان کر چکا ہوں اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ یہ واقعات خبر واحد سے روایت ہیں مگر اس مقام پر بعض وہ بھی ہیں جو تواتر سے معلوم ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باوجود اس کے آپ دنیا کی زینت سے الگ رُعب داب کے لباس اور تکلفات سے دُور تھے مشرق و مغرب کی سیاست فرمائی ہے اور سلطنتوں کی سلطنتوں کو پلٹ ڈالا ہے۔ اگر تم کتب تواریخ کو غور سے دیکھو گے تو معلوم کر لو گے کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک کسی کو یہ بات میسر نہیں آسکی جو اُن کو حاصل ہوئی کہ آپ رضی اللہ عنہ باوجود تکلفات و ساز و سامان وغیرہ سے کوسوں دُور ہونے کے کس طرح اس قدر انتظامات پر قادر تھے اور کوئی شک نہیں کہ خود یہ ایک بہت بڑی کرامت ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما

آپ کی کرامتوں میں جیسے کہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ مشہور ہے کہ آپ فرشتوں کی تسبیح سُن لیا کرتے تھے ایک بار آپ نے داغ دلوا لیا تو یہ سلسلہ

بند ہوگیا۔ پھر (توبہ کے بعد) اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس سلسلہ کو جاری فرما دیا۔ اور ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اپنی ان تک پہنچنے والی سند سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے داغ دینے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے داغ دلوایا تو کبھی فلاح نہیں پائی اور یہ بیان کیا ہے کہ بیماری میں فرشتے آپ کو سلام کیا کرتے تھے۔ جب آپ نے داغ دلوالیا تو فرشتوں کا سلام بند ہوگیا اور پھر کچھ بُعد ہونے لگا۔ آپ کو استسقاء کا مرض ہوگیا تھا اور کئی سال رہا۔ آپ نہایت صبر کے ساتھ رہے پھر آپ کا پیٹ شق کیا گیا چربی نکالی گئی اور پلنگ کاٹ دیا گیا۔ تیس سال اس حالت میں صبر و سکون کے ساتھ رہے۔ ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ اے ابونجید! اللہ کی قسم مجھے آپ کی یہ حالت جو مَیں آپ کی دیکھ رہا ہوں عبادت سے مانع تھی۔ فرمایا برادر زادے تم میرے پاس مت بیٹھو، اللہ کی قسم مجھے وہی حالت محبوب ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

علامہ سخاوی نے تحفۃ الاحباب فی مزارات مصر میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو قبر مبارک کے پاس ایک شخص کو بیٹھے دیکھا اُس سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قبر پوچھی تو اُس نے پیر سے اشارہ کر دیا اس جگہ سے نکلا نہ تھا کہ اُس پر ایک مصیبت آپڑی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وفات مصر میں شب عید الفطر ۴۳ھ میں ہوئی ہے۔

حضرت غالب بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ

ابن سعد نے جندب بن مکیث جہنی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب بن عبداللہ لیثی کو ایک فوجی دستہ پر امیر مقرر کر کے بھیجا مَیں بھی اُس دستہ میں تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ کدیہ مقام میں بنی لوح پر چھاپہ مارو۔ چھاپہ مارا اور ہم اُن کے جانور پکڑ لائے۔ اُن لوگوں نے اپنی قوم میں شور غوغا

مچایا تو وہ قوم اس قدر جمع ہوگئی کہ ہم میں اُن کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ ہم جانوروں کو لئے ہوئے بھاگے مگر اس قوم نے ہمیں آلیا۔ ہمیں دیکھ لیا اور ہمارے اور ان کے درمیان فقط ایک گھاٹی رہ گئی ہم گھاٹی کے کنارہ پر چڑھ ہی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں سے اُنہیں منظور ہوا گھاٹی میں ایسا سیلاب بھیج دیا کہ اُس نے گھاٹی کو دونوں کناروں تک پانی سے بھر دیا۔ اللہ کی قسم ہم نے اس روز نہ بادل دیکھا نہ بارش تو وہ ایسی ہوگئی کہ اس کو کوئی عبور نہ کر سکا میں نے خود ان کو دیکھا ہے کہ وہ کنارے پر کھڑے تھے ہم لوگوں کو دیکھ رہے تھے ہم بچ آئے اور وہ ہمارا تعاقب بھی نہ کر سکے۔ درحقیقت یہ صرف حضرت غالب رضی اللہ عنہ کی کرامت ہی نہیں بلکہ اسلام کی صحت کا ایک مُعجزہ ہے۔

حضرت مسلمہ بن مخلد الصحابی رضی اللہ عنہ

جو امیر مصر و افریقہ مشہور ہیں اور مصر میں سب سے پہلے اذان کے واسطے منارہ اُنہوں نے ہی بنایا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی وجہ سے مستجاب الدعوات تھے۔ ان کی بہت سی کرامتیں ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ یہ جب کسی گھاٹی پر فروکش ہوتے اور وہاں پانی نہ ہوتا اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے اور اُسی وقت پانی برس جاتا تھا اور یہ بھی ہے کہ یہ جب افریقہ پہنچے تو اُن سے عرض کیا گیا کہ اس مقام پر درندے اور سانپ بہت ہیں۔ آپ نے اُن سے فرمایا نکل جاؤ تو سب وحشی جانور اور سانپ اپنے اپنے بچوں کو اُٹھا اُٹھا کر وہاں سے نکل گئے۔ اُس کو علامہ مناوی نے بیان کیا ہے۔

حضرت میسرۃ بن مسروق العبسی رضی اللہ عنہ

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں بیان کیا ہے کہ یہ بھی اُن نو میں سے ایک ہیں جو بنی عبس کی جانب سے بطور وفد کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج حجۃ الوداع فرمایا تو حضرت میسرہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے تو آپ کے اتباع کا شوق ہے اور مسلمان ہوگئے۔

آپ کا اسلام بہت ہی عمدہ رہا۔ پھر عرض کیا کہ اُس اللہ کا بہت بہت شکر ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مجھے دوزخ سے بچا لیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں بھی آپ کا اچھا مرتبہ تھا۔ اور آپ فلسطین میں سب لشکروں کے امیر (وزیر افواج) تھے۔ وہیں آپ کی وفات ہوئی ہے اور موضع باقر کے قریب جو ابلس کے علاقہ میں ہے مدفون ہیں آپ کی قبر مبارک مشہور ہے لوگ زیارت کے لئے آتے رہتے ہیں۔ (ص ۱۵/ ۹۵ کل ۶ صفحہ..... ص ۳۲/ ۹۵)

نجاشی

علامہ سخاوی نے ابواسحٰق سے روایت کی ہے کہتے ہیں مجھ سے یزید بن رومان نے عروہ کے واسطہ سے حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کر کے یہ حدیث سنائی ہے کہ نجاشی کا انتقال ہوگیا تو بیان کیا جاتا تھا کہ اُن کی قبر پر ہمیشہ ایک نور رہتا تھا اور مَیں نے یہاں ان کو صحابہ کے ساتھ اس لئے ذکر کر دیا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہوئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی ہے اگر چہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے اور اس وجہ سے ان کو صحابی شمار نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت یعلی بن مُرّہ رضی اللہ عنہ

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت یعلی بن مرّہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قبرستان پر کو گزرے تو مَیں نے ایک قبر میں سے دبائے جانے کی آواز سُنی عرض کیا یا رسول اللہ میں نے قبر میں سے دبائے جانے کی آواز سُنی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یعلی تم نے سنی ہے؟ مَیں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا اس کو ایک معمولی ﴿یعنی ایسی بات میں کہ جس سے بچ جانا معمولی بات ہے سہولت سے بچ سکتا تھا یہ مطلب نہیں کہ یہ گناہ ہی معمولی تھا۔ ۱۲ مترجم﴾ سی بات میں عذاب ہو رہا ہے۔ میں نے عرض کیا حضور وہ کیا ہے؟ فرمایا چغل خوری اور پیشاب کے بارے میں۔

حضرت سیدہ زینب اُم کلثوم رضی اللہ عنہا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں ۔ ابن الحورانی نے کتاب الارشادات فی اماکن الزیارات میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے نکاح کیا اور چالیس ہزار مہر باندھا۔ ان سے زید نامی صاحبزادہ تولد ہوئے جن کا لقب ذوالہلاطین ہے مگر ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد باقی نہیں رہی۔ دمشق کے شہر غوطہ میں اُن کے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مصیبت کے کچھ بعد اُن کی وفات ہوگئی اور ایک گاؤں میں جس کا نام راویہ تھا مدفون ہوئیں پھر اُس گاؤں کا نام آپ کے نام پر ہوگیا اور اب وہ قبرالست کے نام سے مشہور ہے۔

شیخ عارف صاحب کتاب معارف الٰہیہ ابوبکر موصلی کہتے ہیں کہ مَیں نے ایک بار آپ کی قبر کی زیارت کی ہے اور میرے ساتھ میرے احباب کی ایک جماعت بھی تھی۔ مَیں قبر تک نہیں پہنچتا تھا بلکہ سامنے کھڑا ہو جاتا تھا اور ہم سب لوگ آنکھیں نیچی رکھتے تھے کیونکہ علماء نے ثابت کیا ہے کہ زیارت کرنے والے کو میت کے ساتھ وہی احترام کا معاملہ کرنا چاہئے جو یہ اُس کی زندگی میں کرتا۔

مَیں رو رہا تھا خشوع وخضوع میں تھا کہ میرے سامنے ایک سن رسیدہ معزز ومحترم عورت کی صورت آئی کہ جس کے احترام کی وجہ سے کوئی شخص اس کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا پھر لوٹنے لگی اور یہ کہا بیٹا اللہ تعالیٰ تمہاری عزت وادب کو اور زیادہ کریں کیا تم نہیں جانتے کہ میرے نانا صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب حضرت اُم ایمن کی قبر کی زیارت اس وجہ سے کیا کرتے تھے کہ وہ ایک معزز ومفتخر عورت تھیں اور تم اُمت کو یہ بشارت دے دو کہ میرے نانا صاحب اور ان کے اصحاب واولاد سب اس عورت سے محبت کرتے ہیں سوائے اس شخص کے جو راہ سے نکل گیا کہ وہ اس کو بُرا سمجھتے ہیں۔

مجھے ان کی بات سے اس قدر بے قراری ہوئی کہ بالکل بے حواس ہو گیا۔ پھر جب حواس بجا ہوئے تو مَیں نے اُن کو نہیں پایا اور اُس دن سے آج تک ان کی قبر مبارک کی زیارت کا التزام کر رکھا ہے۔ ابن الحوارنی نے اس کے بعد یہ بیان کیا ہے کہ ابن عیسٰا کر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے مزار کی غربی جانب سیدنا مدرک الفزاری صحابہ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے اور ابن اثیر نے اسد الغابہ میں ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے پہلے پہلے آپ کے اولاد ہو چکی تھی اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد کی اجازت سے اپنے چچازاد بھائی عون بن جعفر سے نکاح کر لیا تھا۔ پھر آپ اور آپ کے بیٹے زید ایک ہی وقت میں وفات پا گئے۔ آپ کے جنازہ کی نماز آپ کے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے فرمانے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پڑھائی تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان حضرات کی برکتوں سے نفع بخشیں۔ آمین!

حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت اور ابوعمران الجونی رحمۃ اللہ علیہ اور ہشام بن حسان سے روایت کی ہے کہ تینوں صاحب کہتے ہیں کہ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو اُن کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ تھا۔ جب روحاء مقام کے قریب پہنچیں تو بہت شدت کی پیاس لگی۔ فرماتی ہیں کہ مَیں نے اپنے سر کے اُوپر سے پروں کی سی آواز سُنی تو ایک ڈول تھا جو آسمان سے ایک سفید رسی میں لٹکایا ہوا تھا۔ مَیں نے اُسے ہاتھوں میں لے لیا تھام لیا پھر اُس میں سے پیا اور سیراب ہو گئی۔ پھر اس کے پینے کے بعد سے سخت گرمی کے دن روزہ رکھتی اور دھوپ میں پھرتی ہوں کہ مجھے پیاس لگے مگر پھر کبھی پیاس نہیں لگی۔ اس کو ابن منیع نے اپنی مسند میں ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا

بیہقی نے عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن غلاموں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیفیں دی گئی ہیں سات کو خرید کر آزاد کیا ہے انہی میں سے ایک حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں ان کی بینائی جاتی رہی تھی ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں سخت سخت تکلیفیں دی گئیں مگر یہ اسلام کے سوا ہر چیز سے انکار کرتی رہتی تھیں۔ مشرکوں نے کہا کہ لات وعزیٰ ﴿دو بُت ہیں جن کی اہلِ جاہلیت پرستش کرتے تھے۔ ۱۲ مترجم﴾ نے ان کی بینائی کو ضائع کر دیا تو اُنہوں نے کہا ہرگز نہیں، اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لَوٹا دی۔

حضرت اُم شریک دوسیہ رضی اللہ عنہا

ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ ہم سے عارم ابن الفضل نے حدیث بیان کی ہے کہتے ہیں کہ ہم سے حماد بن زید نے یحییٰ بن سعید سے روایت کر کے یہ حدیث بیان کی ہے کہ اُم شریک دوسی نے ہجرت کی تو راستہ میں ایک یہودی کا ساتھ ہوگیا۔ آپ نے روزہ رکھا شام ہوئی تو یہودی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے ان کو پانی دیا تو مَیں ایسا کروں گا۔ یہ رات بھر ایسے ہی رہیں اخیر شب میں یہ ہوا کہ یکا یک اُن کے سینے پر ایک ڈول رکھا ہوا ہے انہوں نے پیا اور پھر لوگوں کو شب میں ہی چلنے کے لئے کھلا دیا۔ یہودی نے اپنی بیوی سے کہا کہ مَیں نے اس عورت کی آواز سُنی ہے کہ اُس نے پانی پیا ہے اس کی بیوی نے جواب دیا کہ نہیں۔ اللہ کی قسم مَیں نے اس کو پانی نہیں دیا۔

یحییٰ کہتے ہیں کہ اُن کے پاس ایک چھوٹا سا مشکیزہ تھا جو آتا اس کو عاریت دے دیتی تھیں۔ ایک شخص نے اُسے خریدنا چاہا تو کہہ دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں پھر اس میں پھونک ماری اور دھوپ میں لٹکا دیا تو وہ گھی سے بھرا ہوا ہوگیا۔ یحییٰ کہتے ہیں عام طور سے کہا جاتا تھا کہ حق تعالیٰ کی نشانیوں میں سے اُم شریک رضی اللہ عنہا کا مشکیزہ بھی ہے۔

حضرت فریعہ انصاریہ رضی اللہ عنہا

سیدی عبدالرحمٰن بن محمد ثعلبی جعفری نے جو مدینہ الجزائر میں مدفون ہیں اپنی کتاب العلوم الفاخرہ فی النظر فی الامور الآخرۃ میں بیان کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تمہارا بیٹا ابراہیم مر گیا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ مر گیا فرمایا ہاں! تو انہوں نے کہا الحمد للہ۔ اَے اللہ آپ کو معلوم ہے کہ مَیں نے آپ کی اور آپ کے رسول کی طرف اس اُمید پر ہجرت کی ہے کہ آپ ہر سختی میں میری اعانت فرمائیں گے تو مجھ پر یہ مصیبت نہ ڈالیے۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اُس نے چہرہ کھول دیا اور کھانا کھایا اور ہم نے بھی کھایا اور اس کے بعد وہ زندہ رہا۔ اس واقعہ کو ابن القطان نے بیان کیا ہے۔

اور قاضی عیاض نے بھی اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ انصار کا ایک نوجوان مر گیا تھا اُس کی ماں ﴿گو اس روایت میں اور اگلی روایت میں نام نہیں ہے مگر قرائن قویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت فریعہ انصاریہ ہی ہیں۔ ۱۲ مترجم﴾ بوڑھی اور اندھی تھی ہم نے اس کو کفن دے دیا اور اُس کی ماں سے تعزیت کی تو اس نے کہا کیا میرا بیٹا مر گیا ہے۔ ہم نے کہا ہاں مر گیا۔ اس پر اُس نے عرض کیا اے اللہ آپ کو معلوم ہے کہ مَیں نے آپ کی اور آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی ہے۔ اور آگے حدیث کے وہی لفظ ہیں جو اُوپر گزرے۔

اور ابن القطان کی روایت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کہنے کے وقت ہی زندہ فرما دیا اور اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی کھایا پیا۔

مَیں نے (یعنی مصنف کتاب نے) حجۃ اللہ علی العالمین کے باب چہارم سے کچھ پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ ابن عدی اور ابن ابی الدنیا اور بیہقی اور ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم صُفّہ ﴿مسجد نبوی کے سامنے کا چبوترہ۔ ۱۲ مترجم﴾ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ کے پاس ایک اندھی بڑھیا

ہجرت کر کے آئی اور اُس کا ایک جوان بیٹا بھی تھا وہ مدینہ منورہ میں کچھ روز ہی رہا تھا کہ اس کو مدینہ منورہ کی وباء پہنچ گئی۔ کچھ روز بیمار رہا پھر مر گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آنکھیں بند فرمائیں اور ہم لوگوں کو کفن دفن کا ارشاد فرمایا۔ جب ہم نے غسل دینے کا اِرادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اس کی ماں کے پاس جاؤ اور اس کو خبر کر دو وہ آئی اور اُس کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر اُس نے اس کے دونوں پیر پکڑے اور کہا کہ کیا میرا بیٹا مر گیا ہے؟ ہم نے کہا ہاں تو اُس نے دُعا کی اے اللہ آپ کو معلوم ہے کہ مَیں آپ کی طرف بخوشی خاطر اسلام لے کر آئی ہوں اور بتوں کو نفرت کر کے چھوڑ آئی ہوں اور رغبت کے ساتھ آپ کی طرف آئی ہوں۔ اے اللہ! آپ بتوں کو پوجنے والوں کو میری مصیبت سے خوش نہ فرمایئے اور اس مصیبت میں مجھ پر وہ غم نہ ڈالئے جس کے تحمل کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ اللہ کی قسم اَبھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ لڑکے نے پیر ہلائے اور چہرہ سے کپڑا ہٹا دیا اور کھانا کھانے لگا۔ اور ہم نے بھی اس کے ساتھ کھایا۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال اور اپنی ماں کے مرنے تک زندہ رہا۔ (رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہما)

اُن اولیاء کی کرامتوں کا بیان جن کا نام محمد رضی اللہ عنہم ہے

محمد الباقر

یہ حضرت علی زین العابدین کے بیٹے حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے پوتے سادات کرام اہل بیت میں سے ایک امام ہیں اور ممتاز علمائے کرام میں سے ہیں بے مثل ہیں ان کی کرامتوں میں ابوبصیر سے روایت ہے کہتے ہیں کہ مَیں محمد بن علی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تھا کہ منصور اور داؤد بن سلیمان داخل ہوئے اور یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے کہ خلافت بنی عباس قائم ہو۔ داؤد حضرت باقر رحمہ اللہ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ دوانیقی (منصور) کو یہاں آنے سے کیا مانع ہے؟

عرض کیا کہ اس کے مزاج میں ذرا الگ الگ رہنا ہے فرمایا کہ کچھ زیادہ دن نہ گزریں گے کہ یہ شخص حکومت کی باگ ہاتھ میں لے گا لوگوں کی گردن کو روندے گا۔ مشرق و مغرب کا مالک ہو جائے گا اور اس میں اس کی عمر طویل ہوگی۔ اتنے خزانے جمع کرلے گا کہ کسی نے جمع نہیں کئے۔ داؤد نے منصور کو یہ خبر پہنچادی تو منصور حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے آپ کی خدمت میں حاضر رہنے سے صرف آپ کا اجلال ہی مانع ہوتا ہے اور کوئی چیز نہیں پھر وہ خبر جو داؤد نے بیان کی تھی پوچھی۔ آپ نے فرمایا یہ تو ہونے والا ہی ہے۔ منصور نے عرض کیا کہ کیا ہماری حکومت آپ لوگوں کی حکومت سے پہلے ہوگی۔ فرمایا ہاں عرض کیا اور میرے بعد میری اولاد میں سے بھی کوئی مالک ہوگا فرمایا ہاں ہاں عرض کیا تو بنی اُمیہ کی حکومت کی مدت زیادہ ہوگی یا ہماری حکومت کی فرمایا تمہاری اور تمہاری اولاد خلافت کو ایسا کھلونا بنالے گی جیسے گیند کو بناتے ہیں یہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا تھا۔ جب منصور کو خلافت پہنچی تو وہ اس ارشاد سے تعجب کیا کرتا تھا اس کو المشروع الروی میں بیان کیا ہے۔ آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ۱۱۷ھ میں ہوئی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قبہ میں دفن کئے گئے۔ رضی اللہ عنہما۔

محمد بن المنکدر ر

محمد بن المنکدر ر کے صاحبزادہ نے بیان کیا ہے کہ یمن کے لوگوں میں سے ایک شخص نے اُن کے والد کے پاس اَسّی (۸۰) دینار (تقریباً دو سو روپے) امانت رکھے اور خود جہاد کے اِرادہ سے روانہ ہو گیا اور یہ کہہ گیا کہ اگر آپ کو خرچ کی ضرورت پڑے تو خرچ کر لیجئے جب تک کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا میں واپس آؤں۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو چلا گیا اور اہلِ مدینہ پر قحط آپڑا اور بہت سخت قحط پڑا۔ والد صاحب نے ان کو نکال کر تقسیم کر دیا۔ کچھ مدت ہی گزری تھی کہ وہ شخص آ گیا اور اپنا مال طلب کیا۔ والد صاحب نے فرمایا کل میرے پاس آنا اور خود رات بھر مسجد نبوی میں رہے کبھی مرقد مبارک اور کبھی منبر شریف کو لپٹے رہے صبح قریب ہوگئی تو اندھیرے میں ایک شخص آئے اور کہنے لگے اے

محمد لو! اُنہوں نے ہاتھ بڑھایا تو ایک تھیلی دی جس میں اَسّی دینار تھے۔ اگلے روز وہ شخص آیا اور آپ نے یہ دینار اُس کو دے دیئے۔ از حجۃ اللہ علی العالمین۔

محمد بن ادریس شافعی

آپ مُطلبی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد ہیں۔ ائمہ مجتہدین میں کے ایک امام جہان بھر کے علماء کے پیشوا اکابر اولیاء میں یکتا دین مبین کے ایک رکن اور قریش میں کے وہ عالم ہیں جنہوں نے طبقات ارض کو علم سے پُر کر دیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ جب آپ کا وقت قریب آ گیا تو آپ کے پاس آپ کے شاگرد جمع ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابویعقوب تم اپنی بیڑیوں میں ہی مرو گے اور اے مزنی تمہارے لئے مصر میں شرارتوں پر شرارتیں ہوں گی اور اے ابن عبدالحکم تم اپنے باپ کے مذہب پر لوٹ جاؤ گے اور اے ربیع تم میری کتابوں کی اشاعت میں فائدہ مند ثابت ہو گی۔ ابو یعقوب اُٹھو کہ تم بیڑیاں ڈالے جاؤ گے پھر ایسا ہی ہوا جیسا حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔ آپ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی ہے اس کو مناوی نے بیان کیا ہے۔

(ص ۴/ ۹۸، کل ۲۳۲ صفحہ، ۷ سطر، ص ۲۳/ ۹۵)

محمد بن عبداللہ معروف بہ شیبان راعی

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ مَیں اور شیبان راعی حج کو چلے ایک راستہ میں پہنچے تو ہمارے سامنے شیر آ گیا۔ مَیں نے شیبان سے کہا کہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہ درندہ سامنے ہے۔ فرمایا سفیان ڈرو نہیں۔ شیر نے بھی شیبان کا یہ کلام سُن لیا تو خوشامد کرنے لگا اور کتے کی طرح دُم ہلانے لگا۔ شیبان رحمۃ اللہ علیہ اُس کی طرف بڑھے اور اس کا کان اینٹھا۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ یہ کیا شہرت والی بات ہے؟ فرمایا: اے ثوری اس میں کون سی شہرت ہے اگر مَیں شہرت کا اندیشہ نہ کرتا تو اپنا سامان سفر مکہ مکرمہ تک اسی کی کمر پر لاد کر لے چلتا۔ اس کو یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

علامہ مناوی نے بیان کیا ہے کہ جب یہ جنبی ہوتے اور اُن کے پاس پانی نہ ہوتا تو ایک بادل آتا اور اُن کے سر پر برستا یہ اس سے غسل کر لیتے تھے اور جب جمعہ کی نماز کے لئے جاتے تھے اپنی بکریوں کے چاروں طرف ایک خط کھینچ جاتے اور چلے جاتے تھے پھر جب تک یہ لوٹ نہ آتے نہ تو بکریاں وہاں سے ہلتی تھیں اور نہ کوئی وحشی جانور یا انسان ان کو چھیڑتا تھا۔

حضرت رابعہ عدویہ ان پر گزریں اور فرمایا کہ مَیں حج کا اِرادہ کر رہی ہوں آپ نے اپنی آستین میں سے کچھ اشرفیاں نکال کر دے دیں کہ راستہ میں خرچ کر لینا۔ انہوں نے ہوا میں ہاتھ پھیلایا پھر مٹھی بند کر لی تو وہ اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی اور فرمایا کہ آپ جیب سے خرچ کرتی ہیں اور مَیں غیب سے خرچ کرتی ہوں۔ پھر آپ نے بھی ان کے ساتھ بغیر زادِ راہ کے محض توکل پر حج کیا۔

یہ حضرت شیبان رحمۃ اللہ علیہ اُمی تھے اور باوجود اس کے جب کوئی مسئلہ فقہ وغیرہ کا پوچھا گیا تو نہایت عمدہ جواب دیا۔ مصر میں انتقال ہوا ہے اور قرافہ مقام میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب اس احاطہ میں جس میں مزنیؒ کی قبر ہے مدفون ہوئے ہیں اور ان کی مزنی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے درمیان اس درزی کی قبر ہے جو بہت بڑے صلحاء میں ہوئے ہیں۔

سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی کرامت شیر کے ساتھ کی بھی ذکر کی ہے اور بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک قاری کو یہ پڑھتے سُنا: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ(۷) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (جو ذرّہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جو ذرّہ برابر بدی کرے گا اسے دیکھ لے گا تو بھاگ گئے پھر ان کو لوگوں نے ایک سال کے ہی بعد دیکھا جب ان کو دیکھ لیا گیا۔ تو پوچھا گیا کہ آپ بھاگ کیوں گئے تھے۔ فرمایا مَیں اس دقیق حساب کی وجہ سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان کا انتقال مصر میں ہوا اور قرافہ میں دفن کئے گئے ہیں۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ شام کے مُلک میں دفن ہیں۔

ابوعبداللہ محمد بن الحسین معروف بزعفرانی

شاگردِ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما

آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ ایک قصائی کے پاس ٹھہرے وہ قصائی آپ کو چھوڑ کر چلا گیا پھر جب لوٹا تو اس کا ہاتھ ایسا کٹ گیا کہ وہ اس سے کچھ نہ کاٹ سکا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ شیخ کی وجہ سے ہے وہ شیخ کی طرف دوڑا اور عرض کیا میرے آقا مجھ سے جو حرکت سرزد ہوئی ہے اس پر گرفت نہ فرمایئے کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سبحانہٗ سے توبہ کر رہا ہوں آپ بھی دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تندرست کر دے۔ آپ نے دُعا فرمائی اور اس کا ہاتھ جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔ یہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد الجواد بن علی الرضاء

بڑے اماموں میں سے ہیں اُمت کے چشم و چراغ ہیں ہمارے سادات اہل بیت میں سے ہیں ان کا تذکرہ علامہ شبراوی نے اتحاف بحب الاشراف میں لکھا ہے اور اس کے بعد کہ اُن کی بہت کچھ تعریفیں کی ہیں بہت سے اوصاف اور فضل و کمال کے واقعات لکھے ہیں اور یہ کہ مامون عباسی نے اپنی لڑکی اُم فضل سے اُن کی شادی کر دی تھی۔ پھر جب یہ بغداد سے مدینہ منورہ تشریف لے چلے تو پہنچانے کے واسطے بہت سے لوگ ہمراہ ہو لئے جب کوفہ کے دروازہ پر جہاں حضرت میتب رضی اللہ عنہ کا گھر ہے پہنچ گئے تو غروب آفتاب کا وقت تھا وہیں اُتر پڑے اور ایک پرانی سی مسجد میں جو وہاں بنی ہوئی تھی مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے گئے۔ اس مسجد کے صحن میں ایک بیری کا درخت تھا جس پر کبھی پھل نہیں آیا تھا۔ آپ نے لوٹا منگوایا اور اس درخت کی جڑ میں وضو کیا پھر اُٹھے اور مغرب کی نماز پڑھائی۔ پہلی رکعت میں **الحمد** اور **اذا جاء نصر اللہ والفتح** پڑھی اور دوسری رکعت میں **الحمد** اور **قل ھو اللہ احد**۔ پھر فارغ ہونے کے بعد کچھ تھوڑی سی دیر بیٹھے اور ذکر کیا پھر کھڑے ہوئے اور چار رکعت نفل پڑھے اور دو

سجدے شکر کے ادا کئے پھر لوگوں کو رخصت کر دیا اور خود لوٹ آئے۔ صبح ہوئی تو رات رات میں بیری کا درخت نہایت عمدہ پھل لے آیا۔ لوگوں نے دیکھا اور بہت تعجب کیا اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہوئی کہ اس درخت کے بیروں میں گٹھلی نہ تھی۔ یہ آپ کی بڑی زبردست اور کھلی ہوئی کرامت ہے۔ آپ کی وفات آخر ذیقعدہ ۲۲۰ھ میں ہوئی ہے اور عمر شریف پچپیں سال اور ایک ماہ اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کے آباء و اجداد واولاد سے راضی ہوں اور ہم سب کو ان کی برکتوں سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔

محمد بن منصور طوسی

آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ آپ سے بغداد میں ایک جماعت نے پوچھا کیا آج عرفہ ہے اور اس میں کچھ اختلاف ہو رہا تھا فرمایا ذرا صبر کرو۔ آپ حجرہ میں تشریف لے گئے پھر تشریف لائے اور فرمایا ہاں ہے۔ لوگوں نے دنوں کو شمار کیا تو وہی دن تھا جس میں وقوف عرفہ کیا گیا تھا۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیسے معلوم کر لیا۔ فرمایا میں نے اپنے رب سے دریافت کیا تھا تو مجھ کو وقوفِ عرفہ کی جگہ لوگوں کو دکھا دیا گیا۔ آپ کا انتقال ۲۵۴ھ میں بغداد میں ہوا ہے اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن علی الحکیم ترمذی

مناوی کا بیان ہے کہ آپ مشہور امام اور بڑے زبردست صوفی ہیں منجملہ عارفین اور علماء عاملین کے امام ہیں۔ صوفیاء میں سے کثرت روایات وعلوسند میں ممتاز ہیں۔ ابوتراب نخشی اور بلخی اور اس طبقہ سے ملاقات ہوئی ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ جب آپ کے معاصرین آپ پر چڑھ آئے اور آپ کی تکفیر کی تو آپ نے اپنی سب کتابوں کو جمع کر کے دریا میں ڈال دیا ان کو ایک مچھلی نگل گئی اور اس نے کئی سال کے بعد اُن کو اُگلا تو لوگوں نے اُن سے نفع اُٹھایا۔

مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کرامتوں کا وہی لوگ انتظار کرتے ہیں جن کے دل اللہ تعالیٰ سے حجابات میں ہیں کیونکہ کرامت تو حق تعالیٰ کا ہی فعل ہے۔

(ص ۲۷/۱۰۰ کل ایک صفحہ ۵ سطر...... ص ۳۴/۱۰۰)

آپ کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی ہے ایسے ہی کشف الظنون میں بھی ہے اور مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ۳۲۰ھ کے حدود میں ہوئی ہے۔

محمد بن مسلم بن عبدالرحمٰن قنطری

بہت بڑے صوفی مریدوں کی تربیت کرنے والے بڑے بڑے متقیوں اور زاہدوں کے پیر ہیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ میں سے ہیں آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ آپ کا ایک بھانجا تھا آپ نے اس کو دیکھا کہ ڈھول وغیرہ سے کھیل رہا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اسے موت دے دیں وہ اسی روز مر گیا اور آپ کی وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی ہے۔ اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن یوسف البناء

اکابر صوفیاء میں سے ہیں۔ چھ سو (۶۰۰) اساتذہ سے ملے ہیں حدیث بہت لکھی ہے اور مکہ مکرمہ میں دُعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ یا تو میرے دل میں اپنی معرفت داخل کر دیجئے یا مجھے اپنی طرف بلا لیجئے۔ تو آپ نے غیب سے کسی کہنے والے کو یہ کہتے سنا کہ اگر تم یہ چاہتے ہو تو ایک مہینہ تک روزے رکھو اور کسی سے بات نہ کرو پھر زمزم کے قبہ میں داخل ہو اور اپنی حاجت کی دُعا کرو۔ پھر کنوئیں میں سے ایک کہنے والے کو سُنا جو کہتا ہے کہ جس کو تم پسند کرو اختیار کر لو۔ علم مع مال کے یا معرفت مع فقر کے انہوں نے عرض کیا میں نے معرفت مع فقر کے اختیار کر لی جواب دیا گیا کہ دے دی گئی۔ آپ کی وفات ۲۸۶ھ میں ہوئی ہے اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن اسمٰعیل مغربی

ابراہیم خواص کے استاد ہیں صوفیاء کی ریاست اور مریدوں کی تربیت مملکت

عراق میں آپ پر ختم ہے۔آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں مَیں نے بہت برسوں سے اندھیرا نہیں دیکھا آپ اندھیری رات میں اپنے ساتھیوں سے آگے آگے ننگے سر ننگے پیر چلا کرتے تھے۔جب ان میں سے کسی کو ٹھوکر لگتی آپ فرماتے کہ داہنے کو یا بائیں کو اور ان کو اپنے سامنے کچھ نظر نہ آتا تھا۔(ص ۹/۱۰۱ کل ۱۱ سطر......ص ۱۰۱/۱۲)

آپ کا انتقال ۲۹۹ھ میں ایک سو بیس برس کی عمر میں طور سینا پہاڑ پر ہوا ہے۔

محمد بن احمد بن سید حمد و یہ معروف بہ معلم ابوبکر تیمی

نہایت عابد زاہد صاحبِ کرامات مشہور ہیں۔آپ سے بہت سی باتیں خرق عادت کی نقل کی ہیں۔قاسم جوعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہے ہیں اور اُن سے اور دوسرے بزرگوں سے حدیثیں بھی روایت کی ہیں اور خود اُن سے ابوزرعہ وغیرہ نے روایت کی ہے اکابر علماء بلکہ ان کے مقتداء تھے پچاس سال نہ سیدھے لیٹے نہ پاؤں پھیلائے۔اور حضرت بصری کے ساتھ قادسیوں کے قبرستانوں میں رہے ہیں جب اُن کا انتقال ہو گیا تو حضرت جوعی کے ساتھ رہے ہیں۔گیارہ سال تک کسی سے کلام نہیں کیا۔جمعہ کی نماز کے واسطے جایا کرتے تھے۔ایک دِن ابلیس ملا اور اُس نے کہا اے لڑکے لوٹ جا ہم نے جمعہ پڑھ لیا ہے۔یہ لوٹ گئے پھر آفتاب کو دیکھا کہ آسمان کے وسط میں ہے تو پھر گئے اور جمعہ پالیا۔آپ ایک دن میں چالیس میل چل لیتے تھے اور اس میں ایک بار قرآن شریف ختم کر لیتے تھے ایک روز تھک گئے اور بھوک کا غلبہ اور ضعف ہو گیا تو آپ جنگل میں ایک چشمہ پر جو اُبل رہا تھا پہنچے وہاں بیٹھ گئے اور دُعا کی تو ایک حبشی باندی سر کے قریب کھڑی دیکھی۔وہ کہہ رہی ہے کہ میرے آقا نے آپ کے واسطے یہ ہدیہ بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ اُنہوں نے قبول کر لیا تو تُو آزاد ہے۔فرمایا رکھ دو دیکھا تو اس میں دو شیر مال ہیں اور اُن کے ساتھ اُبلے ہوئے انڈے ہیں۔انہوں نے ان کو چھوڑ دیا اور فوراً دُعا کے قبول ہو جانے کی وجہ سے گھبرا کر چلے گئے۔اور آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک عرصہ دراز تک کچھ نہیں پیا۔

پانی کی ضرورت ہوئی تو کنوئیں پر جا بیٹھے اور رونے لگے اور دُعا کی کہ اے میرے مولا! آپ کو معلوم ہے کہ میں پانی کا ضرورت مند ہوں اور اس کا چھوڑ دینا مجھے شاق ہے تو دیوار میں سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس میں پانی کا آبخورہ تھا اور کہا کہ پی لو۔ انہوں نے کہا پانی کی ضرورت زیادہ ہے۔ پھر وضو کیا نماز پڑھی اور پانی پی لیا۔ اس کے بعد اَسّی روز تک پانی پینے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ کچھ لوگ آپ کے مہمان ہوئے آپ بُھنا ہوا گوشت اور چپاتیاں لائے تو وہ کہنے لگے یہ ہم لوگوں کا کھانا نہیں ہے آپ نے کہا تو پھر آپ لوگوں کا کھانا کیا ہے؟ انہوں نے کہا سبزی آپ نے وہ لا دی اور خود گوشت کھا لیا۔ وہ لوگ تو رات بھر نماز پڑھتے رہے اور معلم (یعنی محمد بن احمد مذکور) تمام رات سوئے پھر اندھیرے سے صبح کی نماز پڑھائی اور فرمایا چلو سیر کریں اور ایک حوض پر آئے۔ آپ نے پانی پر چادر بچھائی اور نماز پڑھی چادر اُٹھائی تو اُسے پانی لگا بھی نہ تھا۔ پھر فرمایا یہ تو بھنے ہوئے گوشت کا عمل ہے سبزی کا عمل کہاں ہے اور آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایک کُتے نے آپ کو بھونکا تو وہ گر کر مر گیا۔ آپ کا انتقال ۱۰۳ھ میں ہوا ہے۔ یہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔

محمد بن یعقوب عرجی

اکابر عارفین میں سے ہیں علماء عاملین کے امام ہیں۔ حارث محاسبی ان کے ساتھ رہے ہیں۔ ان کی کرامتوں میں یہ ہے کہ فرماتے ہیں مَیں شام سے ایک میدان کے راستہ پر چلا تو ایک لق و دق میدان پر جا پہنچا۔ کئی دن تک حیران پھرتا رہا اور نہ کچھ کھانے پینے کو ملا نہ راستہ ملا) یہاں تک کہ مرنے کے قریب ہو گیا تو دو راہب جاتے ہوئے ملے گویا وہ کہیں قریب سے ہی چلے ہیں مَیں نے پوچھا تم دونوں جانتے ہو کہ تم اس وقت کہاں ہو۔ انہوں نے کہا ہم اس کے ملک اسی کی مملکت میں ہیں اور اُسی کے سامنے ہیں مَیں نے اپنے نفس کی طرف توجہ کی اور اس کو ملامت کرنے لگا کہ یہ راہب توکل کے مرتبہ پر پہنچ گئے اور تُو نہیں پہنچا۔ پھر ان سے کہا کیا تم مجھ کو اپنے ساتھ

ہونے کی اجازت دیتے ہو؟ انہوں نے کہا تم کو اختیار ہے مَیں ساتھ ہولیا جب رات تاریک ہوگئی تو وہ دونوں اپنی نمازوں کے لئے کھڑے ہوئے اور مَیں اپنی نماز کے لئے اور مَیں نے مغرب تیمم سے پڑھی تو وہ دونوں مجھ پر ہنسنے لگے جب وہ فارغ ہو گئے تو ایک نے ہاتھ سے زمین کریدی وہاں سے پانی نکل آیا اور کھانا آ کر رکھا گیا مجھے تعجب ہوا اُنہوں نے کہا آؤ اور کھالو۔ ہم تینوں نے کھایا پیا اور مَیں نے نماز کی تیاری کی پھر پانی زمین میں جذب ہوگیا اور نظر سے اُوجھل ہوگیا اور صبح تک وہ دونوں الگ نماز پڑھنے لگے مَیں الگ پڑھتا رہا۔ پھر ہم لوگ رات تک چلتے رہے جب رات ہوگئی ایک نے دوسرے کو نماز پڑھائی پھر کچھ دُعائیں مانگیں اور زمین کریدی تو پانی بھی نکل آیا اور کھانا بھی موجود ہوگیا۔ پھر جب تیسری رات ہوئی تو ان دونوں نے کہا اے مسلمان تیرا یہ کیا حال ہے مجھے بہت شرم آئی اور شرم سے گڑا جانے لگا۔ تو مَیں نے دُعا کی کہ اے اللہ مَیں جانتا ہوں کہ میرے گناہوں نے آپ کے یہاں میری کوئی عزت باقی نہیں رکھی لیکن مَیں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے رُسوا نہ فرمایئے اور ان دونوں کو ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اُمت پر بد گمانی سے خوش ہونے کا موقع نہ دیجئے تو یکا یک ایک اُبلتا ہوا چشمہ اور بہت سا کھانا نمودار ہوا۔ تینوں نے خوب کھایا پیا اور وہ دونوں مسلمان ہوگئے۔ یہ تو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ان دونوں نے ان سے پوچھا کہ تم نے کیا دُعا کی تھی اُنہوں نے دُعا بتادی تو وہ مسلمان ہوگئے۔

محمد بن السماک رحمۃ اللہ علیہ

قشیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مَیں نے محمد بن عبداللہ صوفی سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ ہم سے احمد بن علی السائح نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن طرف نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن الحسن العقلانی نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے احمد بن ابی الحواری نے بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ محمد بن سماک بیمار

ہوئے تو ہم نے اُن کا قارورہ لیا اور ایک طبیب کے پاس لے چلے جو نصرانی تھا۔ ہم حیرہ اور کوفہ کے درمیان تھے کہ ایک خوب صورت شخص جس میں سے خوشبو آئی تھی عمدہ لباس پہنے ہوئے سامنے آیا پوچھا تم لوگ کہاں کا ارادہ کر رہے ہو۔ ہم نے کہا کہ فلاں طبیب کا اِرادہ کر رہے ہیں۔ ان کو محمد بن سماک کا قارورہ دکھائیں گے۔ ان صاحب نے کہا سبحان اللہ تم اللہ کے ایک ولی کے واسطے اللہ کے دشمن کی اعانت چاہتے ہو اس کو زمین پر پھینک دو اور ابن سماک کے پاس لوٹ جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ تکلیف کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر یہ پڑھیں **و بالحق انزلناہ و بالحق نزل** (ہم نے اس کو حق کے ساتھ ہی نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے) اور پھر ایسے غائب ہوئے کہ ہم نہ دیکھ سکے۔ ہم ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوٹ آئے اور سارا واقعہ سنایا آپ نے تکلیف کے مقام پر ہاتھ رکھا اور وہ پڑھا جو ان صاحب نے کہا تھا تو اسی وقت تندرست ہو گئے اور فرمایا یہ خضر علیہ السلام تھے۔ (ص ۱۵/۱۰۲، کل ایک صفحہ ۳ سطر...... ص ۲۳/۱۰۲)

محمد یوسف البولاقی

یہ امام اور عالم زاہد تھے۔ ابن النجوی نے ان کے اوصاف میں کتاب کی ایک جلد مستقل لکھی ہے۔ آپ کے حالات میں یہ بھی ہے کہ ایک عورت اپنے بچہ کو لے کر سمندر پر گئی تھی کہ کچھ حبشی لوگ ایک جہاز میں آئے بچہ کو پکڑا اور جہاز میں بٹھا لیا اور لے کے چلے گئے وہ عورت شیخ محمد بن یوسف کے جبکہ وہ اپنی عبادت گاہ سے نکل رہے تھے سر ہو گئی اور سارا قصہ سنایا کہ حبشیوں نے اس کے بچہ کو پکڑ لیا ہے اور وہ اس جہاز میں ہیں شیخ سمندر کی طرف روانہ ہوئے اور ہوا کو حکم دیا کہ رُک جا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے رُک گئی، پھر آپ نے جہاز والوں کو آواز دی کہ بچہ کو اس کی ماں کو لوٹا دو مگر اُنہوں نے انکار کر دیا اور چلتے رہے۔ آپ نے جہاز کو حکم دیا کہ رُک جا۔ وہ بھی رُک گیا۔ پھر آپ پانی کے اُوپر چلتے ہوئے گئے اور بچہ کو جہاز میں سے لیا اور اس کی ماں کے پاس حاضر کر دیا اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ چمڑے کی دباغت کا کام کیا کرتے تھے، ان کے پاس مازو

﴿چمڑے کی دباغت میں کام دیتا ہے۱۲﴾ لے آئے تھے۔ خلیفہ نے کسی کو بھیجا اور اس نے ان کو لے لیا۔ آپ کا خادم حاضر ہوا تو غصہ کیا کہ خلیفہ کے آدمی وہ مازو لے گئے ہیں کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں ان کے افسر کے پاس جاؤں۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ وہ خود تمہیں لوٹا دیں گے جب وہ لوگ لے گئے تو اُنہوں نے ان کو پتھر پایا تو سمجھ لیا کہ یہ شیخ کی برکت سے ہے اور لوٹا گئے تو وہ مازو تھے یہ شیخ محمد بن یوسف البولاقی ابوعبداللہ تکرودی کے شیخ ہیں جن کا کافور اخشید ی معتقد تھا اس کو سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن محمد الادفوی

مشہور علماء اور سات ابدال میں سے ایک ہیں اُنہوں نے قرات کے اماموں میں سے ایک جماعت کا زمانہ پایا ہے اور ان سے پڑھا ہے اور تفسیر میں ان کی ایک کتاب ہے۔ کتاب الاستغناء آپ نے یہ کتاب لکھ کر امیر مصر کے پاس بھیجی تھی اس نے اس کے کنارہ پر اس سے بے نیازی کے الفاظ لکھ دیئے اور واپس کر دی آپ نے اُس کے لئے بددُعا کی تو وہ تین دن بھی زندہ نہیں رہا۔ آپ کا انتقال مصر میں ہوا ہے اور قرافہ میں ادفوی کے مقبرہ میں دفن کئے گئے ہیں اس کو سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابوبکر محمد المالکی

مصر کے رہنے والے عبدالصمد البغدادی کے پیر کے پیر ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ سات ابدال میں سے ایک ہیں۔ قرشی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ان کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ یہ ایک اپاہج عورت پر گزرے تو اُس نے کہا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے اللہ کے واسطے؟ اُنہوں نے فرمایا میرے پاس دنیا کی کوئی چیز نہیں لیکن اپنا ہاتھ لا وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور حق تعالیٰ کے فضل سے چلنے لگی اور فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان کو آگ چھوئے گی ہی نہیں اور اگر چھوئے گی تو جلائے گی نہیں اور اگر میں شہرت کا اندیشہ نہ کرتا تو سو (۱۰۰) دفعہ ہاتھ کو آگ میں داخل کرتا اور نکال لیتا اور وہ نہ جلتا۔ اس کو بھی سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ (ص ۳/۱۰۳ کل ۱۶ سطر۔ ص ۴/۱۰۴)

محمد بن موسیٰ ابوبکر واسطی

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے بڑے آدمی ہیں اور فرغانی الاصل ہیں رفیع المرتبہ اور عالی شان ہیں آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ سمندر کا سفر کر رہے تھے کہ کشتی ٹوٹ گئی آپ اور آپ کی اہلیہ ایک تختہ پر رہ گئے اور اسی حالت میں اُن کے بچہ پیدا ہو گیا اور ان کو بہت ﴿سمندر کا پانی کڑوا ہوتا ہے پینے کا نہیں ہوتا، اس لئے پیاس رہی﴾ پیاس لگی۔ انہوں نے سر اُٹھایا تو ہوا میں ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ میں سونے کی زنجیر ہے جس میں یاقوت کا آبخورہ ہے اس نے کہا دونوں پی لو۔ دونوں نے پی لیا۔ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ تمہارے آقا کا ایک غلام۔ مَیں نے کہا تم اس مرتبہ پر کیسے پہنچ گئے اُس نے جواب دیا کہ اس کی مرضی پر اپنی ہر خواہش کو قربان کرنے سے پھر اُس نے مجھے بساطِ فروانیت پر بٹھا دیا جیسے کہ اب تم دیکھ رہے ہو اور غائب ہو گیا اس کو بھی سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن محمد سلامہ

ابو جعفر طحاوی ازدی فقیہ حنفی ہیں ۔ مصر میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں ﴿یہ امام صاحب کے تین واسطوں سے شاگرد ہیں، حدیث کی کتاب شرح معانی الآثار معروف بہ طحاوی انہی کی ہے۔ مصر کے قریب طحطوط موضع کے ہیں جس کے قریب موضع طحا ہے۔۱۲ مترجم﴾ کی سرکردگی انہی پر ختم ہے۔ مشہور اماموں سے ہیں۔ کندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا مقبول ہوتی تھی اور خود یہ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے اپنے دل کو حرام سے پاک کر لیا اس کی دُعا کے واسطے آسمان کے دروازے کُھل جاتے ہیں۔

ایک دن ابو منصور تکین الحرزی مشہور بالجبار امیر مصر آپ کے پاس آئے۔ جب جناب امام کو دیکھا تو اُن پر رُعب طاری ہو گیا۔ حضرت امام نے اکرام کیا اور اَچھا برتاؤ کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے آقا مَیں چاہتا ہوں کہ اپنی لڑکی کی آپ سے شادی کر دوں۔ فرمایا مَیں ایسا نہ کروں گا، پھر اُس نے عرض کیا کیا آپ کو کوئی ضرورت ہے؟ فرمایا نہیں پھر

عرض کیا کچھ زمین آپ کے نام کردوں فرمایا نہیں۔ پھر عرض کیا کہ مجھ سے آپ جو چیز چاہتے ہیں فرمایئے۔ فرمایا تم سنو گے عرض کیا جی ہاں فرمایا اپنے دین کی حفاظت کرو کہ ہاتھ سے نہ نکل جائے اور اپنے کو عذاب سے چھڑانے کے لئے موت سے پہلے کچھ کام کرلو اور خود کو اللہ کے بندوں پر ظلم کرنے سے بچاؤ۔ پھر وہ آپ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اہلِ مصر پر ظلم کرنا بند کر دیا تھا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات مصر ہی میں ہے ۳۲۱ھ میں ہوئی ہے۔ اس کو بھی سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن اسمٰعیل معروف بہ خیر النساج

سامرا کے رہنے والے ہیں۔ آپ کی مجلس میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور خاص و ممتاز لوگوں نے توبہ کی ہے اور بزرگوں کی ایک جماعت کے استاد ہیں ان میں سے کسی کا بیان ہے کہ مَیں خیر النساج کی مجلس میں تھا کہ ایک شخص آیا اور اُس نے کہا اے شیخ مَیں نے آپ کو کل دیکھا تھا کہ آپ نے دو (۲) درہم (تقریباً آٹھ آنہ) کا سُوت فروخت کیا ہے مَیں آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا اور آپ کی لنگی میں سے مَیں نے وہ کھول لئے تو اس کے بعد سے میرا ہاتھ ہتھیلی کو مڑا ہوا رہ گیا ہے کہ حضرت ہنسے اور اپنے ہاتھ سے میرے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا تو میرا ہاتھ کھل گیا پھر فرمایا جاؤ اور ان دونوں درہموں سے اپنے بچوں کے لئے کچھ خرید لینا مگر پھر ایسا نہ کرنا۔ یہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ صاحب کرامات اور صوفیاء کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی مجلس میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور خواص نے توبہ کی ہے کیونکہ دونوں نے خرق عادات اور کرامتیں دیکھی تھیں یہ اصل میں تو سامرا کے رہنے والے تھے پھر بغداد رہنے لگے تھے جب آپ کا وقت اخیر ہوا تو ملک الموت کو فرمایا اللہ تعالیٰ تم کو عافیت دیں ذرا ٹھہرو کہ مَیں عصر کی نماز پڑھ لوں کیونکہ تم بھی اُن کے مامور بندہ ہو اور مَیں بھی مامور ہوں مگر جس چیز کا تم کو حکم دیا گیا ہے وہ فوت نہیں ہوتی اور جس کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے وہ فوت ہو جائے گی۔ پھر آپ نے پوری نماز پڑھ لی

اور ۳۲۲ھ میں انتقال فرما گئے آپ کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال ہوئی ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصروں میں اورانہی کے طبقہ کے ہیں لیکن عمر بہت ہوئی ہے۔

محمد بن علی بن جعفر ابوبکر الکتانی

بغداد کے رہنے والے صوفیاء کے اماموں اور اکابر عارفین میں سے ہیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہے ہیں آپ کی کرامتوں میں یہ ہے فرماتے ہیں کہ مَیں جنگل میں تھا مَیں نے ایک فقیر کو دیکھا جو مَرا ہوا تھا مگر ہنس رہا تھا۔ مَیں نے کہا تم مر چکے ہو اور پھر بھی ہنس رہے ہو تو غیب سے کسی آواز دینے والے نے کہا کہ اے ابوبکر اللہ کا عاشق ایسا ہی ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو عرض کیا کہ میرے لئے دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ میرے دل کو مُردہ نہ بنائیں فرمایا تم ہر روز چالیس مرتبہ یہ کہا کرو "یا حی یا قیوم لا اِلٰہ الا انت" اور فرماتے ہیں کہ میرے سر میں درد تھا۔ مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو اِرشاد فرمایا یہ دُعا لکھو:

"اللّٰھم ثبوت الربوبیتہ و تعظیم الصمدیتہ وبسطوات الآلٰھیة وبقدم الجبروتیة و بقدرة الواحدانیة"

فرماتے ہیں مَیں نے یہ دُعا لکھی اور سر پر رکھ لی تو فوراً درد جاتا رہا اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور قشیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مَیں نے ابوعبداللہ شیرازی سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ مَیں نے ابوالنجم احمد بن الحسین سے خوزستان میں سنا ہے یہ کہتے تھے کہ مَیں نے ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے فرماتے تھے کہ مَیں درمیان سال میں مکہ مکرمہ کے راستہ میں تھا کہ مَیں نے ایک بھری ہوئی ہمیانی پائی جس میں اشرفیاں چمک رہی تھیں مَیں نے اِرادہ کیا کہ اسے اُٹھالوں اور مکہ مکرمہ کے فقراء میں تقسیم کردوں۔ تو غیب سے کسی آواز دینے والے نے آواز دی اگر تم نے اسے اُٹھایا تو تمہارا فقر سلب کرلیا جائے گا۔ یہ بزرگ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین میں سے تھا۔ ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ۳۲۲ھ میں ہوا ہے۔

ابوبکر محمد بن سعدون التمیمی رحمۃ اللہ علیہ

الجزیزی بہت عبادت گزار ہیں بیان کیا گیا ہے کہ اُنہوں نے مصر میں چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھیں پھر سو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی عرض کی یارسول اللہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ میں چاشت کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بارہ رکعت کہتے ہیں اور لیث رحمۃ اللہ علیہ آٹھ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کولہوں پر مارا اور تین بار فرمایا کہ مالک (رحمۃ اللہ علیہ) کی رائے درست ہے یہ فرماتے ہیں کہ میرے کولہوں میں درد تھا اس رات سے جاتا رہا اور ان پر ایک نور تھا جب یہ نماز پڑھتے تھے وہ چمکنے لگتا تھا ان کی وفات ۳۴۴ھ میں ہوتی ہے۔ یہ نفح الطیب میں بیان ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن خفیف الشیرازی رحمۃ اللہ علیہ

شافعی ہیں مشائخ صوفیاء کے شیخ ہیں اولیاء عارفین کے استاد اور علم ظاہری و باطنی کے ممتاز حضرات کے اماموں میں سے ہیں آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ جب آپ بغداد میں داخل ہوئے چالیس روز قیام فرمایا کہ نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے پھر تشریف لے چلے تو جنگل میں ایک کنوئیں کی من پر ایک ہرن کو پانی پیتے دیکھا یہ بھی پیاسے تھے کنوئیں کے قریب تشریف لے گئے تو ہرن چلا گیا اور پانی کنوئیں کی تہ میں پہنچ گیا۔ آپ نے عرض کیا اے میرے مولانا آپ کے یہاں میرا مرتبہ اس ہرن کا سا بھی نہیں تو ایک کہنے والے کو سُنا کہ ہم نے تمہارا امتحان کیا ہے تم صبر نہیں کر سکے۔ ہرن تو بغیر ڈول رسّی کے آیا تھا اور تم ڈول رسّی کے ساتھ آئے ہو۔ پھر جو یہ لَوٹے تو کنواں بھرا ہوا تھا اُنہوں نے پیا اور پاکی حاصل کی اور ڈول میں بھر لیا پھر حج کیا اور واپس آئے مگر وہ پانی ختم نہ ہوا۔ یہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے تو جب اُن کی نظر ان پر پڑی فرمایا اگر کچھ دیر اور صبر کر لیتے تو تمہارے قدموں کے نیچے سے پانی اُبل پڑتا اور تمہارے پیچھے کو جاری ہو جاتا۔ ایک دن ایک برہمی

﴿ایک فرقہ تھا جو حق تعالیٰ کیلئے انبیاء کے بھیجنے کو ناجائز کہتا تھا۔۱۲ مترجم﴾ سے مناظرہ ہوگیا اُس نے کہا کہ اگر تمہارا دین حق ہے تو آؤ میں اور تم چالیس روز تک کھانے سے باز رہیں۔ دونوں نے ایسا کیا تو شیخ نے تو وہ مدت پوری کردی اور برہمی عاجز ہوگیا اور ایک اور برہمی نے ایک خاص مدت تک پانی کے اندر رہنے کی دعوت دی تو اُس مدت کے پورا ہونے سے پہلے برہمی تو مرگیا اور شیخ نے مدت پوری کردی۔ آپ کا انتقال ۳۷۱ھ میں ہوا ہے۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سو سال سے زیادہ عمر تھی اور انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ نماز کی صحت کے لئے خشوع شرط ہے اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

امام یافعی رحمۃ اللہ نے بیان کیا ہے کہ یہ شیخ فرماتے تھے کہ میں بہت بڑی مدت تک ابدال سے ملاقات کے واسطے ملک بہ ملک پھرتا رہا پھر سیر و سفر سے اُکتا گیا تو فارس کے شہر اصطخر میں لوٹ گیا وہاں خانقاہ صوفیاء میں پہنچا تو مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھا اور اُن کے سامنے کھانے کی کوئی چیز تھی اور وہ نو (۹) آدمی تھے جن میں سے حسن بن ابی سعد اور ابوالازہر بن حیان اور کچھ اور لوگ تھے میں کچھ دیر ٹھہرا رہا پھر وضو کیا جب میں فارغ ہوگیا تو اُنہوں نے مجھے جگہ دے دی میں بھی اُن کے ساتھ بیٹھ گیا اور جو وہ کھا رہے تھے میں بھی کھانے لگا پھر ہم سب الگ الگ ہوگئے تو میں کچھ دیر سو رہا۔ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی فرمایا اے ابن خفیف جن لوگوں کو تو تلاش کرتا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھنا چاہتا تھا وہ اس شہر میں یہی لوگ تھے اور تُو بھی اُن میں سے ہے۔ میرے دل نے تقاضا کیا کہ میں اُن سب حضرات کو اس کی اطلاع کردوں جو میں نے خواب میں دیکھا ہے مگر اُن کا وقار اور رُعب مجھ پر غالب آگیا۔ دن کا کچھ ہی حصہ گزرا تھا کہ شیخ ابوالحسن بن ابی سعد سامنے سے آئے اور فرمایا اے ابوعبداللہ! جو کچھ تم نے خواب میں دیکھا ہے اُن کی ان سب کو اطلاع کردو میں نے اطلاع کردی جب یہ خبر پھیل گئی تو وہ سب کے سب متفرق شہروں میں چلے گئے۔ (ص ۲۳/۱۰۵، کل ایک صفحہ ۲۰ سطر......ص ۲۴/۱۰۵)

محمد بن محمد بن اسمٰعیل صوفی بغدادی

واعظ ہیں جو ابن سمعون نام سے مشہور ہیں الکلام علی علوم الخواطر والاشارات میں خطیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زمانہ کے بے مثل اور وقت کے یکتا تھے۔ آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ آپ نے بیت المقدس کا قصد کیا اور اپنے ساتھ خشک صیحانی کھجوریں لے لیں۔ آپ کے نفس نے تر کھجوروں کا تقاضا کیا آپ اُس کو ملامت کرنے لگے اور فرمایا اس جگہ ہم کو تر کھجوریں کہاں سے مل سکتی ہیں۔ جب افطار کا وقت ہوا اور آپ نے وہ کھولیں تو تر کھجوریں تھیں۔ مگر آپ نے اُن میں سے کچھ نہیں کھایا۔ جب اگلا دن ہوا اور افطار کے لئے اُن کو پھر کھولا تو بحالہ خشک تھیں اور آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص کو تنگ دستی پیش آئی اور اُس کے پاس سوائے دو موزوں کے اور کچھ نہ رہا اُس نے موزے نکالے اور اُن کو فروخت کرنے کیلئے چلا تو ابن سمعون رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا اور یہ سوچا کہ مجلس میں حاضر ہو جاؤں۔ پھر جب لوٹوں گا فروخت کرلوں گا جب اُس شخص نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو شیخ نے پکار کر کہا موزے نہ بیچنا اللہ تعالیٰ تم کو رزق عطا فرماویں گے اور پھر اَیسا ہی ہوا اور آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ جس کو ابن باطیش نے اپنی کتاب اثبات کرامات الاولیاء میں ابو طاہر محمد علاحت سے روایت کر کے بیان کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مَیں ایک دن ابوالحسن کے پاس مجلس وعظ میں حاضر ہوا اور ابوالفتح تو اس کرسی کے برابر بیٹھے ہوئے تھے ان پر اُونگھ طاری ہوئی اور یہ سو گئے تو ابن سمعون کچھ دیر کو رُک گئے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو گئے اور سر اُٹھایا تو اُن سے ابن سمعون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ اُنہوں نے کہا جی ہاں! فرمایا اس وجہ سے مَیں بولنے سے رُک گیا تھا کہ مبادا تم گھبرا اُٹھو اور یہ حالت جس میں تم تھے منقطع ہو جائے۔ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ اس کو بتاتا ہے کہ ابن سمعون رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

بیداری میں کی ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے اور ابوالفتح نے خواب میں کی ہے آپ کا انتقال ۳۸۷ھ میں ہوا ہے اور اپنے گھر میں ہی دفن کئے گئے تھے پھر تینتیس (۳۳) سال بعد منتقل کئے گئے تو ایسے پائے گئے کہ کفن بھی پرانا نہ ہوا تھا۔ اور بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی قبر میں نکال کر لے جایا گیا تو ان کا کفن ایسے ہی حرکت کرتا جیسے کہ جب دفن کیا گیا تھا اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ (ص ۱۲/۱۰۶ کل ۱۴ سطر......ص ۳۳/۱۰۶)

ابو عبداللہ محمد بن فتوح بن عبداللہ الازادی الحمیدی رحمۃ اللہ علیہ

ان کی نسبت ان کے دادا حمید اُندلسی کی طرف ہے جو کتاب الجمع میں الصحیحین کے مصنف ہیں۔ یہ امام اور حافظِ حدیث ہیں ان کا انتقال بغداد میں ۴۸۸ھ میں واقع ہوا ہے۔ ابن ماکولا کہتے ہیں کہ ہمارے دوست ابو عبداللہ الحمیدی صاحب علم و فضل اور بیدار مغز تھے میں نے عفت و پاکبازی اور تقویٰ و شغل علم میں اُن جیسا کوئی اور نہیں دیکھا۔ آپ نے مظفر بن رئیس الرؤسا کو وصیت کی کہ وہ ان کو حضرت بشر حافی کی قبر کے قریب دفن کریں لیکن اُنہوں نے اُن کی وصیت کے خلاف کیا اور باب البرز کے مقبرہ میں دفن کر دیا۔ پھر جب ایک بار مظفر نے ان کو خواب میں دیکھا تو ایسا دیکھا کہ گویا یہ اُن پر مخالفتِ وصیت کی وجہ سے ناراض ہو رہے ہیں تو پھر صفر ۴۹۱ھ میں باب حرب کے مقبرہ میں حضرت بشر کی قبر کے پاس منتقل کر دیا اور اُس وقت بھی اُن کا کفن نیا اور بدن نرم اور تازہ اور اس میں سے خوشبو مہکتی تھی۔ اس کو نفح الطیب میں بیان کیا ہے۔ (ص ۲۹/۱۰۶، کل ۶ سطر......ص ۱۷/۱۶۷)

محمد بن محمد طوسیؒ امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

سیدی محی الدین بن العربی نے اپنی کتاب روح القدس میں ذکر کیا ہے کہ ابو عبداللہ بن زین باشبیلیہ جو افضل ترین لوگوں میں تھے امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں منہمک رہا کرتے تھے مگر ایک رات ابوالقاسم بن احمد کی ایک تالیف جو

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی رَدّ میں پڑھی تو اندھے ہو گئے فوراً سجدہ میں گر پڑے، گڑ گڑائے اور قسم کھائی کہ پھر کبھی اس کتاب کو نہیں پڑھیں گے اور اُس کو اپنے سے دُور کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی بینائی لوٹا دی اور سیدی محی الدین بن عربی نے اس واقعہ کو عبداللہ بن زین رضی اللہ عنہ کی کرامت میں ذکر کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن پر عنایت فرمائی اور اُن کو تنبیہ فرمادی۔ رضی اللہ عنہ وعن الامام الغزالی وعن سائرالاولیاء اللہ۔

مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتوں میں سے وہ بھی ہے جس کو یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن الملیق سے اور انہوں نے عرشی سے اور اُنہوں نے مرسی سے اور انہوں نے شاذلی سے اور انہوں نے شیخ بن حرازم سے روایت کی ہے کہ اپنے متوسلین پر تشریف لائے اور ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ فرمایا تم اس کو پہچانتے ہو؟ پھر فرمایا کہ یہ احیاء العلوم ہے۔ یہ شیخ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کیا کرتے تھے اور احیاء العلوم کو پڑھنے سے منع کیا کرتے تھے۔ پھر ان سب کے سامنے اپنا جسم کھول کر دکھایا تو وہ کوڑوں سے مارا ہوا تھا اور فرمایا کہ خواب میں میرے پاس امام غزالی آئے اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلایا۔ تب ہم دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو گئے تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا حضور یہ شخص یہ خیال کرتا ہے کہ مَیں جو کچھ آپ کی طرف سے کہتا ہوں وہ وہ کہتا ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مارنے کا حکم عطا فرمایا اور مجھے پیٹا گیا۔

اور آپ کی کرامتوں میں وہ بھی ہے جس کو عارف شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ مَیں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہما السلام پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے فخر فرما رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ کیا تمہاری اُمت میں بھی کوئی ایسا ہے دونوں حضرات علیہما السلام نے عرض کیا نہیں ہے اور عارف کبیر یمنی احمد صیاد نے خواب میں دیکھا کہ آسمانوں کے دروازے کھولے

گئے اور فرشتوں کی ایک جماعت نازل ہوئی اُن کے ہمراہ سبز خلعتیں ہیں اور سواری ہے پھر یہ سب ایک قبر کے سرہانے کھڑے ہوگئے اور اُس میں سے ایک شخص کو نکالا اور اُسے خلعت پہنایا۔ سواری پر سوار کیا اور آسمان کی طرف لے گئے اور آسمان در آسمان ساتوں آسمانوں سے گزر گئے۔ پھر وہ ان کے بعد ستر (۷۰) حجاب شق کر گیا تو مجھے اُن بزرگ سے تعجب ہوا اور ان کو معلوم کرنے کا ارادہ کیا تو بتایا گیا کہ یہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں مگر یہ علم نہیں ہوسکا کہ ان کی انتہاء کہاں تک ہے اور مرسی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے واسطے صدیقیت عظمیٰ کی شہادت دی ہے۔ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب قاضی عیاض نے احیاء العلوم کے جلا دینے کا فتویٰ دیا تو یہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچ گیا۔ آپ نے بددعا کی تو وہ دُعا ہی کے وقت حمام میں اچانک مر گئے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ مہدی نے ان کو حمام میں قتل کر دینے کا حکم دیا تھا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۵۰۵ھ میں ہوئی ہے۔ (ص ۳۳/ ۷/۱۰۷کل ۷ اسطر ..... ص ۳۲/۱۱۰)

ابوبکر محمد بن الولید الفہری طرطوشی رحمۃ اللہ علیہ

یہ سراج الملوک والے ہیں نفح الطیب میں بیان کیا ہے کہ صفدی رحمۃ اللہ علیہ نے طرطوشی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ افضل بن امیر الجیوش نے ان کو رصد گاہ کے قریب شقیق الملک کی مسجد میں رکھ دیا اور اُن کو بُرا سمجھا کرتا تھا۔ یہ عرصہ تک رہے اور تنگ ہوگئے تو آپ نے خادم سے کہا ہم کب تک صبر کئے جائیں تم جائز کھانا جمع کرلو اُس نے جمع کرلیا اور تین روز تک آپ نے کھایا اور جب مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو خادم سے فرمایا میں نے اس وقت اُس کے تیر مار دیا ہے۔ جب اگلا دن ہوا افضل گھوڑے پر سوار ہوئے اور قتل کر دیئے گئے۔ ان کے بعد مامون بن البطا ئی حاکم مقرر ہوئے اور انہوں نے شیخ کا بہت اکرام کیا شیخ کی وفات ۵۲۰ھ میں ہوئی ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن الحسین بن عبدویہ

کمران والے اور یہ یمن کی ایک مشہور وادی سردو کے مقابل سمندر میں ایک مشہور

جزیرہ ہے۔ یہ بزرگ بڑے فقیہ اور عالم تھے اصل میں عراق کے تھے اور انہوں نے شیخ ابوالاسحٰق شیرازی صاحب سے تنبیہ وغیرہ علوم کی تحصیل کی ہے پھر یمن آگئے تھے اور شہر زبید میں سکونت اختیار کرلی۔ لوگ اُن کی حیات میں زیارت و برکت کیلئے اُن کے پاس آیا کرتے تھے اور دُعائیں کرایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان سے نفع بخشے اور اخیر عمر میں نابینائی میں مُبتلا کیے گئے تھے اُن کے شاگردوں میں سے ایک فقیہ شہر جم میں تھے ان کو علم ہوا تو وہاں ایک طبیب ماہر فن تھا یہ اُس کو لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اور طبیب صاحب کے پہنچنے کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے جلیب کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر آپ نے ایک پوتے کو بلایا اور فرمایا لکھ لو جو مَیں لکھواؤں اور یہ اشعار لکھوائے۔

لوگ کہتے ہیں تیری آنکھوں پر ایک مصیبت آپڑی ہے تو گر تُو نشتر سے اس کا علاج کرلے تو جاتی رہے۔ مَیں نے جواب دیا کہ میرے رب اس سے میرا امتحان فرما رہے ہیں اگر مَیں صبر کرلوں گا تو اُن سے انعام پاؤں گا اور اگر گھبرانے لگوں گا تو ان کے ثواب سے محروم کردیا جاؤں گا۔ اور میرے لئے وہاں سے وبال خاص ہوگا مَیں تو صابر ہوں راضی ہوں شکر گزار ہوں مَیں اس کو بدلنے والا نہیں ہوں جو اُنہوں نے دیا ہے ہمارے شاہ کا فعل حسین اور عہدہ ہی ہوتا ہے اور اس کی صنعت کی کوئی مثال نہیں ہوتی اور میرا رب ظلم سے متصف نہیں ہے وہ اس سے بلند اور بہت بلند ہے۔

اور جب ان لفظوں پر پہنچے کہ مَیں صابر ہوں راضی ہوں اور شکر گزار ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی اور گھر بھر روشن نظر آیا حتیٰ کہ اپنے پوتے کو لکھتے ہوئے بھی دیکھ لیا پھر جب بینائی بحال ہوگئی تو صاحبزادہ سے فرمایا کہ ان طبیب سے جو ٹھہرا ہو وہ انہیں دے دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھ کو شفاء حاصل ہوگئی ہے۔

آپ کی وفات ۵۲۵ھ میں ہوئی ہے اور اسی جزیرہ میں اپنی مسجد کے برابر مدفون ہوئے ہیں اور آپ کی تربت برکت و فضل میں وہاں کی مشہور تر تربتوں میں ہے۔ ان بزرگ کے آثار و برکات اُس مبارک جگہ پر ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ اور نیک بندوں کا ملجا وماویٰ ہے۔ اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن الفضل

صوفیاء کے امام اور فقہائے شافعیہ میں سے ہیں بسطام میں انتقال ہوا اور وہیں ابو یزید بسطامی کے برابر دفن ہوئے ہیں اور جس دن اُن کی وفات ہوئی کسی نے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ رباط میں جھاڑو دے رہے ہیں برتنوں کو بھر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ کل میری قبر کے برابر ایک مرد صالح دفن کیا جائے گا جب قبر کھودنے والے نے اُن کے قبر کے اندر رکھا تو وہ بہت ہی کشادہ ہوگئی یہاں تک یہ شخص بے ہوش ہوگیا آپ کی وفات ۵۳۸ھ میں ہوئی ہے اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ (ص ۲۳/۱۱۱، کل ۲۶ سطر۔ ص ۳/۱۱۲)

ابو عبداللہ محمد البصری رحمۃ اللہ علیہ

امیر اُسامہ بن منقذ نے اپنی کتاب الاعتبار میں جس کا ذکر آچکا ہے۔ یہ ذکر کیا ہے کہ مجھ سے شیخ امام خطیب سراج الدین ابو طاہر ابراہیم بن الحسین بن ابراہیم خطیب شہر ''اسعر دبا'' نے ذیقعدہ ۵۶۲ھ میں بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوالفرج بغدادی نے (شاید ابن الجوزی ہیں مصنف ۱۲) بیان کیا ہے کہ مَیں شیخ امام ابو عبداللہ محمد البصری کی مجلس میں بغداد میں حاضر تھا ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضور آپ بھی اُن لوگوں میں سے ہیں جو میرے مہر پر حاضر ہوئے تھے۔ میرے پاس سے مہر کا کاغذ گم ہوگیا ہے مَیں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ مجھ پر کرم فرمائیں اور قاضی کی مجلس میں شہادت دے دیں۔ فرمایا جب تک مٹھائی نہ لاؤ گی مَیں ایسا نہ کروں گا۔ وہ کھڑی رہی اور یہ سمجھی کہ شیخ اس کہنے سے مزاح فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا دیر نہ لگاؤ مَیں تمہارے ساتھ اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک مٹھائی نہ لاؤ گی وہ چلی گئی پھر لوٹی اور اپنی لنگی کی جیب میں سے ایک کاغذ نکالا جس میں سوکھی ہوئی مٹھائی تھی۔ آپ کے متوسلین کے باوجود آپ کے زہد و عفیف ہونے کے اُس مانگنے سے تعجب ہوا۔ آپ نے وہ کاغذ لے لیا کھولا اور مٹھائی کو ریزہ ریزہ کر کے پھینک دیا۔ پھر جب کاغذ خالی ہوگیا

اور دیکھا تو وہ اس کے مہر کا وہ کاغذ تھا جو اس کے پاس سے گم ہو گیا تھا۔ فرمایا لوا پنے مہر کا کاغذ لے لو یہ وہی ہے جتنے لوگ حاضر تھے سب نے اس کو ایک بڑی بات سمجھا۔

محمد بن الموفق الجوشانی رحمۃ اللہ علیہ

مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اماموں میں سے ہیں اور یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے حکومت فاطمین کے ختم ہو جانے کے بعد صلاح الدین کے حکم سے مصر میں سب سے پہلے بنی عباس کے نام کا خطبہ پڑھا ہے آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ ابن ابی حصیہ نے ایک قصیدہ سے آپ کی مدح کی اور یہ انعام طلب کیا کہ اس کی اپاہج لڑکی کے واسطے آپ دُعا فرمادیں آپ نے دُعا فرمائی اور وہ تین دن بعد اُٹھ کر چلنے پھرنے لگی کہ گویا اسے کوئی مرض ہی نہ تھا۔ آپ کی وفات ۵۸۷ھ میں ہوئی اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں کی طرف دفن کئے گئے۔ اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ (ص ۱۹/۱۱۳، کل چودہ سطر۔۔۔ص ۲/۱۱۳)

ابوعبداللہ محمد بن اشرف الرندی

سیدی محی الدین ابن العربی فرماتے ہیں کہ مَیں ان سے اشبیلیہ میں ملا اور ان کے پاس تین دن ٹھہرا اور لوٹ آیا تھا۔ انہوں نے ان تمام باتوں کی جو اُن سے جدا ہونے کے بعد مجھے پیش آنے والی تھیں حرفاً حرفاً اطلاع کردی تھی اور پھر ایسے ہی ہوا۔ اور فرمایا ہے کہ اُن کی شہرت کا سبب یہ ہوا کہ یہ اکثر ایک بہت اُونچے پہاڑ پر جا کر بیٹھا کرتے۔ ایک آدمی اپنی کسی ضرورت کیلئے وہاں گیا تو اُس نے نور کا ایک ستون دیکھا جس کی شعاعیں پھیل رہی ہیں اور یہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا۔ یہ اس کی طرف گیا تو یہ پایا کہ وہ نور ہمارے بزرگ حضرت ابوعبداللہ ہیں جو کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اس نے ان کو مشہور کردیا۔ (ص ۵/۱۱۳ کل دو سطر۔۔۔ص ۱۶/۱۱۳)

ابوعبداللہ محمد المعروف بزنہار عجمی فارسی

حافظ زکی الدین عبدالحفیظ منذری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں ان شیخ زنہار سے

نقل کیا گیا ہے کہ جب یہ مصر میں خستہ حالی میں داخل ہوئے تو ایک پیتل کے برتن بنانے والے کی دکان پر سو گئے۔ رات کو اس دکان میں چوری ہوگئی۔ دکاندار نے پہرے والے کو پکڑا۔ پہرہ دار نے کہا تمہاری دکان پر سوائے اس فقیر کے اور کوئی نہیں سویا۔ دکاندار نے جواب دیا کہ تُو اس فقیر کو چوری کی تہمت لگاتا ہے تو (میں چوری کا دعویٰ ہی نہیں کرتا صبر کرتا ہوں) بس میرا ثواب اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے کیونکہ اس فقیر پر نیکی کے آثار معلوم ہو رہے ہیں۔ شیخ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر اس طباق کو کہہ دیں کہ تُو سونے کا بن جا تو وہ اللہ کے فضل سے سونے کا بن جاوے وہ طباق فوراً سونے کا ہوگیا۔

آپ نے اس کو فرمایا کہ جیسا تھا ویسا ہی ہو جا۔ میں نے تو تیری مثال بیان کی تھی وہ پھر اصلی حالت پر ہوگیا۔ دکاندار نے عرض کی کہ حضرت میرے لئے دُعا فرمایئے۔ آپ نے دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے فقر کو دُور فرمائیں۔ دُعا قبول ہوگئی اور وہ مال دار ہوگیا۔ اس کو سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن ارسلان مصری ابوعبدالرحمٰن

آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ آپ کپڑے کو ایک درہم میں سِیا کرتے تھے اگر کپڑے والا ان کو کھرا درہم دیتا تھا تو گریبان کُھلا ہوا پاتا تھا تو اگر کھوٹا درہم دیتا تھا تو بند پاتا تھا۔ وہ لوٹتا تو آپ اس سے فرماتے اپنا درہم تو لو وہ لیتا اور دوسرا دیتا تو کُھلا ہوا پالیتا۔ آپ کی وفات مصر میں سنہ ۵۹۱ھ میں ہوئی ہے اور اپنے والد شیخ ارسلان کے مقبرہ میں دفن ہوئے ہیں۔ یہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ (ص ۱/۱۱۴، کل ۱۱ سطر۔ ص ۱۰/۱۱۴)

محمد بن احمد بن ابراہیم ابوعبداللہ القرشی الہاشمی

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خود یہ شیخ بیان کرتے ہیں کہ جب بلادِ مصر میں بہت سخت گرانی ہوگئی میں دُعا کے واسطے چلا۔ ارشاد فرمایا گیا دُعا نہ کرو اس باب میں تم میں سے کسی کی دُعا نہیں سُنی جائے گی تو میں نے شام کی طرف سفر کیا۔ جب

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مزار مبارک کے قریب پہنچا تو حضرت خلیل علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔ مَیں نے عرض کیا اَے اللہ کے خلیل آپ اپنے یہاں میری مہمانی اہلِ مصر کے حق میں دُعا کرنا قبول فرمائیے۔ اُنھوں نے دُعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ مصر پر کشادگی فرمادی۔

جب شیخ ابوعبداللہ بیت المقدس پہنچے تو فقیہ ابوطاہر محلی بھی ہمراہ تھے فقیہ ابوطاہر مذکور ایک روز بیت المقدس کے مدرسہ پر گزرے تو اس کے دروازے پر چند فقہاء قابلِ تعظیم ہیئت ولباس میں بیٹھے تھے اور ان میں سے اکثر عجمی تھے ان کو چونکہ یہ اپنے دل میں نوجوان سیاہ رنگ اور خستہ حال ہونے کی وجہ سے حقیر تھے ان کو پاس سے گزرتے ہوئے شرم آئی۔ جب یہ شیخ کے پاس لوٹ کر آئے اور رات بھر صبح تک شیخ کے ہی پاس رہے تو شیخ نے فرمایا۔ اس مدرسہ پر جہاں تم کل گزرے تھے جاؤ اور اس میں مدرس ہو جاؤ۔ فرماتے ہیں مجھے تعجب ہوا اور یہ بہت بڑی بات معلوم ہوئی بلکہ مَیں نے ایسا ہو جانے کو محال سمجھا۔ مگر سوائے امتثال اَمر کے اور کچھ ممکن بھی تھا۔ مَیں مدرسہ گیا اور دل میں خیال کرر ہا تھا کہ دربان مجھے اندر جانے سے ہی روک دے گا مگر اس نے روکا نہیں اور مَیں اندر چلا گیا تو دیکھا کہ مدرس بیٹھا ہوا ہے اور اس کے چاروں طرف ایک بڑا سا حلقہ ہے، مَیں نے حلقہ کے اندر جانا چاہا تو حقیر وذلیل سمجھنے کی وجہ سے کسی نے جگہ نہ دی۔ میں اُن کے پیچھے ہی بیٹھ گیا۔ پھر ایک آدمی مدرسہ کے دروازہ میں داخل ہوا۔

جب مدرس نے ان کو دیکھا تو ترش رو ہوا مگر اس کے استقبال کے لئے اُٹھا اور ساری کی ساری جماعت بھی منقبض ہوگئی۔ مَیں نے اُس شخص سے کہ جس کی پُشت کے پیچھے مَیں تھا یہ کہا کہ بھائی جماعت کی جماعت کو کیا ہوا؟ اُس نے کہا یہ جو شخص آیا ہے بڑا مناظر ومجادل ہے ہر بات میں خلاف کرتا ہے اور اُس کے جواب کی کسی کو طاقت نہیں۔ جب یہ آتا ہے تو اُس کے ساتھ سوائے چاپلوسی کے شیخ کی کوئی گفتگو نہیں ہوسکتی اور کوئی شخص اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ مدرس نے اس کا استقبال کیا تھا تو اسے اپنی جگہ بٹھایا تھا

جب وہ بیٹھ گیا تو اُس نے ایک بہت مشکل اختلافی مسئلہ پیش کیا۔ وہ اعتراض کی تقریر پوری کر چکا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کے اعتراض کا یاد رکھنا اور اس کا جواب کھول دیا۔

میں نے اس سے بحث کی اور ان دونوں کے درمیان کود پڑا۔ میری زبان خوب چلنے لگی تو مَیں نے اس کے سوال کو بھی برقرار رکھا اس میں کوئی تغیر نہیں کیا اور یہ مناظرین کی ترتیب ہوتی تھی کہ سوال کا اعادہ کیا کرتے تھے۔ پھر مَیں نے اس کا جواب دیا جو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈال دیا تھا حالانکہ میں نے علم مناظرہ کی کوئی کتاب پڑھی تھی نہ کسی سے مناظرہ کیا تھا۔ میرے اس فعل سے ان مدرس صاحب نے بہت تعجب کیا اور باعث تو حیران رہ گئے اور اس کی وجہ سے سب کے سب میری بہت تعظیم کرنے لگے۔ مناظر صاحب نے مدرس سے کہا کہ یہ فقیہ تم کو کہاں سے مل گیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم نے تو اس کو اسی وقت دیکھا ہے۔ مناظر نے کہا مدرسے تو ایسے لوگوں کے واسطے بننے چاہئیں۔ مدرس صاحب بہت خوش ہوئے کہ ان کے حلقہ درس میں وہ شخص ہے جس نے اس مناظر کو جواب دیا۔

پھر مدرس صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ مَیں نے اپنا نام بتایا تو فرمایا کہ مَیں نے تم کو یہاں کا مدرس بنا دیا۔ پھر وہ اُٹھے اور مَیں بھی اور جماعت بھی میرے ساتھ اُٹھ گئی اور مدرس صاحب نے کہا اے فقیہ ہم لوگوں کی عادت یہ ہے کہ جب کسی صاحب کو مدرس بناتے ہیں اس کے مدرس بنانے کے وقت اس کو اس کے گھر تک پہنچا کر آیا کرتے ہیں جب مدرسہ سے باہر آ گئے تو اُنہوں نے خواہش کی کہ وہ اور جماعت میرے ساتھ چلیں۔ مَیں نے کہا کہ مجھے اس سے معاف رکھا جائے۔ اُنہوں نے قبول کر لیا اور لوٹ گئے۔ جب مَیں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا اَے بے بلائے ہوئے مناظر تم نے ان کو کیوں منع کر دیا کہ وہ اپنے معمول پر عمل کریں اور تم کو تمہاری جگہ پر پہنچا دیں۔ مَیں نے عرض کیا حضرت آپ کے قلب سے بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اور پھر مَیں جب تک شیخ کی وفات ہوئی اسی مدرسہ میں رہا اور ان کی

کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آخری صورت جس میں دنیا میرے سامنے آئی ایک حسین نوجوان عورت کی صورت میں تھی جو اس مسجد میں جس میں مَیں رہتا تھا جھاڑو دیتی تھی۔ مَیں نے کہا تُو کیوں آئی؟ اُس نے کہا آپ کی خدمت کرنے کے لئے آئی ہوں۔ مَیں نے کہا اللہ کی قسم نہیں اُس نے کہا ضرور تو مَیں نے ایک لاٹھی سے جو میرے پاس تھی اشارہ کیا اور مارنے کا ارادہ کیا تو وہ ایک بڑھیا بن گئی اور مسجد میں جھاڑو دینے لگی۔ مَیں اس سے غافل ہوا تو پھر ایسی ہی ہوگئی جیسی تھی۔ مَیں اُٹھا کہ اس کو نکال دوں تو وہ پھر ضعیف بڑھیا بن گئی۔ مجھے اس پر رحم آ گیا۔ پھر غافل ہوا تو پھر نوجوان بن گئی۔ مجھے اس پر تغیر ہوا اور گھبرا کر اُٹھا تو اُس نے کہا آپ زیادہ فرمائیں یا کم مَیں تو اسی طرح آپ کی خدمت کیا کروں گی اور اسی طرح مَیں نے آپ کے ہم مشربوں کی خدمت کی ہے تو اس دن سے اسباب میں مجھے کوئی دُشواری پیش نہیں آئی۔

اور آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ فرماتے ہیں مَیں ایک مرتبہ بدر میں تھا مکہ مکرمہ جا رہا تھا اور وہاں ایک شخص تھا جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ ان کو حاجیوں کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کر رہا تھا کہ قیمت مکہ مکرمہ میں لے لے گا مجھے بھی اس میں سے کچھ دیں اور لے لینے پر اصرار کیا اور کہا کہ مکہ مکرمہ تک قیمت کا تم سے صبر کروں گا اور تم آ گئے تو یہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ اور میرے ساتھ ساتھ رہا یہاں تک کہ مَیں نے لے لیں پھر اسے ہم سے پہلے سفر پیش آ گیا تو اس نے مجھ سے قیمت کا مطالبہ کیا۔ مَیں نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں اور تم نے تو یہ کہا تھا کہ تم مکہ مکرمہ ہی میں قیمت لو گے۔ اس نے کہا ابھی قیمت دینا ضروری ہے اور مجھ پر بہت شدت کی تکلیف اور گالیاں دیں تو مَیں بدر کی مسجد میں گیا اور وہاں گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی پھر نکلا تو ایک شخص ملا جیسے کوئی گاؤں کا رہنے والا ہو اس پر احرام کے کپڑے بھی تھے اس نے مجھے چند درہم دیئے اور میرے ہاتھ میں گن دیئے۔ مَیں قرض خواہ کے پاس گیا اور قرض ادا کر دیا۔ تو اس کی ایذاء اور بڑھ گئی اور کہنے لگا لوگ

درہم چھپائے رہتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں اور قسم کھا لیتے ہیں کہ اُن کے پاس درہم نہیں ہیں حالانکہ اُن کے پاس ہوتے ہیں مگر مَیں خاموش رہا اور کوئی جواب نہیں دیا۔

آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے، کہتے ہیں مَیں جدہ کے سمندر میں تھا اور میرے ساتھ میرا ایک ساتھی تھا اسے بہت شدت کی پیاس لگی۔ میرے پاس ایک چادر تھی اور اس کے سوا اور چادر نہ تھی تو مَیں نے لوگوں سے پوچھا کہ کوئی ہے جو میری چادر کے عوض پانی فروخت کردے مگر کسی نے نہ دیا تو مَیں نے اپنے ساتھی سے کہا یہ چادر لو اور جہاز کے کپتان کے پاس جاؤ یہ اس کے پاس لوٹا لے کر گئے تو اس نے انہیں جھڑک دیا ان پر چلایا اور لوٹا ہاتھ سے لے کر پھینک دیا مگر لوٹا سمندر میں نہیں گرا جہاز ہی میں گر گیا تھا یہ میرے پاس لَوٹ آئے۔ مَیں نے اُن کی خستہ حالی، شکستگی اور سخت حاجت کو دیکھا تو جان لیا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس حالت میں نہ چھوڑیں گے۔ مَیں نے لوٹا لیا اور اس کو سمندر سے بھر لیا اسے پیا اور سیراب ہو گیا۔ پھر لوٹا مَیں نے لیا اور پیا کہ میں بھی سیراب ہو گیا اور جو لوگ میرے آس پاس تھے جن کے پاس پانی نہ تھا سب نے پیا پھر مَیں نے دوبارہ اُسے بھرا اور آٹا گوندھا جب ہماری ضرورت پوری ہو گئی تو اب تو اس کے بعد بھرا تو شور اور کڑواہی پانی آیا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں اور مَیں نے جان لیا کہ جب حاجت واقع ہوتی ہے جب ہی چیزوں کی حقیقت بدلتی ہے۔

آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے فرماتے ہیں کہ مَیں منیٰ میں تھا پیاس لگی تو پانی نہ ملا اور نہ کوئی چیز کہ جس سے پانی خرید لوں۔ مَیں کنویں پر گیا تو وہاں عجمی لوگوں کو پایا۔ مَیں نے ایک شخص سے کہا کہ مجھے اس لوٹے میں پانی دے دو۔ اُس نے مجھے مارا اور لوٹا میرے ہاتھ سے لے کر دُور پھینک دیا۔ مَیں دل شکستہ اُس کی طرف چلا کہ اُٹھا لاؤں تو اُس کو میٹھے پانی کے گڑھے میں پایا۔ مَیں نے پانی بھرا اور خود بھی پیا اور ساتھیوں کے لئے بھی لایا۔ سب قصہ سنایا تو وہ اس جگہ کو چلے کہ وہاں سے پانی بھر لائیں تو نہ وہاں پانی پایا نہ پانی کا کوئی نشان۔ مَیں سمجھا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک نشانی تھی۔

یہ تو یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور شعرانی کہتے ہیں کہ آپ کی کرامتوں میں یہ ہے رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے اپنے متوسلین پر یہ شرط لگائی تھی کہ وہ اپنے گھروں میں بس ایک ہی چیز پکایا کریں تا کہ کوئی ایک دوسرے سے ممتاز نہ رہے۔ اتفاق سے ایک صاحب نے اپنی اہلیہ سے پوچھا تمہارا کیا جی چاہتا ہے کہ بازار سے لے آئیں اور پکائیں۔ اس نے کہا کہ اپنی لڑکی سے مشورہ کرلو۔ انہوں نے لڑکی سے پوچھا کہ تیرا کیا جی چاہتا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ میرا جو جی چاہتا ہے آپ اُسے پورا نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا ہاں ہاں پورا کر سکتا ہوں اگر چہ ایک ہزار اشرفیوں سے ہو اور کہا کہ تُو ضرور بتا؟ اس نے کہا کہ قرشی بزرگ سے میری شادی کر دیجئے اور شیخ رضی اللہ عنہ اَندھے اور کوڑھے تھے ان جیسے کو کوئی عورت پسند نہیں کر سکتی تھی۔

کہتے ہیں کہ مَیں قرشی کے پاس آیا اور حال بتایا تو فرمایا قاضی کو بلا لو۔ قاضی آیا اور نکاح کر دیا اور اس کو سجا بنا کر شیخ کے یہاں حاضر کر دیا۔ جب عورتیں چلی گئیں تو شیخ غسل خانہ میں گئے اور نکلے تو نوجوان حسین صورت بے داڑھی تھے۔ عمدہ کپڑے نفیس خوشبوئیں تھیں۔ اس نے حیاء سے اپنا چہرہ چھپا لیا تو فرمایا پردہ میں نہ کرو مَیں قرشی ہی ہوں، اس نے کہا کہ آپ قرشی ہیں؟ آپ نے اس کے اطمینان کے واسطے اللہ کی قسم کھائی، اُس نے عرض کیا یہ کیا حالت ہے؟ فرمایا مَیں تمہارے پاس اسی حالت میں رہا کروں گا اور دوسروں کے پاس اسی حالت میں لیکن میری زندگی بھر کسی کو اس کی خبر نہ کرنا۔ اس نے عرض کیا بہت اچھا مگر مَیں تو آپ کی اسی حالت کو اختیار کرتی ہوں جس پر آپ لوگوں میں ہوتے ہیں کوڑھ، برص اور اندھے پن کی، فرمایا اللہ تم کو بہتر جزاء دے پھر وہ ان کے ساتھ اسی حالت میں ہمیشہ رہی۔

یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شیخ ابو العباس حرار سے روایت ہے کہتے ہیں کہ شیخ ابو یوسف ہمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابو عبداللہ قرشی کے پاس وقت مقررہ پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دن مجھ کو شیخ ابو یوسف نے بھیجا

کہ مَیں اُن سے پوچھ کر آؤں کیا آج وقت مقرر فرمائیں گے یا نہیں؟ مَیں گیا تو جب اس میدان میں پہنچا جس میں اُن کے گھر کا دروازہ تھا، تردّد اور ہیبت میں کھڑا رہا کہ ایک کھڑکی کھلی اور ایک باندی نے اس میں سے سر نکالا اور کہا۔

احمد شیخ فرماتے ہیں کہ ابو یوسف سے کہہ دینا کہ ہم آج وقت مقرر نہ کریں گے۔ مَیں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ شیخ نے بغیر میرے سوال کی جرأت کئے معاملہ طے فرما دیا۔ جب مَیں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا آپ لیٹے ہوئے تھے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم دروازے والے میدان میں کیوں ٹھہر گئے تھے کہ شیخ کی باندی کو کہنا پڑا۔ مَیں نے عرض کیا حضرت مجھے ہیبت ہوتی ہے فرمایا جب تم تنہا ہوا کرو ہیبت رکھا کرو اور جب میرے ﴿یعنی اس وقت جبکہ مَیں نے تم کو بھیجا تھا میری توجہ تمہارے ساتھ تھی تو گویا مَیں ساتھ تھا میرے ساتھ ہونے کے وقت جرأت کیا کرو۔۱۲﴾ ساتھ ہو تو جرأت کیا کرو۔ ان شیخ ابوالعباس سے پوچھا گیا کہ اس قصہ میں ان دونوں بزرگوں میں سے کس کا کشف اعلیٰ تھا؟ فرمایا قرشی صاحب کا کیونکہ ابو یوسف صاحب نے تو مجھے بھیجا ہی تھا ان کی توجہ میرے ساتھ تھی جو کچھ مجھے پیش آتا وہ محسوس کر ہی لیتے اور قرشی صاحب آئینہ کی طرح ہیں کہ ہر اس چیز کو محسوس فرما لیتے جو اُن کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ محمد بن احمد بن ابراہیم ابو عبداللہ القرشی ان کی اصل بلادِ اُندلس سے ہے پھر مصر میں سکونت اختیار کی پھر بیت المقدس میں اور مشائخ مغرب و مصر کے بڑے لوگوں میں تھے۔ خواب میں ایک ہزار مرتبہ رب العزت کو دیکھا ہے۔ آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ جب کوڑھ میں مبتلا ہو گئے تو نماز کے وقت یہ مرض جاتا رہتا اور تندرست ہو جاتے تھے جب فارغ ہو جاتے تو پھر ویسے ہی ہو جاتے جیسے پہلے تھے اور یہ بھی ہے کہ آپ ایک مرتبہ دریا کے ساحل پر آئے کہ عبور کر جائیں۔ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمراہ تھے مگر کوئی کشتی نہ ملی۔ آپ نے قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑا اور پانی کے اُوپر کو چلے گئے اور آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آ

پ نے اپنے متوسلین کو فرمایا کہ مصر کے نکل چلنے کی تیاری کرو کیونکہ مصر میں وباء نازل ہوگئی ہے۔ یہ خبر خطیب عراقی کو پہنچ گئی تو فرمایا کہ ان پر وحی نازل ہوئی ہے۔ قرشی صاحب کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ وہ اس کے بعد منبر پر نہ چڑھ سکیں گے۔ تو پھر وہ مر گئے اور آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ ایک بار یہ آواز دی گئی کہ اہلِ مصر پر بلا نازل ہوگی۔ تو آپ نے عرض کیا کیا مصر میں بلا واقع ہوجائے گی اور مَیں بھی اُنہوں میں ہوں گا تو کہا گیا کہ آپ ان میں سے نکل جایئے بلا کا واقعہ ہونا ضروری ہے۔ یہ نکل کر شام چلے گئے اور اہلِ مصر پر جو بلا نازل ہوئی اُن کی اہلیہ نے بیان کیا ہے کہ مَیں اُن کے پاس سے باہر نکلی اور اُن کو تنہا چھوڑ دیا تو مَیں نے ان کے پاس کسی کو باتیں کرتے سُنا مَیں ٹھہر گئی۔ یہاں تک کہ اس کی گفتگو ختم ہوگئی، مَیں داخل ہوئی اور پوچھا یہ کون تھے؟ فرمایا خضر علیہ السلام تھے۔ نجد کے مُلک سے زیتون لائے ہیں تم کھالو کیونکہ اس میں تمہاری شفاء ہے۔ مَیں نے کہا جاؤ تم بھی اور تمہارا زیتون بھی مجھے اس کی ضرورت نہیں اور خود فرمایا ہے کہ مَیں کسی ساحل پر چل رہا تھا تو مجھ سے ایک گھاس نے کہا کہ مَیں اس مرض کی شفاء ہوں جو تم کو ہے مگر مَیں نے اس میں سے کچھ نہیں لیا۔

ناذقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں شیخ ابو العباس احمد قسطلانی کا بیان ہے کہ مَیں نے شیخ محمد قرشی کو یہ کہتے سُنا ہے کہ مَیں شیخ ابراہیم بن ظریف کے پاس تھا اُن سے پوچھا گیا کیا انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنے نفس پر کوئی عہد کرلے کہ بغیر مقصود حاصل ہوئے اس کے خلاف نہ کرے گا۔ فرمایا ہاں اور بنی النضیر کے قصہ میں ابولبابہ کی حدیث سے استدلال کیا اور اس حدیث سے کہ جان لو اگر وہ میرے پاس آتا تو مَیں اس کے لئے استغفار کرتا۔ لیکن جب وہ اپنے لئے ایسا کرے تو اس کو چھوڑ دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے باب میں کوئی حکم فرمائیں۔ شیخ محمد القرشی کہتے ہیں کہ جب مَیں نے یہ سُنا تو عہد کرلیا کہ بغیر اس کے کہ کوئی قدرت ظاہر ہو میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔ مَیں تین دن ایسے ہی رہا اور مَیں ان دنوں دکان میں اپنا کام کیا کرتا تھا

مَیں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص ظاہر ہوا جس کے ہاتھ میں ایک برتن تھا اور برتن میں کوئی چیز تھی کہنے لگا عشاء تک صبر کرو تو تم اس میں سے کھاؤ گے۔ پھر وہ غائب ہو گیا۔ مَیں مغرب اور عشاء کے درمیان اپنے وظیفہ میں تھا کہ دیوار پھٹی اور اس میں سے ایک حور ظاہر ہوئی جس کے ہاتھ میں وہی برتن تھا اور اس میں شہد جیسی کوئی چیز تھی اُس نے میرے سامنے کیا اور تین بار مجھے چٹایا۔ مَیں بچھاڑ کر کھا گیا اور بے ہوش ہو گیا پھر افاقہ ہوا تو اُس کے بعد کوئی کھانا مجھے اچھا معلوم نہیں ہوا اور نہ اس حُور کے بعد کوئی شخص مجھے حسین معلوم ہوا اور نہ مَیں مخلوق سے کچھ سُن سکتا تھا اور اسی حال پر ایک مدت تک رہا۔ شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ مَیں اپنے ابتداء حال میں آٹا خریدا کرتا تھا اور سارے راستہ جو مجھ سے مانگتا دیتا رہتا تھا یہاں تک کہ گھر پہنچ جاتا تھا۔ پھر اس کو تولتا تو اتنا ہی پاتا جتنا لیا تھا اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک درہم کا آٹا خریدا سامنے سے ایک سائل آ گیا آپ نے وہ اسے دے دیا اور چلے گئے تو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا پایا کھولا تو اس میں ایک درہم پایا اس سے پھر آٹا خریدا اور گھر لوٹ گئے۔ اور خود انہی سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے الملک الکامل اور اس کے نائب السلطنت کے ساتھ اس برتن میں جس میں دودھ تھا کھانا کھایا تو نائب السلطنت آپ کے مرض کی وجہ سے ساتھ کھانے سے رُک گیا۔ شیخ نے فرمایا اگر تم اس مرض میں مُبتلا ہاتھ کی وجہ سے کھانا کھانے سے رُک گئے ہو تو میرے ساتھ اُس ہاتھ کی وجہ سے کھاؤ اور ہاتھ نکالا تو چاندی کی طرح سفید تھا اس میں کوئی مرض نہ تھا۔ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کا انتقال بیت المقدس میں ۵۹۹ھ میں ہوا ہے اور وہیں دفن کیے گئے ہیں پھر آپ کے برابر ہی ابن ارسلان دفن کیے گئے ہیں۔ (ص ۲۹/۱۱۶، کل ۲ صفحہ ۱۹ سطر۔۔ص ۳۰/۱۱۶)

کتاب نفح الطیب میں ہے کہ ابو عبداللہ القرشی کے افادات میں سے یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے شیخ ابو اسحاق بن ظریف سے سُنا ہے کہتے تھے کہ جب مَیں شیخ ابو حسن غالب الوفاۃ کے پاس حاضر ہوا تو اُنہوں نے اپنے متوسلین سے فرمایا کہ سب

جمع ہو جاؤ اور ستر مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھو اور اس کا ثواب شیخ کو بخش دو کیونکہ مجھے بات پہنچی ہے کہ یہ مؤمن کے واسطے دوزخ سے فدیہ ہے۔ ابواسحٰق کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا کیا سب پڑھنے کے لئے جمع ہوئے اور اس کا ثواب شیخ کو بخش دیا اور آپ کے افادات میں سے یہ بھی ہے کہ مَیں شیخ ابومحمد عبداللہ المناوری کے پاس پہنچا تو فرمایا مَیں تم کو ایسی چیز سکھادوں کہ جب تم کو کوئی ضرورت ہو اس سے امداد لے لیا کرو یہ کہا کرو:

"یا واحد یا احد یا واجد یا جواد انفحنا
منک بنفحتہ خیر انک علٰی کُلِّ شیءٍ قدیر"

فرماتے ہیں کہ جب سے مَیں نے یہ سنا ہے مَیں اسی سے خرچ کرتا ہوں۔

ابوعبداللہ محمد بن یوسف یمنی ضجاعی رحمۃ اللہ علیہ

موضع ضجاع کی طرف منسوب ہیں۔ ضریر (اندھا) لقب سے مشہور ہیں۔ کیونکہ آپ نابینا پیدا ہوئے تھے آنکھیں بالکل پچکی ہوئی تھیں۔ شگاف بھی نہ تھا۔ بڑے امام عالم عارف کامل ہوئے ہیں۔ آپ سے مخلوق کی بہت بڑی جماعت نے نفع حاصل کیا ہے اور بڑے بڑے اہلِ علم کی ایک جماعت نے آپ سے تحصیل کی ہے جیسے فقیہ علی بن قاسم حکمی۔ آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ جو کچھ سُنتے تھے ایک ہی مرتبہ میں اُسے حفظ کر لیتے تھے کم ہو یا زیادہ۔ یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ فقہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہدایہ ﴿جس کی چار جلدیں ہیں اور ہر جلد تقریباً ڈھائی سو تین سو صفحات کی ہے۔ ۱۲ مترجم﴾ ایک ہی دفعہ سُننے سے حفظ کر لی۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے جو فقیہ کبیر احمد بن موسیٰ بن عجیل سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرما رہے ہیں اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر علم کھول دے تو ضریر کی قبر کی مٹی میں سے کچھ لو اور اس کو نہار منہ نگل جاؤ۔ ان فقیہ نے ایسا ہی کیا اور اس کی برکتیں ظاہر ہو گئیں اور یہ ان کے شروع شروع کا قصہ ہے۔ اور

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ جب مجاہد بادشاہ کے زمانے میں عرب میں پھوٹ پڑی اور وادی رمع وغیرہ کی آبادیاں تباہ ہوگئیں۔فقہاء بنی زیاد کے پاس بہت سی کتابیں تھیں نہ اُن کا منتقل کرنا ممکن تھا اور نہ یہ ہوسکتا تھا کہ خود شہر سے نکل جائیں اور کتابیں چھوڑ جائیں وہ ان کی وجہ سے بہت فکر میں تھے۔اتفاق سے شیخ طلحہ بن عیسیٰ ہتار اپنے شروع شروع زمانہ میں وہاں پہنچ گئے اور شام کو وہیں رہے۔ان حضرات کا یہ حال دیکھا تو اُن کو بھی فکر ہوا۔خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ فرمایا فقہاء بنی زیاد سے کہہ دو کہ اپنی کتابیں ضریر کی قبر پر منتقل کردیں وہاں ان کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔جب بیدار ہوئے تو سب کو اطلاع کردی۔ان حضرات نے جلدی جلدی سب کتابیں شیخ کی قبر پر منتقل کردیں اور یہ کتابیں تقریباً ایک سال وہیں دھوپ اور بارش میں رہیں مگر کوئی نقصان نہیں ہوا اور نہ عرب وغیرہ میں سے کوئی ان میں سے کچھ لے سکا۔اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ مجھے بعض ثقہ علماء نے حضرت شیخ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے ان کے والد شیخ طلحہ سے روایت کر کے یہ قصہ سنایا ہے اور مَیں نے فقہاء بنی زیاد میں سے فقیہ صالح عتیق بن زیاد سے پوچھا انہوں نے کہا کہ ہمارے یہاں یہ بات مشہور ہے اور ایک سے دوسرے تک نقل ہوتی آئی ہے حضرت فقیہ ضریر نے ۶۰۰ھ میں انتقال کیا ہے اور ان کا مزار اُن کے موضع میں مشہور ہے لوگ اس کی زیارت اور برکت حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں اور ان کا نسب قبیلہ بکر بن وائل بن ربیعہ میں ہے۔

ابو مدین شعیب

اور ان کا نام محمد بن احمد بن عمران العیاشی الیمانی ہے۔ان کا لقب شعیب اس قدر مشہور ہوگیا کہ اسی سے پہچانے جاتے ہیں۔بڑے فقیہ عالم بہت اعتکاف کرنے والے اور گوشہ نشین تھے۔ان کی کرامتیں بہت ہیں ایک یہ بھی ہے کہ جب اُن کی وفات ہوئی اور مقبرہ لے گئے تو کوئی مؤذن کسی وقت کی نماز کے لئے اذان دے رہا

تھا توان فقیہ کا اُٹھانے والوں پر حد سے زیادہ وزن ہو گیا یہاں تک کہ وہ جنازہ لے کر کھڑے رہنے سے عاجز ہو گئے۔ اور نیچے رکھ دیا۔ جب مؤذن اذان سے فارغ ہو گیا لوگوں نے چارپائی کو حرکت دی تو ویسی ہی ہلکی تھی جیسی پہلے تھی۔ اُٹھالیا اور قبر تک لے گئے۔ سب لوگوں کو اس سے تعجب تھا۔ متوسلین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ فقیہ مرحوم جب مؤذن کو اذان دیتے سُنا کرتے کھڑے ہو جاتے تھے اور جب تک وہ فارغ ہو اذان کا جواب دیا کرتے تھے۔ شرجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ ۶۰۵ھ میں تو موجود تھے وفات کی تاریخ کی مجھے تحقیق نہیں ہوئی۔

محمد بن ابی بکر الحکمی

محمد بن ابی بکر الحکمی یمنی ہیں موضع عواجہ کے ہیں بڑے شیخ اور یمن کے بڑے بڑے صوفیاء کے مشہور مشائخ میں سے ہیں اُمّی تھے نہ پڑھ سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے۔ ایک دن فقیہ محمد البجلی درس سے غائب تھے یہ ان کی جگہ بیٹھ گئے اور درس دے دیا۔ ان کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ یہ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں بہت سے درخت تھے انہوں نے ایک درخت سے فرمایا کہ ٹیڑھا ہو جا تو وہاں کے سب درخت ٹیڑھے ہو گئے اور آپ ان سے لوگوں کے واسطے کھیتی کے آلات بنانے لگے۔ ان کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے جو امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں رہنے کے واسطے آیا تھا مگر ان کی وفات ہو چکی تھی آپ قبر سے نکلے اور اسے بیعت کر لیا۔ (ص ۲۸/ ۱۱۷، کل ۳۲ سطر۔۔۔ص ۳۰/ ۱۱۷)

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ کو بعض اولیاء نے بتایا ہے کہ وہ اُن کی قبر پر گئے تو یہ قبر سے کمر باندھے ہوئے نکلے۔ کمر باندھنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ہم اب تک طلب میں ہیں جو یہ گمان کرتا ہے کہ اسے وصول ہو گیا وہ جھوٹا ہے کیونکہ وصول تو محدود کی طرف ہے اور اللہ تعالیٰ حدود سے پاک ہے۔ ان سب کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

شرجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ دو بھائی بلاد حرض سے موضع عواجہ پہنچے جب عواجہ کے قریب آ گئے تو اُن کے متعلق بہت سے غیر معمولی حالات اور بہت سی کرامتیں سُنیں مگر سچ نہ سمجھا اور یہ دونوں عواجہ میں اس وقت تک رہے کہ یہ خبر ملی کہ ان کے باپ بیمار ہیں۔ انہوں نے اپنے شہر جانے کا ارادہ کیا اس وقت شیخ کے پاس آئے کہ آپ کا حقیقی حال معلوم کر لیں۔

جب ان کی خدمت میں پہنچے اپنے والد کے مرض کی اطلاع دی اور یہ کہ دونوں اس وجہ سے اپنے شہر کا اِرادہ کر رہے ہیں۔ شیخ نے فرمایا تم دونوں وہاں پہنچو گے تو وہ صحت یاب ہو چکے ہوں گے اور تمہارا شہر میں داخل ہونا رات کے اخیر میں ہوگا۔ تم اپنے والد کو صبح کا وضو کرتے ہوئے پاؤ گے کہ ایک پاؤں دھو چکے ہوں گے دوسرا اَبھی نہیں دھویا ہوگا۔ وہ دونوں شیخ سے رخصت ہوئے اور چل دیئے تو ان کا اپنے باپ کے پاس داخل ہونا اسی وقت ہوا جو وقت شیخ نے مقرر فرمایا تھا اور اسی حالت پر ہوا جس پر شیخ نے کہا تھا۔ اُنہوں نے جو کچھ شیخ سے سنا تھا لوگوں سے کہہ دیا۔ ان شہروں میں بھی ان کی شہرت ہو گئی اور مسلسل کرامتیں اور برکتیں ظاہر ہونے لگیں۔

ان کی کرامتوں میں وہ قصہ بھی ہے جس کو فقیہ حسین ابدل نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ جب شیخ علی الابدال کا انتقال ہوا تو شیخ ابوالغیث بن جمیل ان کی تعزیت کے لئے آئے اور یہ سب لوگ اپنے شیخ علی الابدال مذکور کے گاؤں ہی میں مقیم تھے۔ شیخ علی نے کہہ دیا تھا کہ وہ ایسا کریں گے اور وصیت کی تھی کہ وہ اس مقام پر ٹھہریں نہیں۔ اس لئے جب تیسرا دن ہوا شیخ محمد الحکمی نے شیخ ابوالغیث سے عرض کیا کہ آج رات آپ اور آپ کے درویشوں میں سے کوئی یہاں نہ ٹھہرے کیونکہ آپ لوگوں میں سے جو رات کو یہاں رہے گا وہ مر جائے گا۔ شیخ ابوالغیث اور اُن کے اور سب ساتھیوں نے تو جانے کا ارادہ کر دیا لیکن ایک شخص شیخ محمد حکمی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو بعید سمجھ کر رہ گیا اور شام کو وہیں رہا تو صبح کو مرا ہوا پایا گیا۔ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسی طرح شیخ ابوالغیث کئے جائیں گے کہ جب تک

مَیں زندہ ہوں اس کے واسطے تہامہ میں سکونت نہیں ہے تو شیخ ابوالغیث تہامہ میں ٹھہر نہیں سکتے تھے یہاں تک کہ شیخ محمد الحکمی کا انتقال ہوگیا۔ پھر سولہ سال پہاڑوں میں رہے ہیں۔ اور روایت کیا جاتا ہے کہ شیخ ابوالغیث جب کبھی اُترنے کا اِرادہ کرتے شیخ محمد حکمی اُن کے حالات پر کچھ تصرف کردیتے تھے۔ جب شیخ حکمی صاحب کا انتقال ہوگیا تو یہ اپنے پیروں میں سے کوئی چیز بیڑیوں کی طرح کھول رہے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اس کے اثر سے ہے جو شیخ محمد حکمی رحمۃ اللہ علیہ ہم پر تصرف کیا کرتے تھے۔ آپ کا انتقال ۶۱۷ھ میں ہوا ہے۔

محمد بن حسین الخبیر البجلی رحمۃ اللہ علیہ

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ کو بعض صالح بھائیوں نے بتایا ہے کہ ایک شخص محمد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ موصوف کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میرا ایک بیل چوری چلا گیا۔ فرمایا کیا تم اپنا بیل چاہتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں فرمایا فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں تم ایک شیخ کو کھیتی کرتے ہوئے دیکھو گے ان کو بغیر بیل لئے مت چھوڑنا اور اس سے ان کی مراد خود ان کے شیخ مشہور شیخ یمن کے مشائخ میں سے بہت بڑے شیخ محمد بن ابی کثیر حکمی تھے۔ یہ ان کے پاس آیا اور اُن سے کہا کہ میرا بیل لوٹا دیجئے اور بہت ہی زیادہ اُن کے پیچھے پڑا۔ سمجھتا یہ رہا کہ چور یہی ہیں کیونکہ وہ شیخ کو پہچانتا نہ تھا تو شیخ نے پوچھا تم سے یہ کس نے کہہ دیا ہے؟ اُس نے کہا محمد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے، پھر اس نے کہا مجھے میرا بیل دے کر چھٹکارا دیجئے اور ایسی باتوں سے معاف کیجئے۔ شیخ نے کہا کہ مجھے بتاؤ تمہارا بیل کیسا کیسا تھا؟ اس نے کہا خود تو میرا بیل چراتے ہو اور کہتے یہ ہو کہ اس کی ہیات سے بھی واقف نہیں۔ شیخ نے تبسم فرمایا اور فرمایا فلاں جگہ جاؤ تم اپنے بیل کو ایک درخت سے بندھا ہوا پاؤ گے۔ اسے کھول لو اور لے لو وہ اس جگہ گیا اور جیسے کہ شیخ نے بتایا تھا بیل کو پالیا۔ بیل لے لیا اور خوش خوش لوٹ گیا پھر چور آیا کہ بیل لے لے تو اُس کو وہاں نہ پایا اور محروم و غمگین بلکہ گناہ کے ساتھ لوٹا اور شیخ کو ثواب ملا اور یہ حقیقت میں شیخ حکمی کی کرامت ہے اگر مَیں اسے ان کے بیان

میں لکھتا تو زیادہ مناسب تھا مگر میں نے یہاں ایک مناسبت کی وجہ سے لکھ دیا ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔ (ص۲۲/۱۱۸، کل ۲۸ سطر۔۔۔ص۲۴/۱۱۸)

شرجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ اوّل اوّل فقیہ ابراہیم بن زکریا کے پاس پڑھتے تھے اتفاق یہ ہوا کہ بیمار ہو گئے ان کے ساتھیوں نے جو پڑھنے میں ساتھ تھے انتظار کیا جب یہ تندرست ہو گئے تو یہ اور اُن کے بھائی فقیہ علی جو اُن کا پڑھنا سنا کرتے تھے ان کے ساتھ ہو لئے تھے۔ شیخ کے شہر کی طرف چلے۔ جب دِن گرم ہو گیا تو دونوں ایک درخت کے سایہ میں آ گئے۔ اور یہ فقیہ محمد سو گئے۔ ایک پرندہ آیا اور اُس نے اپنی چونچ اُن کے منہ میں ڈالی اور اُن کے منہ میں کوئی ایسی چیز ڈالنے لگا جس میں بہت عمدہ خوشبو تھی۔ ان کے بھائی دیکھتے رہے جب فقیہ محمد رحمۃ اللہ علیہ جاگ اُٹھے اپنے بھائی سے کہا کہ لوٹ چلو اور اپنے شہر کو لوٹ گئے۔ پھر لوٹنے کے بعد اتفاق سے فقیہ محمد بیمار ہو گئے تو اُن کے پاس اُن کے شیخ فقیہ ابراہیم مع جماعت طلباء کے ملاقات کو پہنچے۔ اور فقیہ ابراہیم نے ان پر متعدد مسائل پیش کئے۔ انہوں نے سب کا شافی جواب دے دیا تو شیخ نے کہا کہ اے فقیہ محمد یہ علم جو تم دیئے گئے ہو پڑھنے سے آنے والا نہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر دقائق علوم کی معرفت کھول دی اور ان کی وفات ۲۲۱ھ میں واقع ہوئی ہے۔ ان کی قبر موضع عواجہ میں ان کے پیر شیخ محمد حکمی کے برابر ہے۔

(ص۳۲/۱۱۸، کل ۸ سطر۔۔۔ص۳۳/۱۱۸)

محمد بن علی بن محمد الحاتمی رحمۃ اللہ علیہ

یہ شیخ اکبر سلطان العارفین سیدی محی الدین بن العربی ہیں اور ہمارے سادات صوفیاء میں سے بہت سے علماء و عارفین کے اماموں نے ان کی بہت تعریفیں کی ہیں ﴿سیدی وسندی حضرت اقدس مولانا محمد اشرف علی ضاعف اللہ تعالیٰ فیوضہم نے بھی اُردو میں التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی تالیف فرمائی ہے جس میں ان اشکالات کا جواب ہے جو شیخ پر کئے جاتے ہیں۔۱۲۔ مترجم﴾ اور ان کے علاوہ مذاہب اربعہ کے بڑے بڑے علماء

عالمین نے بھی اُن کی تعریفیں کی ہیں۔ (ص ۳۵/ ۱۱۸، کل ۲ سطر ۔۔۔ ص ۲۲/ ۱۲۰)

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے بھائی صالح حاج احمد صلبی نے بیان کیا ہے کہ ان کا گھر شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب تھا متکبرین میں سے ایک شخص عشاء کے بعد آگ لے کر آیا وہ شیخ کے تابوت کو جلانے کا ارادہ کرتا تھا تو وہ مزار مبارک سے تو ہاتھ اس طرح زمین میں دھنس گیا اور غائب ہوگیا۔ مَیں یہ ماجرا دیکھ رہا تھا اس کے گھر والوں نے اس رات اس کو نہیں پایا تو مَیں نے ان کو قصہ کی خبر کی وہ آئے اور کھودا تو اس کا سر ملا مگر جتنا کھودتے تھے اسی قدر نیچے ہوتا اور زمین میں دھنستا چلا جاتا تھا یہاں تک کہ لوگ عاجز ہوگئے اور اس پر مٹی ڈھکیل دی۔

(ص ۲۰۱/ ۱۲۰ کل ۵ سطر ۔۔۔ ص ۳۳/ ۱۲۰)

آپ کے مناقب اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں ہوسکتا اور اس قدر کرامتیں ہیں کہ حصر میں نہیں آسکتیں۔ آپ کی وفات دمشق الشام میں ہوئی ہے اور موضع صالحیہ میں (جو دمشق سے باہر ہے) قاسیوں پہاڑ کے دامن میں دفن کئے گئے ہیں۔ آپ کی قبر مبارک مشہور ہے اس پر زیارت کے لئے آمد و رفت رہتی ہے اور اس پر برکت ظاہر ہوتی رہتی ہے اور اس کے قریب آپ کا ایک تکیہ اور ایک جامع مسجد ہے جو شاہ سلیم کی بنائی ہوئی ہے اور مزار مبارک کو بھی شاہ سلیم نے ہی ظاہر کیا ہے پہلے ظاہر نہ تھا اور خود شیخ سے یہ صحیح منقول ہے کہ آپ نے اپنی کسی علم جعفر کی کتاب میں اور میرا خیال یہ ہے کہ شجرہ نعمانیہ میں لکھا ہے عبارت یہ ہے کہ جب سین شین میں داخل ہوگا محی الدین کی قبر ظاہر ہوجائے گی اور سلطان سلیم کا شام میں داخل ہونا ۹۲۴ھ میں ہوا ہے۔ (ص ۲/ ۱۲۱، کل ۵ سطر ۔۔۔ ص ۱/ ۱۲۵)

اور آپ کی وفات ۶۳۸ھ میں ہوئی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (ص ۲/ ۱۲۵، کل ۱ سطر ۔۔۔ ص ۳۲/ ۱۲۵)

محمد الازہری العجمی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ صفی الدین بن ابی منصور نے بیان کیا ہے کہ شیخ کبیر ابوالحسن ابن الدقاق کہتے ہیں کہ ہم ایک دن دمشق میں اپنے شیخ ابو عبداللہ محمد مذکور الصدر کی صحبت میں تھے

اور شیخ کے متوسلین میں وہ لوگ بھی تھے جو حجاز کے تھے اور وہ بھی تھے جو عراق کے تھے۔ لوگوں نے تازہ کھجوروں کا ذکر کیا حجازیوں نے کہا کہ ہمارے یہاں کی تازہ کھجور اچھی ہوتی ہے اور عراقیوں نے کہا کہ ہمارے یہاں کی اچھی ہوتی ہے۔ شیخ کا ایک خادم تھا جس کا نام یوسف تھا۔ شیخ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ خادم دروازہ سے نکلا کچھ دیر غائب رہ کر داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں ایک طباق تھا جس میں تازہ تازہ کھجوریں تھیں جیسے کہ درخت سے توڑ کر لایا ہو۔ طباق شیخ کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ نے فرمایا اے حجازیو! یہ تو ہماری بلاد کی تازہ کھجوریں ہیں تم اپنے بلاد کی حاضر کرو اور ان کی بڑی بڑی کرامتیں ہیں اس کو امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

نورالدین ابوعبداللہ محمد بن عبدالایجی رحمۃ اللہ علیہ

سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم کو سید نورالدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ سے جو سید عفیف الدین الشریف حسین ایجی کے والد ہیں۔ بعض دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے باب میں یہ پہنچا ہے کہ انہوں نے قبر شریف کے اندر سے اپنے سلام کا یہ جواب سنا ہے۔ **السلام علیک یا ولدی از سعادۃ الدارین۔**

(ص ۷/۱۲۶، کل ۹ سطر۔۔۔ص ۱۳۱/۱۲۷)

محمد بن علی بن محمد شہر رباط والے

جو اُستادِ اعظم کے لقب سے مشہور تھے فقیہ اور سب سے آگے بڑھے ہوئے ابو علی کنیت جمال المسلمین والاسلام خطاب ممتاز علمائے اسلام کے ہار کے ایک گوہر مشائخ شریعت کے شیخ، طریقت وحقیقت کے اماموں کے امام علوم اور تصوف میں ماہر ہوئے ہیں اور جیسے کہ شیخ عبدالرحمٰن سقاف کا بیان ہے ایک سو بیس دن قطبیت کے مقام میں رہے ہیں۔ آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ کے خادم نے افریقہ میں ایک طویل سفر کیا اس کے گھر والوں کو اطلاع ملی کہ وہ مر گیا وہ بہت شکستہ دل ہوئے اور استاد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ آپ نے کچھ دیر سر جھکایا اور فرمایا وہ افریقہ میں

ہے مرا نہیں۔ عرض کیا گیا کہ اس کے مرنے کی اطلاع آئی ہے فرمایا میں نے جنت میں دیکھا تو اُسے وہاں نہیں پایا اور میرا درویش دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ پھر اس کے زندہ ہونے کی خبر آ گئی اور ایک عرصہ بعد وہ خود بھی آ گیا۔

آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ اپنے بچپن میں ایک جماعت کے ساتھ تھے اور ان سب نے جس سے جماعت چھوٹ جائے اس پر کچھ جرمانہ مقرر کیا تھا۔ اُستاد رحمۃ اللہ علیہ دوپہر کو سو گئے اور جب تکبیر ہوئی اس وقت بیدار ہوئے۔ آپ نے ڈول کو اشارہ کیا تو وہ پانی سے بھرا ہوا کنوئیں سے باہر آیا۔ آپ نے وضو کیا اور جماعت کو پالیا۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے متوسلین سے کہا کہ شاید تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ قیامت قائم ہے سب اولیاء حاضر ہیں ایک کہنے والا کہہ رہا ہے کہ شیخ محمد بن علی کھجوروں میں مشغول ہو گئے۔ اُستاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کھجوریں جل جائیں گی۔ بس کھجوریں سب کی سب جل گئیں تو اس شخص نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے خواب نہیں دیکھا میں نے تو یہ اس لئے کہا کہ اُستاد رحمۃ اللہ علیہ کھجوریں مجھے دے دیں گے۔ فرمایا ہم کو اس کی حاجت ﴿یہاں اضاعت مال کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ غافل کرنے والی شئے میں اس نحوست سے شر اور شیطان کا اثر ہو جاتا ہے یعنی جیسے ظاہری زہر مل جاتا ہے ایسے ہی معنوی زہر مل جاتا ہے اور زہریلی چیز کو فنا ہی کر دینا چاہئے تا کہ کسی کو ضرر نہ پہنچے دوسرے ممکن ہے غلبہ حال میں ایسا ہوا اور یہ وقت معذوری کا ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہاں ہوا تھا۔ ۱۲ مترجم﴾ نہیں جو ہم میں اور ہمارے رب میں حائل ہو۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ عجیب وغریب باتوں کی خبر دے دیا کرتے تھے اور پھر وہ ویسے ہی ہوتی تھیں جیسے آپ فرما دیتے تھے انہی میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے بغداد کے غرق ہونے کی اطلاع دی تو دجلہ اس قدر ہولناک بڑھا کہ شہر پناہ کے اندر پانی آ گیا اور وزیر کا محل خلیفہ کا خزانہ اور تین سو تین مکان گر گئے اور

اس گرنے میں بہت مخلوق مرگئی اور بہت سے لوگ غرق ہوگئے۔ یہ واقعہ جمادی الآخر ۶۵۴ھ میں ہوا ہے اور آپ نے مسجد نبوی میں آگ لگنے کی اطلاع دی تو اسی سال رمضان کے شروع میں آگ لگ گئی تھی اور آپ نے اس واقعہ تاتاریہ کی مصیبت کی خبر بھی دے دی تھی جس کے جیسا چرخ گرداں کے نیچے واقعہ ہی نہیں ہوا جو ہر طرح کی قیامت وشناخت پر مشتمل تھا اور خلیفہ بھی صفر ۶۵۶ھ میں قتل کر دیا گیا۔ یہ تینوں واقعے آپ کی خدمت میں بعد واقع ہوئے ہیں اور آپ نے ایک سیلاب عظیم کی خبر دی تھی کہ حضرموت میں آئے گا تو بہت سی گھاٹیاں لبریز ہوگئیں بہت سے شہر تباہ ہوگئے اور چارسو سے زائد انسان ہلاک ہوگئے تھے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے شہر تریم میں ۶۵۳ھ میں وفات پائی ہے۔ ان کی قبر مشہور ہے اس کی زیارت کی جاتی ہے اور عمر مبارک اُناسی سال ہوئی ہے۔ یہ المشرع الروی میں بیان ہے۔

محمد بن عمر ابوبکر بن قوام

بڑے عارفین اور ممتاز اَولیاء ومقربین میں سے ہیں شیخ شمس الدین خابوری سے روایت ہے اور یہ بھی شیخ محمد کے متوسلین میں سے تھے کہتے ہیں کہ مَیں شیخ کی زیارت کے لئے چلا تو میرے دل میں یہ آیا کہ شیخ سے رُوح کے متعلق پوچھوں گا جب سامنے حاضر ہوا تو اس ہیبت کی وجہ سے جو میرے دل میں بیٹھی تھی روح کا سوال کرنا بھول گیا جب مَیں رخصت ہوا اور سفر کے واسطے نکلا شیخ نے میرے پیچھے ایک درویش کو بھیجا اُس نے کہا کہ شیخ سے بات کرتے جاؤ۔ مَیں واپس آ گیا حاضر ہوا تو شیخ نے آواز دی احمد۔ مَیں نے عرض کیا جی حضرت! فرمایا کیا تم قرآن شریف نہیں پڑھتے؟ عرض کیا حضرت ضرور پڑھتا ہوں فرمایا بیٹا یہ پڑھو!

"وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ
اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا"

ترجمہ: "اور لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روح کے باب میں پوچھتے ہیں

آپ فرما دیجئے رُوح تو میرے پروردگار کا ایک حکم ہے اور تم کو بہت کم علم دیا گیا ہے''۔

بیٹا جس چیز میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو نہیں کی ہے ہم کو اس میں گفتگو کرنا کیسے جائز ہے۔ شیخ ابراہیم بطائحی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ حلب پر کھڑے ہوتے اور ہم بھی ساتھ ہوتے۔ فرمایا کرتے تھے اللہ کی قسم مَیں ان لوگوں میں سے اہلِ یمین ﴿یمین داہنا اور شمال بایاں یعنی قیامت میں جن کے اعمال نامے داہنے ہاتھ میں ہوں گے اور جن کے بائیں ہاتھ میں ہوں گے مَیں ان کو پہچانتا ہوں یعنی حقیقی نیک و بد کو۔۱۲ مترجم﴾ اور اہلِ شمال کو پہچانتا ہوں اور اگر مَیں ان کا نام بتانا چاہوں تو بتا سکتا ہوں مگر ہم لوگوں کو اس کی اجازت نہیں اور ہم مخلوق میں حق تعالیٰ کے راز کو ظاہر نہیں کر سکتے۔

شیخ صالح عابد محمد بن ناصر شہیدی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں شیخ ممدوح کے پاس تھا آپ نے اس مسجد میں جس میں نماز پڑھا کرتے تھے عصر کی نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ بہت مخلوق نے نماز پڑھی۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا حضرت ﴿مقام تمکین والا۔۱۲ مترجم﴾ مرد متمکن کی علامت کیا ہے اور مسجد میں ایک ستون تھا فرمایا مرد متمکن کی علامت یہ ہے کہ اس ستون کی طرف اشارہ کرے تو اس سے نور کے شعلے نکلنے لگیں۔ لوگوں نے ستون کو دیکھا تو اس سے نور کے شعلے نکل رہے تھے جیسے کہ شیخ نے فرمایا تھا۔

شیخ ابراہیم بن الشیخ ابو طالب بطائحی سے روایت ہے کہ شیخ موصوف سے سوال کیا گیا اور مَیں بھی حاضر تھا کہ مقام تمکین والے کی علامت کیا ہے؟ آپ کے سامنے ایک طباق تھا جس میں کچھ پھل اور پھلواریاں تھیں فرمایا یہ ہے کہ اگر اس طباق کی طرف اشارہ کرے تو جو کچھ اس میں ہے سب کا سب وجد کرنے لگے تو طباق میں جو کچھ تھا سب حرکت کرنے لگا اور ہم اس کو دیکھ رہے تھے۔

''شیخ شمس الدین خان پوری حلب کی جامع مسجد کے خطیب سے روایت ہے کہتے ہیں ہم کسی سفر میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے آپ کو ایک جگہ کی دعوت دی گئی

جب اس جگہ سے قریب ہوئے تو آپ کا رنگ متغیر ہو گیا اور بہت مرتبہ ’’انا اللہ وانا الیہ راجعون‘‘ کہا۔ مَیں نے عرض کیا حضرت کیا بات ہوگئی؟ فرمایا کہ جب ہم اس موضع پر آئے تو مُردوں کی رُوحیں مجھے سلام کرنے آئیں۔ اُن میں ایک نوجوان شخص بھی تھا اُس نے کہا کہ مَیں ظلم سے قتل کیا گیا ہوں مجھے اس گاؤں کے دو شخصوں نے قتل کیا ہے۔ یہ دونوں بھائی تھے اور مَیں ان دونوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ انہوں نے ملک العزیز کے زمانہ میں مجھے قتل کر دیا اور اس لئے قتل کیا کہ انہوں نے اپنی لڑکی کے ساتھ مجھے تہمت لگائی تھی اور مَیں اس سے بری تھا۔ شمس الدین موصوف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ دونوں شخص جنہوں نے یہ حرکت کی تھی شیخ کی بات سُن رہے تھے اور مجھ میں اور ان میں جان پہچان بھی تھی۔ جب مَیں اُن دونوں کے ساتھ الگ جمع ہوا تو دونوں نے کہا کہ جو کچھ شیخ نے فرمایا اللہ کی قسم بالکل صحیح ہے اور ہم نے ہی اُس کو قتل کیا ہوا ہے۔ مَیں نے کہا تم کو کیا ہوا تھا جو اَیسا کیا؟ انہوں نے کہا وہی بات تھی جو شیخ نے فرمائی ہے۔ پھر اُن سے کہا گیا کہ یہ حرکت تو کسی اور کی تھی اور وہ بَری تھا جیسے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ (ص ۱/ ۱۲۹، کل ایک صفحہ ۶ سطر۔۔۔ص ۱۳/ ۱۲۹)

شیخ معضاد بن حامد خولہ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ ہم لوگ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اُس نہر کے کھودنے میں تھے جس کو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بالس مقام تک نکال دی ہے ایک دن ہمارے ساتھ کام کرنے میں ایک بڑی مخلوق شریک ہوگئی۔ ہم لوگ کام میں ہی تھے کہ سخت کڑک گرج اور بڑے بڑے اولے آگئے۔ شیخ محمد یمینی نے اور یہ بھی شیخ کے متوسلین میں سے تھے۔ شیخ سے عرض کیا کہ حضرت کڑک گرج آ گئی ہے۔ اب یہ جماعت کام سے رُک جائے گی۔ شیخ نے فرمایا تم کام کرو اور دل کو مطمئن رکھو۔ پھر جب وہ کڑک گرج ہمارے قریب کو آئی شیخ اُس کے سامنے آئے اور ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت دے داہنے بائیں کو ہو جا وہ ہم سے پھٹ گئی ہم کام کرتے رہے اور ہم پر دھوپ نکلی رہی مگر شہر میں داخل ہوئے تو پانی میں گھس گھس کر داخل ہوئے۔

شیخ صالح عابد اسماعیل بن الحسن معروف بہ ابن کروی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک سال اپنے والدین کے ساتھ حج کیا۔ جب ہم حجاز کے رقبہ میں پہنچ گئے اور قافلہ رات رہنے کے بعد چل کھڑا ہوا تو میرے والدین تو ہودج میں تھے اور میں اس کے نیچے نیچے چل رہا تھا کہ مجھ پر کچھ قولنج کا اثر ہو گیا۔ میں راستہ سے ایک طرف ہٹ گیا کہ آرام کرلوں پھر قافلہ میں جاملوں گا۔ میں سو گیا اور اس وقت تک خبر نہ ہوئی جب تک دُھوپ نہ آ گئی۔ اب میں نہ سمجھ سکا کہ کس طرح پہنچوں اور اپنے والدین کے باب میں سوچ میں پڑ گیا اور اس فکر میں کہ ان کے ساتھ میرے سوا نہ کوئی خدمت کو ہے نہ خبر گیری کو پھر اپنے اور اُن کے حال پر رو پڑا۔ میں رو رہا تھا کہ ایک کہنے والے کو کہتے سُنا کیا تم شیخ ابوبکر بن قوام کے متوسلین میں سے نہیں ہو؟ میں نے کہا ہاں ہوں اُس نے کہا اللہ سے دُعا کرو تمہاری دُعا قبول ہوگی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی دُعا کی تو اللہ کی قسم ابھی میری دُعا پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ غیب کا آدمی میرے سامنے آ کھڑا ہوا اور اس نے کہا کوئی فکر کی بات نہیں اپنے ہاتھ کو میرے بازو میں دیا اور کچھ تھوڑا سا میرے ساتھ چلا اور کہا کہ یہ تمہارے والدین کا اُونٹ ہے۔ تو میں نے ان کو سنا کہ وہ مجھ پر رو رہے تھے میں نے عرض کیا کہ اب کوئی ڈر کی بات نہیں ہے اور اپنا سارا واقعہ بتایا۔

شیخ اسمٰعیل موصوف سے یہ بھی روایت ہے کہتے ہیں کہ ہم شیخ رحمہ اللہ کے پاس شیخ رافع رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ میں بیٹھے نہر فرات کی طرف دیکھ رہے تھے کہ فرات کے کنارہ پر ایک شخص نمودار ہوا۔ شیخ نے فرمایا تم اس شخص کو دیکھتے ہو جو فرات کے کنارے پر ہے ہم سب نے عرض کیا جی ہاں فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے اور میرے متوسلین میں سے ہے بلاد ہند سے میری زیارت کے لئے آ رہا ہے اور اس نے عصر اپنے گھر پڑھی تھی اور پھر میری طرف چلا ہے اس کے واسطے زمین لپیٹ دی گئی اُس نے اپنے گھر سے فرات کے کنارہ تک تو ایک قدم رکھا اور فرات سے یہاں تک میرے ادب کی وجہ سے ویسے ہی چل رہا ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ میں

اس جگہ پر ہوں وہ یہیں آ جائے گا۔ شہر میں داخل نہ ہوگا۔ جب وہ شخص شہر کے قریب پہنچا تو ادھر سے ہٹ لیا اور اسی جگہ کی طرف چلا گیا جہاں شیخ تھے آ گیا اور سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ مجھے بیعت کرلیں تا کہ مَیں آپ کے متوسلین میں سے ہو جاؤں۔ فرمایا میرے معبود کی عزت کی قسم تم تو میرے ہی لوگوں میں سے ہو۔ اس نے کہا الحمدللہ مَیں اسی لئے آیا تھا۔ پھر شیخ سے اپنے شہر لوٹ جانے کی اجازت چاہی۔ شیخ نے پوچھا آپ کے گھر کے لوگ کہاں ہیں؟ اس نے عرض کیا ہندوستان میں۔ فرمایا تم ان کے پاس سے کب چلے؟ اس نے عرض کیا عصر کی نماز پڑھی اور آپ کی زیارت کے لئے چل کھڑا ہوا۔ اس پر شیخ نے کہا تم آج رات ہمارے مہمان ہو تو وہ بھی رات کو شیخ کے پاس رہے اور ہم لوگ بھی۔ جب صبح ہوئی تو اس نے کہا اب سفر ہے شیخ اور ان کی معیت میں ہم لوگ بھی اس کو رخصت کرنے نکلے جب جنگل پہنچ گئے اور وہ شیخ کو رخصت کرنے لگا تو شیخ نے اپنا ہاتھ اس کے دونوں شانوں کے درمیان رکھا اور دھکا دے دیا۔ وہ ہم لوگوں سے غائب ہوگیا کہ ہم اس کو نہیں دیکھ سکے، شیخ نے فرمایا کہ معبود تعالیٰ شانہٗ کی عزت کی قسم اس نے میرے دھکا دینے میں اپنا سر ہندوستان میں اپنے گھر کے دروازہ پر رکھ لیا۔

شیخ صالح عابد اسمٰعیل کروی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی روایت ہے کہتے ہیں کہ مَیں نے امیر کبیر معروف بہ اختری رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے یہ گرفتار ہو گئے تھے میرے والد سے بیان کر رہے تھے کہ مَیں الملک الکامل کے ساتھ اس وقت تھا جب انہوں نے بلادِ مشرق کا بھی قصد کیا ہم لوگ بالس پہنچے تو بادشاہ نے فخر الدین عثمان کے ساتھ ساتھ شیخ کی زیارت کا قصد کیا اور ہم لوگ ملازمین حکومت کی ایک جماعت کے ساتھ تھے۔ ہم سب شیخ کے پاس تھے کہ لشکر کا ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ حضرت میرا ایک خچر جس پر پانچ ہزار درہم تھے گم ہوگیا ہے اور مجھے جناب کا ہی پتہ بتایا گیا ہے۔ شیخ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ معبود برحق کی قسم اس کے لینے والے پر زمین تنگ کر دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ سوائے اس مکان کے دروازہ کے اس کے لئے اور کوئی راستہ نہیں رہا وہ ابھی ابھی یہاں

آجائے گا جب وہ آئے گا اور بیٹھ جائے گا تو میں تم کو اشارہ کروں گا تم اُٹھنا اور اپنا خچر اور مال لے لینا۔ ہم نے شیخ کی گفتگو سُنی تو آپس میں کہا کہ جب تک وہ شخص نہ آجائے ہم بھی یہیں رہیں گے، ہم لوگ بیٹھے ہوئے ہی تھے کہ وہ شخص آگیا۔ شیخ نے اشارہ کیا تو یہ اُٹھا اور ہم بھی اُٹھے تو دروازہ پر خچر اور مال موجود پایا اور اس کے مالک نے لے لیا۔

شیخ امام عالم شمس الدین خابوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ مَیں شیخ کا تذکرہ مدرسہ سلطانیہ حلب کے فقہاء کے سامنے اکثر کیا کرتا تھا۔ ان حضرات نے کہا کہ ہم بھی تمہارے ساتھ شیخ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں اور ان سے کچھ فقہ اور تفسیر وغیرہ میں پوچھیں گے ہم سب نے بالس پہنچ کر شیخ کی زیارت کرنے کا پختہ اِرادہ کرلیا اِرادہ کر ہی چکے تھے کہ ایک درویش آیا اور کہا کہ تم کو شیخ بلاتے ہیں مَیں نے پوچھا کہاں ہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ شیخ ابوالفتح کے حجرہ میں اور یہ شیخ کے متوسلین میں سے تھے، مَیں اور وہ فقہاء کی جماعت شیخ کی زیارت کے لئے چلے۔

جب ہم شیخ کے پاس حاضر ہوئے تو مجھ سے شیخ محمد عقیبی نے کہا کہ ان فقہاء صاحبان کی کیا بات ہے۔ مَیں نے کہا کہ یہ سب شیخ کی زیارت اور سلام کے لئے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا اس وقت ایک عجیب بات ہوگئی ہے۔ میں نے کہا کیا؟ کہنے لگے ان میں سے ہر ایک کا باطن شیخ کے سامنے درندہ کی شکل میں آیا تھا شیخ نے ہر ایک کو لگام دے دیا ہے مجلس بہت دیر کی ہوگئی اور ان میں سے کوئی بھی ٹھیک ٹھیک بات نہ کرسکا تو شیخ نے ان سے کہا تم لوگ کیوں نہیں بولتے؟ کیوں نہیں پوچھتے؟ مگر ان میں سے کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ بول سکے تو شیخ نے ان صاحب سے جو شیخ کے داہنے پر تھے فرمایا کہ تمہارا تو سوال یہ تھا اور اس کا جواب یہ ہے پھر اور کی طرف خطاب کیا اور پھر اور کی طرف اور ہر ایک کا سوال ذکر کرتے اور جواب دیتے رہے یہاں تک کہ آخر والے کا نمبر بھی آگیا۔ پھر سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور استغفار کیا۔

شمس الدین غابوری رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مجھ سے ہمارے شہر کے ایک

تاجر نے بیان کیا کہ میں ایک شخص کے ساتھ سفر میں جو میرے ہمراہ تھا حلب گیا۔ میں نوجوان تھا تو مجھے میرے گھر کے بعض آدمیوں نے پکڑ لیا گھر لے گئے اور شراب حاضر کی میں نے پینے کے واسطے جام لے لیا تو اچانک شیخ میرے سامنے ہیں میرے سینے میں ہاتھ مارا اور فرمایا کھڑا ہو اور نکل جائیں ایک اُونچے مکان میں تھا وہاں سے سر کے بل گر پڑا اور منہ اور سر سے خون بہنے لگا۔ میں اپنے چچا کے یہاں گیا تو مجھ میں سے خون ٹپک رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا یہ کس نے کیا ہے؟ میں نے کل ماجرا عرض کیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے اپنے اولیاء کی عنایت اور حمایت تم پر متوجہ کر دی ہے۔

شیخ صالح عابد شیخ اسمٰعیل بن سالم معروف بہ الکروی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میرے پاس کچھ بکریاں تھیں اور ایک چرواہا۔ وہ حسبِ معمول ایک روز بکریوں کو باہر لے گیا تو جو وقت لوٹنے کا تھا اس وقت نہ لوٹا میں اس کی تلاش میں نکلا تو کوئی خبر نہ ملی سیدھا حضرت شیخ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ اپنے گھر کے دروازہ پر کھڑے تھے مجھے دیکھا تو فرمایا کیا بکریاں چلی گئی ہیں؟ میں نے عرض کیا جی حضرت، فرمایا ان کو بارہ آدمیوں نے پکڑ لیا ہے اور انہوں نے چرواہے کو فلاں گھاٹی میں باندھ رکھا ہے میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی ہے کہ ان پر نیند طاری فرما دیں تو اللہ تعالیٰ نے ایسا فرما دیا ہے تم فلاں جگہ جاؤ ان کو سوتا ہوا اور رُسوا پاؤ گے۔

کہتے ہیں کہ وہاں کہ جہاں کے لئے شیخ نے فرمایا تھا گیا تو واقعی ایسا ہی دیکھا۔ ایک بکری کھڑی ہوئی اپنے بچہ کو دُودھ پلا رہی تھی۔ میں بکریوں کو ہانک لایا اور شہر آ گیا۔ شیخ ابراہیم البطائحی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں شیخ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور اُس نے عرض کیا حضرت رات میرا اُونٹ کہیں چلا گیا اور اس پر سامان تھا۔ شیخ نے کوئی جواب نہ دیا تو میں نے عرض کیا حضرت والا یہ شخص اپنے اُونٹ کے جاتے رہنے سے پریشان ہے۔ فرمایا ابراہیم جب اس شخص نے کہا کہ میرا اُونٹ تو میں نے اس کے ہاتھ میں اس کی نکیل دیکھی تھی پھر غیب سے ایک تلوار ظاہر

ہوئی جس نے اُس کے ہاتھ سے اس کی نکیل چھڑادی اور اس میں اس کا رزق باقی نہیں رہا اب مجھے شرم آتی ہے کہ لوٹانے کی درخواست کے ساتھ پیش آؤں۔

ان کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایک جنازہ حاضر ہوا اور اس میں شہر کے بڑے بڑے لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ جب میت کو دفن کرنے کے واسطے بیٹھے تو قاضی اور حاکم شہر اور خطیب ایک جانب بیٹھ گئے اور شیخ اور سب درویش دوسری جانب قاضی اور حاکم شہر اولیاء اللہ کی کرامتوں کے باب میں اور یہ کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے گفتگو کرنے لگے مگر خطیب ایک مرد صالح تھا جب یہ لوگ اُٹھے کہ میت کے گھر والوں کی تعزیت کرآئیں شیخ کے سلام کے لئے بھی حاضر ہوئے۔ شیخ نے فرمایا اے خطیب مَیں تمہارے سلام کا جواب نہیں دیتا۔ عرض کیا حضرت کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ تم نے اولیاء اللہ کی غیبت کو ردّ نہیں کیا اور ان کی کوئی مدد نہیں کی۔ پھر شیخ قاضی اور حاکم شہر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم دونوں اولیاء اللہ کی کرامتوں کا انکار کرتے ہو تو بتاؤ تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے؟ عرض کیا معلوم نہیں فرمایا تمہارے پاؤں کے نیچے ایک گڑھا ہے جس میں پانچ سیڑھیوں سے اُترا جاتا ہے۔ اس میں ایک شخص اور اس کی بیوی مدفون ہیں اور وہ مجھ سے گفتگو کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ مَیں ان دونوں شہروں کا ایک ہزار سال سے بادشاہ ہوں ایک تخت پر وہ ہے اور ایک تخت پر اس کی بیوی ہے ہم سب اسی جگہ ٹھہریں گے جب تک کہ ان کو کھول نہ لیں۔ پھر آپ نے پھاوڑے منگوائے۔ جماعت سب کی سب حاضر تھی تو ان کو ایسا ہی پایا۔ جیسا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا اور وہ گڑھا اب تک کھلا ہوا ہے اور حلب کے کنارہ پر نظر آتا ہے۔

شیخ صالح عابد متقی علی بن سعید معروف بہ الزیزے روایت ہے کہتے ہیں کہ مَیں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے جوانی میں بیعت کی تھی۔ مجھے بیت المقدس کی زیارت کا خیال ہوا۔ مَیں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی اجازت طلب کی فرمایا بیٹا تم نوجوان ہو ، مجھے تمہارا ڈر ہے۔ مَیں نے اصرار کیا تو مجھے اجازت دے دی اور فرمایا کہ مَیں اپنا باطن

لوہے کے پنجرے کی طرح تمہارے اُوپر کئے دیتا ہوں اور مجھ سے فرمایا کہ جب تو دمشق
کے دروازہ پر محل کے قریب آئے تو گاؤں میں جانا اور وہاں شیخ علی بن جمل کو پوچھنا اور
ان کی زیارت کرنا۔ وہ اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ کہتے ہیں جب مَیں اس گاؤں میں پہنچا
مَیں نے ان بزرگ کو پوچھا لوگوں نے بتا دیا جب مَیں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ان کے گھر
والوں میں سے کوئی نکلا اور میرا نام لے کر کہا علی اندر آ جاؤ کیونکہ شیخ نے تمہارے لئے
تاکید کی تھی اور فرمایا تھا کہ تمہارے پاس ایک درویش آئے گا جس کا نام علی ہے اور وہ شیخ
ابو بکر بن قوام کے متوسلین میں سے ہے تم اس کو اندر آنے کی اجازت دے دینا یہاں
تک کہ مَیں آ جاؤں۔ مَیں اندر آ گیا اور بیٹھا رہا یہاں تک کہ شیخ آ گئے۔ مَیں اُٹھ کھڑا
ہوا سلام عرض کیا۔ آپ نے مرحبا فرمایا اور فرمایا رات ہی میرے پاس شیخ آئے تھے اور
تمہارے متعلق تاکید کر گئے تھے اب تم کو کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ شیخ کا باطن لوہے کے
پنجرے کی طرح تمہارے اُوپر ہے میں کچھ دیر اُن کے پاس رہا پھر بیت المقدس چلا
جب وہاں پہنچ گیا تو ایک شخص کو شہر کے باہر کھڑا دیکھا حالانکہ گرمی بہت تیز تھی۔ مَیں
نے سلام کیا اس نے جواب دیا اور کہا بیٹا تم نے تو آنے میں بہت دیر کر دی۔ مَیں صبح
سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں مجھے اس سے ڈر لگا اور اندیشہ ہوا کہ یہی وہ اندیشہ
والے ہوں گے۔ انہوں نے فرمایا اے علی ڈرو مت شیخ میرے پاس آئے تھے اور
تمہارے متعلق مجھے تاکید فرما گئے ہیں۔ مَیں اُن کے ساتھ اُن کے گھر گیا تو انہوں نے
میرے سامنے کھانا رکھا اور فرمایا کھاؤ مَیں نے کھا لیا جب نماز کا وقت آیا تو فرمایا اُٹھو
تاکہ حرم شریف میں نماز پڑھیں ہم دونوں اُٹھے اور حرم شریف جا پہنچے اور پانچوں
نمازیں پڑھیں اور گھر لوٹ آئے۔ پھر جب رات ہو گئی وہ اُٹھے اور صبح تک نماز پڑھتے
رہے۔ مجھے جاگتا ہوا محسوس کرتے تو بیٹھ جاتے جب مَیں سو جاتا کھڑے ہوتے اور
نماز پڑھتے مَیں اُن کے پاس کئی روز رہا پھر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی زیارت کے
لئے چلا۔ وہ بھی میرے ساتھ شہر سے باہر تک آئے اور مجھے رخصت کر دیا۔ پھر جب

مَیں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے قریب پہنچا تو چار ڈاکو نکل آئے جب وہ مجھ سے قریب ہوئے تو یکا یک ششدرہ رہ گئے اور میرے پیچھے دیکھنے لگے۔ مَیں نے بھی دیکھا کہ ایک شخص سفید لباس مُنہ پر نقاب ڈالے کھڑا ہے اُس نے مجھ سے کہا تم اپنے راستہ پر چلتے رہو مَیں چلتا رہا اور وہ میرے ساتھ ساتھ رہا۔ حتیٰ کہ مَیں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ شہر کو دیکھ لیا اور حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا ہوا دُعا کرتے دیکھا مَیں شہر میں داخل ہو گیا اور حضرت کی زیارت کی پھر جب واپس لَوٹ کر آیا سب سے پہلے شیخ کے سلام کے لئے حاضر ہوا۔ مَیں نے سلام کیا تو شیخ نے وہ تمام باتیں مجھے بتائیں جو مجھے سفر میں پیش آئی تھیں اور فرمایا اگر وہ نقاب پوش نہ ہوتا تو ڈاکو تیرے کپڑے چھین لیتے تب مجھے معلوم ہوا کہ وہ شیخ ہی تھے۔

شیخ ابراہیم بطائحی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہتے ہیں مَیں نے شیخ ابوبکر بن قوام رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا قصد کیا تو چند جماعتوں کا راستہ میں ساتھ ہو گیا۔ ان لوگوں نے شراب اور اس کی مجلس و آلات کی باتیں کیں۔ جب مَیں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا یہ کیا حالت ہے؟ مَیں نے عرض کیا حضرت کیا؟ فرمایا تمہارے سامنے شراب اور آلاتِ شراب تھے مَیں نے عرض کیا حضرت مَیں ایسی جماعتوں کے ساتھ ہو گیا تھا جو شراب کی باتیں کرتے تھے مجھ پر اسی نے یہ اثر کر دیا ہے۔ فرمایا تم نے سچ کہا ہے نیک لوگوں کے ساتھ رہا کرو اور بدوں سے پرہیز رکھا کرو۔

آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ معہ اپنے متوسلین کے دمشق میں تشریف رکھتے تھے یکا یک تواضعاً للہ آپ کی گردن جُھک گئی۔ لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا اس وقت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد کی مجلسِ وعظ میں فرمایا ہے کہ میرا یہ قدم اللہ تعالیٰ کے ہر ولی کی گردن پر ہے تو مشرق سے مغرب تک اللہ کے ہر ولی کی گردن جُھک گئی۔ لوگوں نے اس تاریخ کو یاد کر لیا تو کچھ روز کے بعد بہت کثرت سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی یہ خبریں آئیں کہ آپ نے اس تاریخ

میں یہ فرمایا تھا۔ اس کو تحفۃ الانام میں بیان کیا ہے۔

مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابوبکر بن قوام امام نجم الدین صالحی بالسی جن کا نام محمد بن عمر ہے شام میں شیخ المشائخ تھے ان کی کرامتیں بہت ہیں اپنے متعلق خود بیان فرماتے ہیں کہ ابتداء ابتداء میں ان پر بہت حالات طاری ہوتے تھے۔ یہ اپنے شیخ سے عرض کرتے تو وہ ان کو بولنے سے جھڑک دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم ان کی طرف التفات ہی نہ کرو حتیٰ کہ ایک دن یہ اپنی والدہ کی زیارت کے واسطے چلے تو آسمان سے ایک آواز سُنی سر اُٹھایا تو ایک نور ہے گویا وہ ایک زنجیر ہے کہ اس کا بعض حصہ بعض میں جُوا ہوا ہے۔ پھر وہ اُن کی کمر کے اُوپر جمع ہوگئی۔ اُنہوں نے اس کی ٹھنڈک اپنی پُشت میں محسوس کی۔ شیخ سے اطلاع کی تو فرمایا اب بولنے کی اجازت ہے پھر اس کے بعد یہ بڑے آدمی ہوئے ان کا شہرہ دُور دُور تک ہوگیا اور ان کا حال بہت عظیم ہوگیا خود فرماتے تھے کہ مجھے وہ حال عطا فرمایا گیا ہے کہ اگر مَیں یہ کہوں کہ بغداد مراکش کی جگہ ہو جائے یا اس کا عکس تو ایسا ہی ہو جائے اور آپ نے ایک جماعت سے جو اُن کے ہمراہ تھی فرمایا مَیں عرش کے ستون ایسے ہی دیکھ رہا ہوں جیسے تمہارے چہرے دیکھ رہا ہوں آپ کی وفات ۶۵۸ھ مرج ن علم میں ہوئی اور وہیں ایک تابوت میں دفن کر دیئے گئے تھے۔ پھر ۶۷۰ھ میں دمشق منتقل کیے گئے اور قاسیون کے پہاڑ کے دامن میں دفن کیے گئے۔ آپ کی قبر مشہور ہے اور اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ (ص ۶/۱۳۲، کل دو صفحہ ۲۸ سطر۔۔۔ص ۶/۱۳۲)

کتبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن خلکان کے حاشیہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور بہت بہت تعریفیں لکھیں ہیں۔ آخر میں کہا ہے کہ ان کی وفات موضع علم میں ہوئی ہے اور وہیں دفن کیے گئے ہیں۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ تابوت میں دفن کیا جائے اور اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ بیٹا ضرور ہے کہ مَیں کسی مقدس زمین کی طرف منتقل کیا جاؤں گا۔ پھر آپ دمشق منتقل کیے گئے اور اس کے ایک گوشہ میں دمر گھاٹی سے نیچے کو دفن کیے گئے۔ (ص ۱۰/۱۳۲، کل ۳ سطر۔۔۔ص ۳۵/۱۳۲)

محمد بن عبداللہ بن الاستاذ الاعظم رحمۃ اللہ علیہ

جو نقیطی رحمۃ اللہ علیہ مشہور تھے بڑے علماء اور سادات اولیاء میں تھے۔ آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ آپ کی ہمشیرہ فاطمہ کے پاس ایک گائے تھی، حاکم شہر نے اس کو چھین لیا تھا۔ آپ نے سُنا تو اس مکان کی دیوار کے پاس جہاں گائے تھی تشریف لائے اور کچھ کلمات کہے وہ دیوار گر گئی اور گائے اپنی مالکہ کے پاس لوٹ آئی۔

اور آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت علوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کو جماعت الصبر ات کی جانب سے ان کی وفات کے بعد کچھ اذیتیں پہنچیں تو ان کے بعض متوسلین نے خواب میں حضرت نقیطی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا فرماتے ہیں کہ مَیں نقیطی ہوں اور یہ شخص ان کو حیات میں پہچانتا تھا۔ پھر چار جگہ اللہ اکبر کہا جب صبح ہوئی تو مشائخ صبرات میں چار کو ایسا پایا کہ ہر ایک اللہ اکبر کہنے کی جگہوں میں سے ایک ایک جگہ میں قتل کیا ہوا پڑا ہے۔ اس کو المشر ع الروی میں بیان کیا ہے۔ (ص۵/۱۳۳، کل ۶ سطر۔۔۔ص۱۶/۱۳۳)

ابوعبداللہ محمد بن یحیٰ المعروف بابی شعبۃ الحضر می رحمۃ اللہ علیہ

فقیہ عالم صالح اور صالحیت میں مشہور تھے۔ ممتاز علماء کی ایک جماعت سے فقہ حاصل کیا اور خود ان سے بھی اور لوگوں نے فقہ حاصل کیا۔ شہر عدن میں ایک طویل عرصہ تک ایک مسجد میں محض لوجہ اللہ تعالیٰ رہے ہیں جس کو مسجد تو بہ کہا جاتا تھا مگر جب ان کا قیام طویل ہوا وہ انہی کی طرف منسوب کی جانے لگی اور مسجد ابی شعبہ سے مشہور ہوگئی۔ آپ سے لوگوں کو بہت اعتقاد تھا۔ آپ کی زیارت کا اِرادہ کر کر کے آتے تھے اور برکت حاصل کرتے تھے اور آپ سے بہت کرامتیں روایت کیا کرتے تھے۔

(ص۱۹/۱۳۳، کل ۴ سطر۔۔۔ص۲۴/۱۳۳)

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ شمس الدین بلیقانی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑا دولت مند تھا اس کو کوئی سخت مرض پیش آیا یہاں تک کہ یاس کی حالت ہوگئی۔ وہ صبح صبح اندھیرے سے اُٹھا اور اپنے گھر والوں اور دوستوں سے کہا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ

فقیہ ابوشعبہ کی زیارت کے لئے جاؤں۔ پھر بعض اُن لوگوں کے سہارے سے جو اُس کے پاس تھے فوراً اُٹھا اور اُن کے پاس آ گیا۔ فقیہ ابوشعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حال پوچھا تو اُس نے عرض کیا کہ حضرت مجھے آپ کی برکت سے صحت ہوگئی ہے اور یہ اس طرح کہ مَیں موت کے قریب ہوگیا تھا اور زندگی سے بالکل مایوس ہو چکا تھا آج رات اپنے چچازاد بھائی کو جو ایک عرصہ ہوا تھا انتقال کر چکا ہے خواب میں دیکھا اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے چلا۔ ہم دونوں آپ کی اس مسجد کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ مَیں نے کہا ذرا مجھے چھوڑ دو کہ مَیں اندر جاؤں اور حضرت فقیہ کو سلام کر آؤں اور تمہارے ساتھ جہاں کا تم ارادہ کر رہے ہو چلا چلوں۔ مَیں اندر آیا اور آپ کو سلام کیا۔ اپنے بھائی کی بات عرض کی اور یہ کہ وہ میرا انتظار کر رہا ہے۔ آپ نے اس کھڑکی سے اسے جھانکا اور اس سے مسجد کی ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیا اور اس سے فرمایا اے فلاں آ جاؤ تمہارا بھائی اس وقت تمہارے ساتھ نہیں جائے گا۔ پھر مَیں بیدار ہوگیا تو اپنی فوری صحت دیکھ لی۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ حضرت یہ آپ کی ہی برکت سے ہے۔ ان فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۶۷۱ھ میں ہوئی ہے۔ اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن ابی المجد الحرانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ ایک روز ممالک محروسہ کے شہر بیرہ کے قلعہ میں جامع مسجد میں بیٹھے تھے۔ آپ سے ایک جماعت نے کسی ایسی کرامت کی فرمائش کی جس سے قلوب کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ آپ نے ایک خالی صراحی لی اور اسے فرات سے بھر لیا حالانکہ اُن کے اور فرات کے درمیان دو بلند قلعوں کی اُونچائی کے برابر فصل تھا۔ آپ سے ایک جماعت نے کسی خاص سبب سے کرامت طلب کی تو آپ نے جامع مسجدِ مذکور کی جالی سے اپنا ایک پاؤں فرات کی طرف لٹکا دیا اور پانی سے بھیگا ہوا اُٹھا لیا اور ان شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شہر بیرہ کا فرمان نویس رہا ہے اور وہ مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا۔ ایک دن فرات کے کنارے کنارے

شیخ کے ہمراہ جارہا تھا عرض کیا کہ حضرت مَیں مسلمان تو ہو گیا ہوں مگر نہ مجھے کوئی دلیل معلوم ہوئی نہ کوئی اطمینان کرنے والی بات دیکھی آپ مقام تمکین کے بزرگوں میں ہیں مَیں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے کوئی ایسی کرامت دکھادیں جس سے میرا دل مطمئن ہو جائے۔ فرمایا یہ کوئی ضروری بات ہے عرض کی جی ہاں! تو آپ فرات کے عرض کے نصف تک پانی کے اُوپر اُوپر چلے گئے اور پھر لوٹ آئے اور اس کی مسافت تقریباً تین سو قدم تھی۔ پھر جوتا نکال کر جھاڑا تو اس سے غبار اُڑا۔

یہ فرمان نویس شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور بوسہ دینے لگا۔ اور عرض کیا کہ اب میرا دل مطمئن ہو گیا اور اللہ رب العالمین کے لئے اسلام لے آیا۔

یہ شیخ محمد حرانی بہت بڑے لوگوں، بہت ممتاز اولیاء اور سربرآوردگان طریق میں سے ہیں۔ مضافات حلب سے شہر بیرہ میں آرہے تھے اور کوئی تین ماہ قیام کیا بہت کرامتیں دکھائیں اور ایک قوم کی قوم نے آپ سے ہدایت پائی ہے۔ پھر اسی شہر میں ۶۸۰ھ میں آپ کی وفات ہوگئی اور عیدگاہ میں شیخ عمر شیرازی کی قبر مبارک کی شمالی جانب دفن کئے گئے اس کو سراج رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

(ص ۱۴۴/۸، کل ۲۹ سطر۔۔۔ ص ۱۴۴/۲۲)

ابوعبداللہ محمد بن عباس الشعبی رحمۃ اللہ علیہ

ان کی اصل اشعوب ﴿(☆...... ذوالشعبین، حسان بن سہیل شاہ حمیر کی اولاد۔ مصر و عرب میں اشعوب شام میں شعبا، شعبین، کوفہ میں شعبین اور یمن میں آل ذی الشعبین کہلاتی ہے۔ ۱۲ مترجم ﴾ میں سے ہے جو دملوہ کے ایک گوشہ کے مشہور پہاڑ شامع پر رہتے تھے۔ فقیہ عالم عامل متقی زاہد تھے۔ بڑے بڑے علماء سے فقہ حاصل کیا اور خود ان سے بھی بڑے بڑوں نے فقہ حاصل کیا ہے اور ایک مدت تک شہر لغز میں قاضی رہے ہیں پھر تقویٰ کی وجہ سے یہ عہدہ چھوڑ دیا تھا۔ آپ کی بہت سی کرامتیں ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ فرماتے ہیں مَیں شہر جند کی مسجد میں آیا جایا کرتا تھا اور وہاں جماعت سے نماز پڑھتا تھا کیونکہ

مجھے اس مسجد کی فضیلت کی خبریں ملی تھیں تو جب امام اللہ اکبر کہتا تھا میں اُوپر ہوا میں ایک جماعت کی تکبیر کہنے کی آواز سنتا تھا اور وہ امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔آپ کی وفات ۶۸۷ھ میں ہوئی ہے اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابو عبداللہ محمد بن الحسین بن ابی السعود ہمدانی

فقیہ عالم فاضل صالح عامل قراءتوں اور روایتوں والے ہیں ان پر عبادت بہت ہی غالب تھی اور زہد وتقویٰ کے ساتھ ساتھ سب لوگوں سے زیادہ قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے تھے۔آپ کے رہنے کا مقام موضع فرادی تھا۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو غسل دینے والوں میں فقیہ ابوبکر بتاعی بھی تھے ان کی آنکھیں آشوب سے صحت یاب ہو رہی تھیں۔ان بزرگ کی ناف میں جو پانی جمع ہو گیا تھا انہوں نے اس کو اپنی آنکھوں پر لگا لیا تو اس کے بعد کبھی اُن کی آنکھیں نہیں دُکھیں۔ان فقیہ کی وفات ۶۹۰ھ میں ہوئی ہے اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد الحلیق اور ترکی زبان میں طریق محمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ بابا طریق کہلاتے تھے ماردین قلعہ کے مواضعات میں سے نہر خابور کے اخیر پر رہتے تھے۔آپ کے شاگردوں اور معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی۔

(ص ۳۳/۱۳۴،کل ۱۲ اسطر۔۔۔ص ۲۴/۱۳۵)

سراج رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم سے روایت کی گئی ہے کہ محمد حلیق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جماعت کو فرمایا کہ یہ تاتاری ہیں اور ضرور ہے کہ یہ اسلام لے آئیں گے اور شاش لباس پہنیں گے اور سب شہر ایک ہو جائیں گے جس وقت انہوں نے یہ فرمایا تھا وہ لوگ اس وقت کفر اور طرح طرح کی گمراہیوں میں بہت شدت سے مبتلا تھے۔مگر پھر جیسے اُنہوں نے کہا تھا ہو کر رہا۔(ص ۲۵/۲۳۵،کل ۲سطر۔۔۔ص ۲۹/۱۳۵)

اور آپ اکثر پتھر کھایا کرتے تھے سراج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بعض

سچ لوگوں نے بیان کیا ہے انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کو خدا کی قسم مجھے بھی اس میں سے کھلا دے جو آپ کھایا کرتے ہیں آپ نے اُن کو بھی ایک پتھر دے دیا انہوں نے کھایا تو بہتر سے بہتر حلوہ تھا اور ہم جانتے ہیں کہ شیخ اس سے بہت زیادہ تھے۔ (ص ۳۰/ ۱۳۵، کل ۲ سطر۔۔۔ص ۳۴/ ۱۳۵)

ابوعبداللہ محمد بن اسعد بن علی بن فضل الصعبی رحمۃ اللہ علیہ

معروف بہ جمیم، فقیہ عالم متقی اور صالح تھے۔ آپ کا درس بابرکت تھا اور صاحب افادات و کرامات تھے۔ روایت کیا جاتا ہے کہ آپ کے پاس ایک جماعت تفسیر نقاش پڑھتی تھی ایک دن ان لوگوں کے پاس علم نحو کا ایک سوال آیا جس میں سب کی سب جماعت حیران رہ گئی۔ ان فقیہ سے جواب کی فرمائش نہیں کر سکتے تھے اور خود معلوم نہیں کر سکے۔ کیونکہ جانتے تھے کہ فقیہ کو علم نحو میں دستگاہ نہیں ہے اس لئے اس سائل کو سوال کا جواب نہ دے سکے اور حل کی کوئی تدبیر نہ ہوسکی تو فقیہ کی خدمت میں پیش کیا مگر خیال تھا کہ جب آپ اس کو دیکھیں گے انہی میں سے کسی ایک کو اشارہ فرمائیں گے کہ وہ جواب دے دے۔

مگر آپ نے دیکھا تو قلم اُٹھایا اور ایسا کافی شافی جواب جیسا علماء نحو میں سے کوئی ماہر فن لکھ سکتا تھا لکھ دیا اور جماعت کو دے دیا۔ جماعت نے غور کیا تو بہت پسند کیا اور بہت تعجب کیا اور اس کو حضرت فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت قرار دیا۔

آپ کی کرامتوں میں وہ بھی ہے جس کو جندی رحمۃ اللہ علیہ نے فقیہ صالح بن عمر سے روایت کیا ہے کہتے ہیں کہ کتاب مذکور کا سبق مَیں تو پڑھا کرتا تھا اور سب سُنا کرتے تھے اور فقیہ اثنائے درس میں کبھی کبھی ٹول جاتے تھے یہاں تک کہ غالب گمان یہ ہوتا تھا کہ آپ سُن نہیں رہے ہیں مَیں نے ایک روز یہ اِرادہ کیا کہ پڑھنا بند کر دوں تو یکا یک دیکھتا ہوں کہ فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتے رہے ہیں صالح پڑھ! مَیں پڑھنے لگا پھر فقیہ نے اس کے بعد آنکھیں کھول

دیں اور صرف میری طرف متوجہ ہو کر تبسم فرمایا۔ حضرت فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتیں اور آپ کی بزرگی کی علامتیں بہت ہیں۔ آپ کی وفات موضع سہفنہ میں ۶۹۴ھ میں واقع ہوئی ہے۔ اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن ابی حمرہ رحمۃ اللہ علیہ

رفیع المرتبہ عظیم الشان صوفی تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں کیا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے اس پر انکار کیا۔ ایک مجلس منعقد کی اور شیخ کو اذیت دی تو آپ گھر میں گوشہ نشین ہو گئے اور دس سال تک سوائے جمعہ کے اور کسی وقت نہیں نکلتے تھے۔ آپ کی وفات ساتویں صدی میں ہوئی ہے اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد ابن الشیخ ابی بکر العرودک رحمۃ اللہ علیہ

بڑے ممتاز اور طریق کے سربرآوردہ لوگوں میں ہیں۔ سراج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اہل منبج وغیرہ کی ایک جماعت سے روایت کی گئی ہے وہ سب کہتے ہیں کہ یہ لوگ ۶۸۰ھ میں تاتاریوں سے بھاگ کر اپنے گھر والوں کے پاس سلمیہ مقام کے ایک پہاڑ پر پہنچے جو حمص سے ایک منزل ہے تو جب بدھ کے روز عصر کا بعد ہوا شیخ محمد موصوف نے لڑائی کی سی تیاری کی کمر باندھی اور اپنے خیمہ کا ایک بانس یا کوئی اور ایسی چیز لی اور ہوا میں مدہوش کر کھلم کھلا لڑنے لگے آپ کے چاروں طرف جماعت تھی جانتی تھی کہ آپ اس وقت کسی اہم کام میں ہیں اور اگلے جمعرات کے روز اسی وقت تک ایسا کرتے رہے پھر مُردے کی طرح گر پڑے اور جو جو چیز ان کے بدن پر تھی وہ اور تمام بدن اور لکڑی جب خون میں لتھڑا ہوا تھا پھر کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو لوگ آپ کے گرد تھے اور رو رہے تھے سب نے آپ کے ہاتھوں پیروں کو بوسہ دیا اور ماجرا دریافت کیا۔ آپ نے بتایا کہ آپ نے تاتاریوں کے افسروں سے لڑائی کی ہے اور اُن میں کے بڑے افسر کو قتل کر دیا ہے اور وہ آج شکست کھا جائیں گے اور پھر معلوم ہوا

کہ تاتاریوں کو اسی جمعرات ۱۶ رجب ۶۸۰ھ میں شکست ہوگئی ہے۔ شیخ موصوف الصدر نے ۷۰۰ھ میں شہید ہوکر وفات پائی ہے۔ تاتاریوں میں سے ایک شخص نے آپ کو شہید کردیا تھا اور آپ نے ایسا ہونے سے پہلے اس کی اطلاع کردی آپ مخ کے قریب قاطر کے اوپر دفن ہوئے ہیں اور قاطر سے قبلہ کی جانب تین گھنٹہ کے راستہ پر ایک کشادہ مقام ہے۔ (ص ۲۳/۱۳۶، کل ۲۵ سطر۔۔۔ص ۳۵/۱۳۷)

ابوعبداللہ محمد بن عمر بن احمد بن خشیبر رحمۃ اللہ علیہ

آپ فقیہ عالم اور عارف کامل تھے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی بہت سی مشہور کرامتیں اور معروف اشارات ہیں۔ (ص ۱/۱۳۸، کل ۲ سطر۔۔۔ص ۹/۱۳۸)

خود انہی سے نقل کیا جاتا ہے کہ ان کے والد صاحب ان کو شیخ ابوالغیث بن جمیل کے پاس دعا و برکت حاصل کرانے کے لئے لے گئے تھے یہ اس وقت بچہ ہی تھے ان کو مکشوف ہوا کہ شیخ ابوالغیث رحمۃ اللہ علیہ کے دو آنکھیں اور ہیں جن سے وہ پیچھے کو دیکھ لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد صاحب سے اور انہوں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کردیا تو فرمایا کہ خدا کی قسم بیٹا تمہارے سوا انہیں کوئی نہیں دیکھ سکا۔

پھر شیخ نے ان کے نام اور عظمت کے بلند ہونے کو ظاہر کیا تو ایسا ہی ہوا جیسا شیخ نے فرمایا تھا۔ آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے ان سے زیادہ مشہور کسی کو نہ دیکھا تو وادی زبید سے ان کے مکان تک ان کی ملاقات کے قصد سے چلا اور ایک زبردست مرض کی شکایت کی جو اُس کے پیر میں ہوگیا تھا اور اس کے علاج سے طبیب عاجز ہوگئے تھے۔ شیخ نے اپنی اُنگلی سے ہی داغ دے دیا آگ نہیں لی بلکہ اُنگلی سے کچھ خطوط کھینچ دیئے اور فرمایا اب ان شاء اللہ تعالیٰ تم کو شکایت نہ ہوگی۔ اس کا درد اسی وقت جاتا رہا پھر سات روز کے بعد ان خطوط کی جگہ سے کچھ داغ دینے کا سا نشان پھٹ کر نکل آیا اور پھر اس کو یہ مرض کبھی نہیں ہوا۔

(ص ۱۵/۱۳۸، کل ۷ سطر۔۔۔ص ۲۰/۱۳۸)

آپ کی وفات ۷۱۸ھ میں آپ کی ہی آبادی میں ہوئی ہے جو یمن میں بیت

حسین شہر کے قریب بیت الفقیہ نام سے انہی کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہے آپ کی اور آپ کی اولاد و اہلیہ کی قبریں بھی وہیں ہیں آپ کی قبر پر زیارت و برکت کے واسطے قصد کر کے لوگ آتے رہتے ہیں اور وہ مشہور ہے اس کو امام شرجی زبیدی نے بیان کیا ہے اور یہ اولاد جشیبر ایک نیک خاندان ہے۔کوئی زمانہ ایسا خالی نہیں جاتا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی ولایت کے ساتھ مشہور نہ ہو۔

محمد بن محمد بن معبد رحمۃ اللہ علیہ

الدوعنی صوفی یمنی عالی مرتبہ مشہور الذکر صاحب احوال و کرامات شیخ ہیں۔ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ کسی جنگل میں فروکش ہوتے تو وہاں نہریں پھوٹ پڑتی تھیں لوگ منتقل ہو ہو کر وہاں آجاتے اور وہاں درخت لگاتے اور کھیتی کرنے لگتے جب وہ سرسبز ہو جاتی پھل پھول آجاتے اور اہلِ دنیا جب شیخ اور اُن کے متوسلین کے ساتھ خلط ملط کرنے لگتے تو پھر کسی اور کلر جنگل میں منتقل ہو جاتے پھر وہ بھی باغ بن جاتا تھا اور ایسے ہی ہوتا رہتا تھا دُنیا آپ کو ڈھونڈتی پھرتی تھی اور آپ اس سے بھاگتے رہتے تھے آپ کی وفات ۲۰ے ھ میں ہوئی ہے اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔پھر مَیں نے اس بیان کو زبیدی رحمۃ اللہ علیہ کی طبقات الخواص میں دیکھا ہے مگر اُنہوں نے تاریخ وفات نہیں لکھی۔

ہاں یہ لکھا ہے کہ ان کے ایک لڑکے تھے جن کا نام محمد اور لقب غزالی ہے جو اپنے والد کی حیات ہی میں انتقال کر گئے تھے اور جب شیخ کی وفات ہوئی تو ایک پوتا ان مذکور الصدر صاحبزادے کا بیٹا اور ایک اور صاحبزادہ جن کا نام عبداللہ تھا اور وہ فقیہ و فاضل تھے رہے تھے اور ان کی جگہ اور رباط میں اچھے جانشین رہے یہاں تک کہ ۲۰ے ھ میں انتقال کر گئے۔تو اَب تم دیکھو کہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تاریخ ابن عبداللہ کی بیان کی ہے نہ کہ خود شیخ محمد بن معبد کی جیسے کہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔واللہ اعلم (ص ۱۳/ ۱۳۸، کل ۱۱ سطر۔۔۔ص ۱۵/ ۱۳۹)

ابوعبداللہ محمد بن یعقوب بن الکمیت بن سود بن الکمیت معروف بہ ابی حربہ رحمۃ اللہ علیہ

ان کا لقب ابوحربہ یعنی نیزہ والا اس لئے ہوا تھا کہ انہوں نے ایک ظالم کی طرف انگلی سے نیزہ کی طرف سے اشارہ کردیا تھا تو اُسے مارڈالا تھا اس کے بعد سے واقعی طور سے یا مذاق میں بھی کسی کی طرف اُنگلی سے اشارہ کرتے تو اُنگلی کو اُس کی طرف سے موڑ کر کرتے تھے اور یہ حضرت (اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے نفع پہنچائیں) ابتدائی حالات میں فقیہ ہوگئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں اے محمدؒ! لوگوں کی حاجتوں میں اُٹھ کھڑے ہو اور تمہارے واسطے گرم لباس بقدر کفایت روزی اور تکمیل حوائج ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مَیں یہ چاہتا ہوں کہ علم میں مشغول رہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پھر وہی ارشاد فرمایا اور پھر تیسری بار بھی فرمایا اور یہ بھی عرض کرتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو کیا ہوگیا ہے کہ مخالفت کرتے ہو؟ یہ فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مَیں جب بھی کسی حاجت کے لئے اُٹھا تو آسمان میں لکھا ہوا دیکھ لیتا تھا کہ یہ پوری کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی اور چل یا مت چل اور مَیں جب چلتا ہوں تو ایک نور کا علم زمین سے آسمان تک جس کو قدرتِ الٰہیہ ہی اُٹھائے ہوئے ہوتی تھی جہاں بھی مَیں جاتا میرے آگے آگے ہوتا تھا اور ان فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتیں بہت ہیں جو مشہور ہیں۔

(ص۲۱/۱۳۹، کل ۷ سطر۔۔۔ص۲۶/ص۱۳۹)

جن میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک بہت بڑے قافلہ کے ساتھ حج کیا جب خشکی کے راستہ میں مقام محرم میں پہنچے تو جواں کنواں وہاں تھا اس کو بند اور دفن پایا اور پانی نہ ملا تو سب لوگ سخت پیاس میں مبتلا ہوگئے۔ یہاں تک کہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تو پانی کے ملنے کے لئے فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے پڑ گئے۔

آپ نے اپنے لڑکے کو گھاٹی کے سرے پر بھیجا اور فرمایا کہنا اے وادی! لڑکے نے ایسا ہی کیا وہ آیا تو سیلاب اس کے پیچھے پیچھے تھا سب نے پانی پیا اور سیراب ہو گئے۔ آپ کی یہ کرامت چونکہ دیکھنے والے بہت تھے اس لئے بہت مشہور ہو گئی۔

آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ میں اور شیخ صالح ابراہیم اللجائی میں ساتھ رہنا سہنا محبت اخوت فی اللہ تھی۔ شیخ ابراہیم بہت زیادہ بیمار ہو گئے یہاں تک کہ زندگی سے مایوس ہو گئے تو فقیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متوسلین ان کی موت کے وقت پر حاضر ہونے کے لئے آ گئے۔ مجمع میں سے کسی نے فقیہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا حضرت اگر آپ ان کو کچھ مہلت ﴿یعنی دُعا کر دیتے کہ حق تعالیٰ ان کو ابھی اور زندہ رکھیں۔ ۱۲ مترجم﴾ لے دیتے تو اچھا تھا ان پر ایک حال طاری ہوا جس کی وجہ سے وہ بے حواس ہو گئے پھر افاقہ ہوا تو فرمایا مَیں نے دس سال کی مہلت لے دی ہے۔ شیخ ابراہیم اپنے اس مرض سے اچھے ہو گئے اور دس سال کے بعد ہی انتقال فرمایا اور ان دس سال میں ان کی اولاد بھی ہوئی ہے جو دَس سالہ اولاد کہلاتی تھی۔ اس کو فقیہ حسین ایدل نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔ (ص ۳۵/ ۱۳۹، کل ۹ سطر۔۔۔ ص ۷/ ۱۴۰)

ان فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۴ے ھ میں موضع مریخہ میں جو وادی مور کی جانب ہے واقع ہوئی ہے اور وہیں آپ کی قبر ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے۔ اور اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے اور دُور دُور کے مقامات سے لوگ آتے ہیں۔ اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی المجد المرشدی رحمۃ اللہ علیہ

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں بیان کیا ہے کہ مَیں نے اسکندریہ کے قیام کے زمانہ میں شیخ صالح عابد مخلوق سے ایک سو عیب سے خرچ کرنے والے ابوعبداللہ المرشدی کہ جو بڑے اولیاء اللہ اور صاحب کشف بزرگوں میں تھے سنا کہ وہ مقام منیۃ بنی المرشد میں گوشہ نشین ہیں اور وہاں ان کا ایک حجرہ ہے جس میں وہ تنہا ہیں نہ کوئی خادم

ہے نہ کوئی ساتھی، اُمراء، وزراء ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں ہر روز متفرق لوگوں کی جماعتیں ان کے پاس آتی ہیں وہ سب کو کھانا کھلاتے ہیں اور ہر شخص یہ نیت رکھتا ہے کہ اُن کے یہاں کچھ کھانا یا پھل یا مٹھائی کھائے یہ ہر ایک کو وہی دیتے ہیں جس کی وہ نیت رکھتا ہے اور بسا اوقات یہ چیزیں غیر موسم میں ہوتی ہیں۔ فقہاء فرمان حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں تو یہ تقرر و معزولی کرتے ہیں اور اُن کے یہ سب حالات شائع اور متواتر ہیں۔ ملک الناس نے بھی کئی بار اُن کی خدمت میں حاضری دی ہے۔ مَیں بھی اسکندریہ سے ان شیخ کی زیارت کے لئے نفعنا اللہ چلا۔ ابن بطوطہ نے بیان کا سلسلہ یہاں تک پہنچایا کہ مَیں ان شیخ کے حجرہ پر نماز عصر سے پہلے پہنچ گیا اور سلام عرض کیا جب اندر پہنچا تو آپ کھڑے ہوگئے معانقہ کیا اور نماز کی امامت کے لئے مجھے آگے بڑھا دیا۔ پھر جب مَیں نے سونے کا قصد کیا تو شیخ نے فرمایا کہ حجرہ کی چھت پر چڑھ جاؤ مَیں چڑھ گیا زمانہ گرمی کا تھا وہیں سو گیا۔ مَیں حجرہ کی چھت پر سو رہا تھا کہ خواب دیکھا کہ مَیں ایک بہت بڑے پرندہ کے پر کے اُوپر ہوں اور وہ مجھے قبلہ کی سمت میں اُڑائے لئے جا رہا ہے داہنی طرف کو جا رہا ہے پھر مشرق میں چلا پھر جنوب کے گوشہ کو جا رہا ہے پھر مشرق کے گوشہ میں دُور تک جا رہا ہے پھر ایک سایہ دار سرسبز زمین پر اُتر پڑتا ہے اور مجھے وہاں چھوڑ دیتا ہے مَیں اس خواب سے متعجب ہوا اور مَیں نے اپنے دل میں یہ سوچا کہ اگر شیخ کو میرے خواب کا کشف ہوگیا تو شیخ ویسے ہی ہیں جیسا بیان کیا جاتا ہے۔ مَیں صبح کی نماز کے لئے حاضر ہوا تو مجھے شیخ نے امامت کے لئے بڑھا دیا۔ پھر بلایا اور خواب کے بیان کرنے کو فرمایا مَیں نے سب خواب بیان کر دیا۔

فرمایا تم عنقریب حج کرو گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضر ہو گے پھر بلاد یمن و عراق اور بلاد ترک و بلاد ہندوستان کی سیاحت کرو گے اور وہاں ایک طویل مدت تک رہو گے تم وہاں ہمارے بھائی دلشاد ہندی سے بھی ملو گے وہ تمہیں ایک مصیبت سے نجات دلائیں گے جس میں تم پھنس جاؤ گے۔ پھر مجھے کچھ روغنی ٹکیاں

اور چند درہم عطا فرمائے ہیں میں نے ان کو الوداع کیا اور واپس آ گیا۔ جب سے میں اُن سے جدا ہوا ہوں اپنے سفروں میں بہتری ہی بہتری دیکھتا رہتا ہوں اور مجھ پر اُن کی بہت برکتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ پھر میں جن جن حضرات سے ملا ہوں سوائے سیدی محمد ولی کے جو ہندوستان میں تھے اور کوئی اُن جیسا نہیں ملا۔ ابن بطوطہ کا کلام ختم ہو گیا۔

مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ تمام دیار مصر کے مقتداء اور بہت خرچ کرنے والے تھے اور کسی سے کچھ قبول نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے تین رات میں ایک ہزار سے زائد اشرفیاں خرچ کی ہیں اور جو شخص بھی اُن کے حال کا انکار کرتا تھا جب شیخ کے پاس پہنچ جاتا اس کا خیال بدل جاتا تھا۔ ابن سید الناس وغیرہ ایسے ہی لوگوں میں تھے اور جب کوئی اُن کے حجرے میں آتا اور نماز کا وقت آ جاتا تو جو اَذان دیا کرتا ہے اُس کو اذان دینے کا اور جو امامت کیا کرتا ہے اس کو امامت کا اور جو خطبہ دیا کرتا ہے اس کو خطبہ دینے کا بغیر اس کے کہ اُن میں سے کسی کو بھی پہچانتے ہوں اشارہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ حسین شکل، نورانی صورت جمیل ہیئت خوش خلق اور بہت تلاوت کرنے والے تھے دلوں کی باتوں پر بھی گفتگو کیا کرتے تھے جو کبھی غلط نہیں ہوتی تھیں مجذوبانہ بات بہت کہتے تھے اچھے عقائد تھے حکومت میں بھی بڑی عزت تھی اور جو جو حالات اُن کے نقل کیے گئے ہیں ایسے حالات اگلے زمانہ میں بھی نہیں سُنے گئے۔

آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ آپ ہر شخص کے واسطے وہ چیز حاضر فرما دیتے تھے جو وہ چاہتا تھا بلکہ ایسی چیزیں بھی جو قاہرہ اور دمشق میں ہی ملتی ہیں اور آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ تندرست اور بالکل اچھے تھے آس پاس کی بستی والوں کو بلایا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ جب سب آ گئے آپ تنہا اپنے حجرہ کے خلوت خانہ میں چلے گئے اور بہت دیر لگا دی۔ لوگوں نے تلاش کیا تو مُردہ پائے گئے آپ کے پاس کھانے بہت ہوتے تھے اور کچھ معلوم نہیں کہاں سے لائے جاتے تھے کسی سے کچھ قبول بھی نہیں فرماتے تھے۔ قرآن شریف حفظ فرماتے

تھے اور صائغ رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا بھی ہے۔

پھر میں نے نفح الطیب میں دیکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ محمد بن مرزوق کرمانی خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کسی حاشیہ میں لکھا ہے کہ میرے والد کے پیروں میں سے سیدی محمد المرشدی بھی ہیں۔

والد صاحب نے ان سے مشرق کے سفر میں ملاقات کی تھی اُس وقت مجھے بھی ساتھ لیا تھا اور میں تیس سال کا تھا ہم شیخ کے پاس اُترے تو نمازِ جمعہ کا وقت تھا اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی عادت یہ تھی کہ مسجد میں ہی سے امام بنادیتے تھے۔

اور اُس روز بڑے بڑے فقہاء میں سے اس قدر جمع تھے کہ ایسے لوگوں کا اُس مجلس کے علاوہ اور کہیں جمع ہونا بھی مشکل تھا۔ کہتے ہیں کہ نماز کا وقت قریب آ گیا تو فقہاء اور خطیبوں میں سے جو حضرات تشریف رکھتے تھے آگے بڑھائے جانے کا انتظار کرنے لگے شیخ باہر تشریف لے آئے اور دائیں بائیں دیکھا میں اپنے والد صاحب کے پیچھے بیٹھا تھا مجھ پر نظر پڑ گئی تو فرمایا محمد آؤ میں اُن کے ساتھ اُٹھ گیا اور خلوت کی جگہ پہنچ گیا تو شیخ نے مجھ سے فرضوں، شرطوں اور سنتوں کے باب میں بحث فرمائی۔ میں نے وضو کیا اور خوب خلوصِ نیت سے کیا۔ شیخ کو میرا وضو پسند آیا میرے ساتھ مسجد میں تشریف لے آئے اور مجھے منبر کی طرف کھینچا اور فرمایا محمد منبر پر چڑھ جاؤ۔ میں نے عرض کیا حضرت خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں کیا کہوں گا فرمایا چڑھ جاؤ اور مجھے وہ تلوار دے دی جس پر سہارا لے کر وہاں خطیب خطبہ دیا کرتا تھا۔ میں بیٹھا ہوا سوچتا رہا کہ جب اذان دینے والے فارغ ہو جائیں گے تو کیا کہوں گا۔

جب اذان دینے والے فارغ ہو گئے شیخ نے مجھے آواز دی اور فرمایا محمد اُٹھو اور کہو بسم اللہ، کہتے ہیں کہ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور میری زبان ایسی چلی کہ مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا ہاں یہ بات تھی کہ میں لوگوں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ میری طرف دیکھ رہے ہیں اور میری تقریر سے رقت میں آ رہے ہیں۔ خطبہ ختم کر لیا اور اُتر آیا تو فرمایا

محمد تم نے بہت اچھا خطبہ دیا ہمارے نزدیک تمہاری میزبانی یہ ہے کہ ہم تم کو خطیب مقرر کردیں اور جب تک تم اس منصب پر رہو اور زندہ رہو دوسرے کا خطبہ نہ پڑھنا۔ پھر سفر شروع کردیا اور حج کیا۔ والد صاحب نے تو وہیں رہنے کا ارادہ فرما لیا اور مجھے لَوٹ جانے کا حکم دیا تا کہ چچا صاحب اور تلمسان میں کے دوسرے رشتہ داروں کے لئے باعث انس بنا رہوں اور مجھے حضرت مرشدی صاحب کی خدمت میں رہنے کا حکم دیا۔ مَیں آپ کی خدمت میں رہا۔ آپ نے والد صاحب کے متعلق دریافت فرمایا۔ مَیں نے عرض کیا وہ آپ کی دست بوسی کرتے اور سلام عرض کرتے تھے پھر مجھے فرمایا آگے آ اور اس کھجور کے درخت سے لگ جا کیونکہ جناب شعیب یعنی ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے قریب تین سال تک عبادت کی ہے۔ پھر آپ دیر تک کے لئے خلوت خانہ میں تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لے آئے اور مجھے سامنے بیٹھنے کا حکم فرمایا اور فرمایا محمد تیرے والد ہمارے دوستوں اور ہمارے بھائیوں میں ہیں مگر تُو اے محمد! مگر تُو اے محمد! یہ اس کی طرف اشارہ تھا۔ اس میں مَیں مبتلا تھا یعنی اہل دنیا کے میل جول اور شرکت وغیرہ میں۔

پھر فرمایا تُو اپنے والد کی طرف سے تشویش کیا خیال کرتا ہے کہ وہ بیمار ہیں اور اپنے شہر کی طرف سے بھی تو تیرے والد تو خیر وعافیت سے ہیں اور وہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی داہنی جانب ہیں اُن کی داہنی جانب خلیل مالکی اور بائیں جانب احمد قاضی مکہ مکرمہ میں رہا۔ تمہارا شہر، پھر آپ نے بسم اللہ پڑھی اور زمین پر ایک دائرہ کھینچا پھر کھڑے ہوگئے اور ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھ کر پکڑا اور اُن کو اپنی پشت کی طرف کرلیا پھر دائرہ کے چاروں طرف پھرنے لگے اور تلمسان تلمسان فرمانے لگے۔ کئی بار دائرہ کا چکر کاٹا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے اُس کے بارے میں حاجت پوری کردی ۔مَیں نے عرض کیا حضرت کیسے؟ فرمایا ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اُن بچوں اور عورتوں کی جو اُس میں ہیں پردہ پوشی فرمادیں گے اور یہ شخص جس نے محاصرہ کر رکھا ہے اُس کا مالک

ہو جائے گا یعنی سلطان ابوالحسن اور اُن کے واسطے یہی بہتر ہے۔

پھر بیٹھ گئے اور میں بھی سامنے بیٹھ گیا تو فرمایا اے خطیب! میں نے عرض کیا حضرت آپ کا خادم اور غلام فرمایا میرا خطیب بن جا تُو تو خطیب ہی ہے اور مجھے کچھ باتوں کی خبر دی اور فرمایا ضرور ہے کہ تُو غربی جامع مسجد میں خطبہ دے گا۔ پھر مجھے چند چھوٹی چھوٹی روغنی ٹکیاں عطاء فرمائیں اور یہ زادِ راہ دے کر سفر کا حکم فرمادیا اور تلمسان کا حال یہ ہوا کہ جیسے شیخ نے فرمایا تھا اُس میں مرینی (سلطان ابوالحسن) داخل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے بچوں اور عورتوں کی پردہ پوشی فرمادی اور یہ حضرت مُرشدی صاحب ولایت میں تصرف فرمایا کرتے تھے جیسے کہ حضرت ابوالعباس سبتی تصرف فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان دونوں سے نفع پہنچائیں۔

مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں آپ کی وفات رمضان ۷۳۷ھ میں ہوئی ہے اور اپنے حجرہ میں منیۃ المرشد میں بلاد مصر میں فوت کے قریب مدفون ہوئے ہیں۔

محمد بن عبداللہ بن علوی استاذ اعظم کے صاحبزادے رحمۃ اللہ علیہ

عارفین کے اماموں اور بڑے علمائے باعمل میں سے تھے۔ آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ آپ متوسلین میں سے کسی کے پاس بیٹھے تھے کہ جلدی سے اُٹھ کھڑے ہوئے پھر لوٹے تو آپ کے کپڑوں میں سے پانی ٹپک رہا تھا، اُن صاحب نے اُٹھنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا میرے متوسلین میں سے بعض کا جہاز پھٹ گیا تھا اُنہوں نے مجھ ﴿یعنی میری برکت سے مدد چاہی ۱۲ حضرت اقدس﴾ سے مدد مانگی تو میں نے اُس میں اپنا کپڑا لگا دیا حتیٰ کہ اُن لوگوں نے اس پھٹن کو درست کر لیا اور جہاز جیسا تھا ویسا ہو گیا۔

آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص جنگل کے رہنے والے لوگوں میں مہمان ہوا اُنہوں نے کسی خاص کھانے کا اہتمام نہیں کیا معمولی کھانے سے اُس کی میزبانی کی اور یہ کہا کہ ہمارے ہاں سوائے اُس گھی کے جس کی ہم نے حضرت محمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے منت ﴿یعنی ہم نے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ منت مان رکھی

ہے کہ یہ حضرت سید کو ہدیہ دیں گے۔۱۲رحضرت اقدس﴾ مان رکھی ہے اور کچھ نہیں ہے۔اُس نے کہامیں خود اپنے ہاتھ سے اُس میں سے لےلوں گا اُس نے ہاتھ بڑھایا تو ایک سانپ تھا جواُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔اُس شخص نے اپنی حرکت سے توبہ کی تو پھر سانپ کا گھی بن گیا۔جب یہ تریم پہنچا حضرت سید صاحب مقیم تھے آپ کے پاس سلام کیلئے حاضر ہوا تو آپ نے اُس کے بولنے سے پہلے ہی کشف سے سب ماجرا بتادیا۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے چچا زاد بھائیوں میں سے کسی نے آپ کے واسطے اپنے دل میں پانچ اشرفیوں کی منت مانی تھی جب وہ آپ کے پاس آئے آپ نے اشرفیاں طلب فرمائیں۔انہوں نے عرض کیا میں نے کب پیش کرنے کا قصد کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ فلاں روز جبکہ تم فلاں کشتی میں تھے تو اُنہوں نے اس کا اقرار کیا۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ کسی نے آپ کے لئے ایک خاص مینڈھے کی نذر کی تھی پھر وہ دوسرا مینڈھا لایا تو آپ نے واپس فرمادیا اور فرمایا کہ میرے والا مینڈھا تو ایسا ایسا تھا۔آپ کی وفات تریم میں حضر موت میں ۷۴۳ھ میں ہوئی اور ذنبل کے مقبرہ میں دفن ہوئے ہیں اس کو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن موسیٰ النہاری رحمۃ اللہ علیہ

یہ اپنے ایک دادا کی طرف منسوب ہیں جن کا نام نہار تھا۔علم وعمل کے اعتبار سے اپنے اہل زمانہ میں یکتا تھے۔صاحب کرامات ومکاشفات تھے۔جب کوئی حاضر ہوتا آپ اُس کا اُس کے باپ دادا اور شہر کا نام لے کر اس سے بات کیا کرتے تھے اور یہ تواتر ﴿یعنی اس کثرت سے بیان کیا گیا ہے کہ عقل جھوٹ ہونے کو محال سمجھتی ہے۔۱۲رمترجم﴾ کے درجہ کو پہنچ گیا ہے۔اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی ہے کہ آپ کے پاس ایک جماعت آئی جب وہ لوگ قریب آگئے تو ایک شخص نے اپنے کپڑے ایک درخت کے نیچے رکھ دیئے حاضر ہوا تو عرض کیا کہ میں ننگا ہوں مجھے کپڑا اعطا فرمائیے،فرمایا یہ کیا حال ہے تم جھوٹ کہتے ہو تمہارے کپڑے اس درخت کے نیچے ہیں۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ عرب کے مشائخ میں سے کسی نے ان کے کسی درویش کو تکلیف دی تو آپ نے ان کو دھمکی لکھی اور لکھا تم نہیں جانتے کہ تم سورۂ نحل کے اوّل اور سورۂ صٓ کے آخر میں ہو یعنی **اتی امر الله فلا تستعجلوه** (اللہ کا حکم آ پہنچا ہے اب تم اُسے جلدی نہ چاہو) اور **لتعلمن نباه بعد حين** (اور تم لوگ اُس کی خبر کچھ بعد ضرور جان لو گے) تو یہ شخص چند دن بعد مر گیا۔ ان شیخ کی وفات ۷۴۲ھ میں ہوئی ہے۔ اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

(ص۹/۱۴۲، کل ۲ صفحے ۲ سطر۔۔۔ص ۲۶/۱۴۲)

محمد بن محمد وفا السکندری رحمۃ اللہ علیہ

سکندری الاصل پھر مغربی پھر مصری شاذلی ہیں۔ بڑے مشہور صوفی اور حضرت علی وفا کے والد تھے۔ آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ نے اپنا پٹکہ ابرازی زیور بنانے والے کو عطاء کیا اور فرمایا یہ تمہارے پاس امانت ہے تا کہ تم اس کو میرے لڑکے علی کو دے دو تو جن دنوں ان کے پاس یہ پٹکہ رہا انہوں نے عمدہ عمدہ زیور بنائے یہاں تک کہ علی رحمۃ اللہ علیہ بڑے ہو گئے اور انہوں نے وہ ان کو دے دیا تو پھر یہ کوئی زیور نہ بنا سکے۔

شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کا لقب وفا اس وجہ سے ہوا ہے کہ دریائے نیل ٹھہر گیا تھا اور زیادہ ہونے کے وقت بڑھتا نہ تھا۔ اہل مصر نے وہاں سے کوچ کر جانے کا قصد کیا تو شیخ دریا پر آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑھ جا وہ اسی دن ستر (۷۰) ہاتھ بڑھ گیا اور پورا ہو گیا تو لوگوں نے ان کا لقب (پورے پورے) رکھ دیا اور مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی کتابیں تالیف فرما دی ہیں۔ حالانکہ بالکل اُمّی اور سات سال کے تھے۔ اُن کی وفات ۷۶۰ھ میں ہوئی ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن موسیٰ امام احمد بن موسیٰ بن عجیل کے صاحبزادے رحمۃ اللہ علیہ

یہ فقیہ عالم صالح صاحب کرامات ومکاشفات تھے۔ان کے کشف وکرامات میں یہ بھی ہے کہ ایک ذی اقتدار شخص ان کا مرید تھا اُس کی بیوی مرگئی وہ اس سے بہت محبت کیا کرتا تھا اس لئے بہت سخت رنج ہوا۔ یہ فقیہ محمد بن موسیٰ کے پاس پہنچا اور اپنی حالت کی شکایت پیش کی اور عرض کیا کہ میری تمنا یہ ہے کہ اُسے دیکھ لوں اور جان لوں کہ اُس پر کیا گزری ہے؟ فقیہ رحمۃ اللہ علیہ نے عذر کیا مگر اس نے نہ مانا اور عرض کیا کہ جب تک میری حاجت پوری نہیں ہوگی میں نہیں جاؤں گا۔فقیہ کے یہاں اُس کی قدر ومنزلت بہت تھی۔ آپ نے اُس سے تین دن کی مہلت مانگی۔ پھر اس کو ایک دن بلایا اور فرمایا اس حجرہ میں اپنی بیوی کے پاس چلے جاؤ۔ یہ اندر گیا تو اُس کو اچھی حالت اور اچھے لباس میں پایا۔حال پوچھا تو اُس نے کہا کہ یہی بہتر حالت ہے اس کو بہت مسرت ہوئی اور خوش خوش ہشاش بشاش حضرت فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس باہر آ گیا اور جس قدر رنج وغم تھا اُس سے سکون ہوگیا۔حضرت فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتیں ان کے علاوہ اور بھی بہت ہیں۔آپ کی وفات ۷۰۶ھ میں ہوئی ہے اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد الشمشینی رحمۃ اللہ علیہ

مجذوبانہ باتیں کرنے والوں میں سے ہیں ان کی کرامتیں بھی ہیں، جن میں یہ بھی ہے کہ جو شخص ان کے ساتھ برائی سے پیش آتا تھا ہلاک ہوجاتا تھا۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے امیر الکاشف کے یہاں کسی کی سفارش کی اُس نے قبول نہ کی اور یہ کہا اگر تم شیخ ہو تو مجھ پر کچھ پھونک کرو۔ آپ نے بسم اللہ پڑھی اور اُس کے چہرہ پر پھونک دی تو اس کو نفخ رہنے لگا اور چلاتا پھرنے لگا۔اس نے عذر معذرت کی استغفار کیا تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ہاتھ اس کے پیٹ پر پھیر دیا تو نفخ جاتا رہا۔اور جب تک وہ زندہ رہا شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا مرید رہا۔شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھویں صدی میں وفات پائی اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

محمد بن علوی بن احمد استاذ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے

علمائے عاملین کے امام اور اولیائے عارفین کے شیخ تھے۔ آپ کی کرامتیں بہت ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ شیخ سنبل بن عبداللہ چند بچوں کے ساتھ شہر سے باہر بیریوں سے گرے ہوئے بیر چُن رہے تھے۔ سید محمد موصوف نے ان کو دیکھا تو آواز دی اور ان کا کان ایسا مروڑا کہ اس میں تکلیف ہونے لگی اور فرمایا یہ تمہارے مناسب نہیں تم اُس کام کی تیاری کرو جو تم سے مطلوب ہے یا اس قسم کا اور کوئی لفظ کہا۔

شیخ فضل کہتے ہیں کہ اس بات نے میرے دل میں بہت اَثر کیا اور مَیں نے تحصیل علوم میں کوشش شروع کر دی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر علم کا دروازہ کھول دیا۔ انہی شیخ فضل نے حضرت ممدوح سے وسوسہ کی شکایت کی تو فرمایا اب نہ ہوگا تو وسوسہ آنا جاتا رہا۔ آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ کے خادموں میں سے کسی کی کوئی چیز چوری ہوگئی سردی کا موسم تھا وہ ان کے گھر آیا تو معلوم ہوا کہ وہ حسبِ ضرورت فجر کے لئے علی الصبح جامع مسجد گئے ہوئے تھے۔ یہ ان کے پاس پہنچا تو اُس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی آپ نے فرمایا اپنے گھر لوٹ کر جاؤ چور نے تمہاری چیز لوٹا دی ہے۔ واقعہ ایسا ہی نکلا جیسا انہوں نے فرمایا تھا۔

آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ کا ایک خادم راستہ میں کسی لق و دق جنگل میں جا پہنچا اور اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو اُس نے ان سے امداد چاہی اور چلا گیا تو ایک شخص کو محسوس کیا جو کچھ کر رہا ہے کہ یہ رہا راستہ تو یہ راستہ پر پہنچ گیا۔ ان بزرگ کی وفات ۷۶۷ھ میں شہر تریم میں حضر موت میں ہوئی ہے اور ذنبل کے مقبرہ میں دفن کئے گئے ہیں آپ کی قبر مشہور ہے اور اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ اس کو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن ابراہیم بن دحمان رحمۃ اللہ علیہ

عالم بن عمل صالح فاضل حنفی صاحب کرامات تھے۔ ان کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا داماد حکومت میں ملازم تھا، بادشاہ نے اُسے قید کر دیا اور شیخ رحمۃ اللہ

علیہ نہ تو لوگوں سے واقف تھے نہ میل جول رکھتے تھے اسی اثناء میں عید آ گئی اور وہ قید میں رہا۔ اس کی بیوی اور بچے رونے لگے یہ ارکانِ دولت میں سے کسی سے واقف نہ تھے۔ بادشاہ کے دروازہ کی طرف چلے۔ اتفاق سے اُن کے جانے کے وقت ہی بادشاہ بھی عید کے لئے نکل رہا تھا۔ سامنا ہوا تو فقیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سر کھول دیا اور گھوڑا بادشاہ کو لے کر کھڑا ہو گیا کہ ایک قدم بھی نہ چل سکا۔ لوگ دوسرا گھوڑا لائے۔

پھر تیسرا چوتھا لائے مگر یہی حال رہا۔ بادشاہ نے لوگوں سے کہا دیکھو تو کیا بات ہے لوگوں نے دیکھا تو فقیہ رحمۃ اللہ علیہ سر کھولے ہوئے تھے۔ پوچھا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا میرا داماد قید میں ہے بادشاہ نے اُس کو رہا کر دیا تو فوراً گھوڑا چلنے لگا۔ ان کی وفات ۶۹۷ھ میں ہوئی ہے اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن عبداللہ الصوفی رحمۃ اللہ علیہ

یہ شیخ بہاء الدین کازرونی میں اپنے وطن سے تصوف کی تکمیل کے بعد مصر آرہے تھے لوگ اُن کے پاس آیا جایا کرتے تھے یہیں رہ پڑتے اور اہل وعیال کو چھوڑ بیٹھتے تھے۔ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ان عجیب باتوں میں سے جو اُن کے لئے واقع ہوئی ہیں یہی ہے جس کو نجم یالسی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ہم اُن کے جنازہ پر حاضر تھے جب ان کو قبر میں اُتارا گیا پھر وہ شخص جس نے ان کو لحد میں داخل کیا تھا تو نہایت حسین وجمیل ہو گیا تھا۔ تمام حاضرین اُس کے دیکھنے میں اور شیخ کی اس کرامت سے تعجب میں از خود رفتہ ہو گئے۔ ان شیخ کی وفات ۷۰۳ھ میں ہوئی۔ اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن عمر بن محمد الزدکی

امام عالم فاضل صاحب اتقان وایقان تھے علم ادب اور خاص کر علم لغت کی سرکردگی ان پر ختم تھی۔ خوش خلق، سلیم القلب اور خیر وصلاحیت سے مشہور تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو ارشاد فرمایا جو تم سے پڑھ لے گا جنت

میں جائے گا اور اسی خواب کی وجہ سے ان سے بہت علماء نے علم حاصل کیا ہے جن میں سے الشیخ الشریف عبدالرحمٰن بن ابی الخیر فاریشی بھی ہیں۔ یہ فقیہ رحمۃ اللہ علیہ اخیر عمر میں مکہ مکرمہ رہنے لگے تھے اور وہاں والوں کو ان سے بہت عقیدت تھی۔

فقیہ سلیمان علوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے دوست عبداللہ بن محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے بیان کیا ہے کہ ان کو دستوں کا مرض ہوگیا خون آنے لگا اور بہت زیادہ بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ دن رات میں ساٹھ ساٹھ مرتبہ اُٹھتے تھے۔ ان کے والد حضرت شیخ محمد زدکی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے پاس لائے کہ صحت کے واسطے دُعا فرمائیں۔ کیونکہ ان لوگوں کے یہاں مکہ مکرمہ میں آپ ہی مشہور بزرگ تھے۔ آپ تشریف لے آئے دُعا کی اور اُن سے فرمایا اپنا پیٹ کھولو۔ انہوں نے کھول دیا تو آپ نے بھی اپنا پیٹ کھولا اور اس کو ان کے پیٹ سے ملایا اور چلے گئے۔ اس کا اثر فوراً ہی ظاہر ہونے لگا کہ خون آنا کم ہوگیا اور وہ بہت جلد شفایاب ہوگئے۔

شریف عبدالرحمٰن بن ابی الخیر فاریشی مکی کہتے ہیں کہ جب مجھ کو ان شیخ زدکی رحمۃ اللہ علیہ کا خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمانا کہ جو تم سے پڑھ لے گا جنت میں داخل ہوگا معلوم ہوا تو مَیں نے اُن کے پاس پڑھنے کے واسطے جانے کا پختہ ارادہ کرلیا تھا مگر شیخ خود ہی میرے موضع میں تشریف لے آئے اور مَیں نے وہیں پڑھ لیا۔ اور ان کی کرامتیں اسی قسم کی اور بھی ہیں۔ آپ کی وفات ۸۲ے ھ میں مکہ معظمہ میں ہوئی ہے اور جنت المعلاۃ میں حضرت اُم المؤمنین سیدتنا خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریب دفن کئے گئے ہیں اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن عیسیٰ الزیلعی رحمۃ اللہ علیہ

زہد وعبادت اور کامل تقویٰ کے ساتھ ساتھ خارق عادات، کرامات اور سچے مکاشفات والے بزرگ تھے، اُن پر ایک نور اور ہیبت تھی۔ ان کے دادا فقیہ احمد بن عمر زیلعی نے عہد کیا تھا کہ میرے بیٹے عیسیٰ کے ایک لڑکا ہوگا جس کا نام محمد ہوگا اس

کی ابتداء میری انتہاء جیسی ہوگی۔

آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ آپ کا ایک نوجوان لڑکا تھا یہ لڑکا کچھ لوگوں کے ساتھ ایک مجمع میں تلوار کا کھیل، کھیل رہا تھا جیسا کہ عام مواضعات کے اہل عرب کی عادت ہے۔ اتفاق سے ایک شخص کی آنکھ میں تلوار لگی اور آنکھ نکل گئی۔ حضرت فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ معلوم ہوا اس شخص کو بلایا اور آنکھ کو اس کی جگہ لگا کر اس پر لعاب مبارک لگا دیا تو اس شخص کی آنکھ جیسی تھی ویسی ہی ہوگئی۔

آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے وہ مسجد جو اُن کی آبادی میں ہے بنائی تو اتفاق سے ایک شخص ایک اُونچی جگہ سے گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ وہ حضرت فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لایا گیا آپ نے اُس کی گردن پر ہاتھ پھیرا اور لعاب مبارک لگا دیا تو اُس کی گردن ٹھیک ہوگئی کہ گویا اس میں کچھ ہوا ہی نہیں اور اسی وقت سب کے ساتھ کھڑا ہو کر تعمیر کرنے لگا۔

اسی مسجد کی تعمیر کے زمانہ میں آپ کی جو کرامت بہت مشہور تھی یہ تھی کہ آپ غیب سے خرچ کرتے ہیں اور یہ اس لئے کہ آپ کے پاس ظاہر میں نہ کوئی مال تھا نہ تجارت نہ زراعت نہ ان کے علاوہ کوئی اور سلسلہ بلکہ آپ فقیر محض تھے اور اس کے باوجود ایک بہت وسیع عمارت بنادی اور اس میں بہت مال خرچ کر ڈالا۔

آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ بارش کے باب میں جب لوگ آپ کے سر ہو جاتے تھے۔ فوراً پانی آجاتا اور حق تعالیٰ اسی وقت ان پر بارش نازل فرما دیتے تھے۔ آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ الملک المجاہد کی ایک باندی جس کو ان کی والدہ نے شیخ کے پاس بھیجا تھا حاضر ہوئی اور اپنے آقا کی رہائی کے بارے میں شیخ کے سر ہوگئی۔ ان دنوں جبکہ ان کو مکہ مکرمہ سے گرفتار کر کے مصر پہنچا دیا گیا تھا۔

آپ نے فرمایا وہ اَبھی اَبھی رہا کر دیئے گئے۔ اس نے اس وقت کی تاریخ یاد کر لی۔ جب رہائی کے بعد مجاہد آگئے تو اُنہوں نے بتایا کہ ان کی رہائی اسی وقت

ہوئی تھی جس وقت میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی رہائی کی خبر دی تھی۔ آپ کی وفات ۷۸۷ھ میں ہوئی ہے اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بہاء الدین شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

محمد بہاء الدین شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ بخاری تھے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے شیخ اعظم اور بڑے بڑے آئمہ صوفیاء کے پیشرو تھے۔ طریقت کو شیخ محمد بابا السماسی رحمۃ اللہ علیہ سے اور پھر سید امیر کلال سے حاصل کیا ہے۔ ۷۱۷ھ میں بخارا سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر قصر العارفان آبادی میں تولد ہوئے ہیں۔ (ص۲۲/۱۴۳ کل ایک صفحہ ۳ سطر۔۔۔ ص۲۳/۱۴۶)

آپ کی بڑی کرامتوں میں سے ایک یہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ایک دن میں محمد زاہد جنگل گئے اور یہ سچے عاشق تھے اور ہمارے ساتھ کھدالیں تھی ہم بھی ان کی شغل کر رہے تھے کہ ہم پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی کہ جس نے مجبور کر دیا کہ ہم کھدالیں پھینک دیں اور معرفت کی باتوں کا تذکرہ کریں۔

اسی گفتگو میں سلسلۂ کلام بزرگی پر پہنچا تو مَیں نے کہا اس کی انتہا اس درجے پر ہوتی ہے کہ اگر مقام بندگی والا کسی کو یہ کہہ بیٹھے کہ مر جا تو وہ فوراً مر جائے۔ پھر یہ ہوا کہ مَیں نے اُن سے کہہ دیا کہ تم مر جاؤ وہ اسی وقت مر گئے اور چاشت کے وقت نصف النہار تک مُردہ ہی رہے۔ گرمی کا وقت تھا اس لئے میں گھبرا گیا اور بہت حیران ہوا۔ مَیں قریب ہی ایک سایہ کی جگہ پر پہنچ گیا اور سخت حیرت میں رہا۔ پھر اُن کے پاس لوٹ کر آیا تو ان میں گرمی کی زیادتی سے تغیر بھی ہو چلا تھا پھر تو اور بھی پریشانی بڑھی۔ اسی وقت میرے دل میں یہ القاء کیا گیا کہ ان سے کہو اے محمد! زندہ ہو جاؤ۔ مَیں نے تین مرتبہ ان کو یہ کہا تو ان میں تھوڑی تھوڑی حیات سرایت کرنے لگی اور مَیں ان کو دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ پہلی سی حالت پر لوٹ آئے۔

میں سید کلال کی خدمت میں حاضر ہوا تو سب قصہ عرض کیا جب مَیں نے عرض کیا کہ وہ مَر گئے اور مَیں اس کی وجہ سے حیران ہوں تو فرمایا بیٹا تم نے ان سے

کیوں نہ کہہ دیا کہ زندہ ہو جاؤ۔ مَیں نے عرض کیا جب مجھے اس کا الہام کیا گیا تو مَیں نے یہ کہہ دیا اور وہ زندہ ہو گئے۔

آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے نواسے شیخ حسن عطاءکو جب کہ وہ بچے ہی تھے دیکھا کہ ایک بچھڑے پر سوار ہیں اور چاروں طرف اور بچے ہیں فرمایا قریب ہے کہ یہ سوار ہوگا اور بادشاہ اور اُمراء اس کے آگے آگے ہوں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا جیسا فرمایا تھا کہ یہ بالغ ہونے کے بعد خراسان آگئے۔ وہاں کے بادشاہ مرزا شاہ رخ رحمۃ اللہ علیہ سے باغ زاغاں میں ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے اُن کے لئے اپنا خچر پیش کیا۔ جب اُنہوں نے سوار ہونے کا اِرادہ کیا تو بادشاہ نے اس کی باگ پکڑی اور آگے آگے چلا یہاں تک کہ خچر کی شوخی جاتی رہی۔ پھر شیخ حسن پیدل ہوئے اور اپنے راستہ پر بخارا کو چلے گئے۔ شریف رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے نانا صاحب قدس سرہٗ کی روحانیت کے لئے تواضع اور خشوع وخضوع میں سر جُھکا لیا۔ پھر بادشاہ سے اُن کی بشارت اور کرامت کے واقع ہو جانے کا تذکرہ کیا تو بادشاہ اور اس کے سب ساتھیوں کی ان کے ساتھ عقیدت بڑھ گئی۔ (ص۱۲/۱۴۷، کل ۱۰ سطر۔۔۔ص۲۹/۱۴۷)

آپ کے متوسلین میں سے کسی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ آپ شہر مرو میں تھے اور مَیں خدمت میں حاضر تھا مجھے اپنے گھر والوں کے دیکھنے کا اشتیاق ہوا جو بخارا میں تھے اور خبر یہ پہنچی تھی کہ میرے بھائی شمس الدین کا انتقال ہو گیا ہے۔ مجھے اجازت لینے کی جرأت نہ ہوئی تو مَیں نے امیر حسین سے جو اس وقت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے استدعا کی کہ مجھے اجازت لے دیں۔ شیخ ایک روز جمعہ کی نماز کے واسطے تشریف لے گئے تو واپسی میں امیر صاحب نے میرے بھائی کے انتقال کا ذِکر کیا تو فرمایا یہ کیسی خبر ہے وہ تو زندہ ہے اور یہ اس کی خوشبو پھیل رہی ہے بلکہ مَیں اس کی خوشبو کو بہت ہی قریب پاتا ہوں۔ ان کی باتیں ابھی ختم بھی نہ ہوئی تھیں کہ میرے بھائی بخارا سے آگئے۔ وہ آئے اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو سلام کیا تو فرمایا امیر حسین یہ ہے۔ شمس

رری! تو حاضرین پر ایک زبردست حال طاری ہوگیا۔

شیخ علاؤ الدین عطار کہتے ہیں کہ حضرت اقدس بخارا میں تھے اور آپ کے ایک مرید کے عزیز مولانا عارف خوارزم میں تھے۔ حضرت ایک دن اپنے متوسلین سے صفت بصر روحانی یعنی اس امر پر کہ اہل اللہ دور کی چیزوں کو ایسے دیکھ لیتے ہیں جیسے قریب کی چیزوں کو۔ ۱۲ مترجم پر گفتگو فرما رہے تھے۔ اثنائے کلام میں فرمایا کہ مولانا عارف اس وقت خوارزم سے سرائے کی طرف چلے ہیں اور سرائے کے راستہ میں فلاں جگہ تک پہنچ گئے ہیں۔ پھر کچھ دیر بعد فرمایا کہ مولانا عارف کے دل میں یہ خیال آرہا ہے کہ وہ سرائے نہ جائیں اور وہ خوارزم کی طرف لوٹ گئے۔ حاضرین نے اس واقعہ کو بقید تاریخ لکھ لیا۔ پھر ایک مدت کے بعد مولانا عارف خوارزم سے بخارا آئے تو جو کچھ شیخ قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا تھا ان کو سنایا۔ انہوں نے کہا کہ بعینہٖ یہی بات مجھے پیش آئی تھی۔ سب کو اس بات سے بہت زیادہ تعجب ہوا۔

شیخ عبداللہ خوجندی کہتے ہیں کہ شیخ قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں میرے رہ پڑنے کا سبب یہ ہوا کہ اس سے کئی سال پہلے میں خوجند میں ہی تھا کہ دل میں عشق کی آگ لگ چکی تھی، میرا قرار سلب کر دیا تھا۔ میں متوسلین میں داخل ہونے کا سخت پیاسا تھا آخر خوجند سے حیران و پریشان نکل کھڑا ہوا یہاں تک کہ ترمذ پہنچا اور انتہائی بے قراری کی حالت میں عارف کبیر ابو محمد بن علی الحکیم الترمذی قدس اللہ سرہٗ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ پھر نہر جیحون کے کنارے پر مسجد میں گیا اور وہاں سو گیا تو خواب میں دو رُعب داب والے بزرگوں کو دیکھا ان میں سے ایک صاحب نے مجھ سے فرمایا تم ہم کو پہچانتے ہو؟ میں تو محمد بن علی الترمذی ہوں اور یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں تم خود کو مشقت میں نہ ڈالو بے قرار نہ ہو۔ کیونکہ ابھی اس کام کا جس کا تم ارادہ کر رہے ہو وقت نہیں آیا۔ لیکن اس درجہ پر بارہ (۱۲) سال کے بعد بخارا میں شیخ بہاء الدین شاہ نقشبند کے ہاتھ پر جو اس وقت قطب زمانہ ہیں مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔ پھر مجھے افاقہ ہوا تو وہ سوزش سکون پا گئی اور میں خوجند لوٹ آیا۔ پھر ایک

دن میں بازار میں جا رہا تھا کہ دو تر کی شخص مسجد میں داخل ہوتے ہوئے ملے میں بھی اُن کے پیچھے پیچھے پہنچ گیا۔ وہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے میں نے اُن کی باتوں پر کان لگایا تو سُنا کہ وہ اس طریق کے حالات پر گفتگو کر رہے ہیں میرے دل میں اُن کی طرف میلان پیدا ہوا۔ میں جلدی سے اُٹھا اور اُن کے واسطے کھانا لے کر آیا اُن میں سے ایک نے دُوسرے سے کہا کہ اس شخص میں عشق کی سوزش معلوم ہوتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہمارے بادشاہ شیخ اسحاق کے صاحبزادے کی خدمت میں رہے۔ جب میں نے سُنا تو ان سے ان شیخ کے حالات پوچھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ نواحی خوجند ہی میں ہیں۔ میں اُسی وقت ان کے پاس حاضر ہوا تو اُنہوں نے مجھ سے بہت ہی زیادہ مہربانی فرمائی۔ ان کے ایک لڑکے نے جس پر خلوص و شرافت کے آثار تھے میرے متعلق کہا کہ یہ مرید تو صاحب انکسار ہے مناسب ہے کہ جناب اس کو انتخاب فرمالیں اور داخل سلسلہ کرلیں تو شیخ رو پڑے۔ اور فرمایا بیٹا یہ تو شیخ بہاء الدین کی اولاد میں ہے میرا اس پر کوئی حکم نہیں چلتا۔ اس کے بعد میں خوجند لوٹ آیا اور اس اشارہ کے ظہور کے زمانے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ ہی مدت گزری ہوگی کہ میں نے اپنے دل کو دیکھا کہ بخارا کی جانب کھنچا جا رہا ہے اور مجھے اس کی قدرت نہ رہی کہ ایک منٹ کی بھی دیر کرسکوں تو میں نے بخارا کی طرف سفر شروع کردیا۔

جب میں وہاں پہنچ گیا سیدھا شیخ قدس اللہ سرّہ کی بارگاہ کا اِرادہ کیا۔ آپ کے دیدار سے مشرف ہوا تو فرمایا عبداللہ خوجندی تم نے دیکھ لیا ہے کہ بارہ (۱۲) سال کی مدت کے پورا ہونے میں تین دن باقی رہے ہیں۔ مجھ پر اس اشارہ سے ایک عجیب حالت طاری ہوگئی اور شیخ کی محبت کی صبح سعادت اُفق دل میں طلوع کر آئی حاضرین اس اشارہ کو نہ سمجھ سکے تو مجھ سے پوچھا۔ جب میں نے ان لوگوں کو اس حقیقت کا ذائقہ چکھایا تو کیف و سرور سے پھولے نہ سمائے پھر شیخ مجھ پر پوری پوری عنایت سے متوجہ ہوئے اور خدمت میں قبول فرمالیا۔

شیخ علاؤ الدین نے بیان کیا ہے کہ مَیں ایک اَبر والے دن میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا کیا ظہر کا وقت آ گیا مَیں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا آسمان کی طرف دیکھو مَیں نے دیکھا تو کوئی حجاب نہ پایا اور آسمان کے تمام فرشتوں کو ظہر کی نماز میں مشغول دیکھا۔ فرمایا تم کیا کہتے ہو کیا ظہر کا وقت آ گیا۔ مَیں اس حرکت پر جو مجھ سے صادر ہو گئی تھی شرمندہ ہوا استغفار کیا اور ایک مدت تک اس حالت میں رہا کہ اپنے دل میں اس کی وجہ سے بہت بڑا بار محسوس کرتا رہا۔ (ص ۱۴۷/ ۱۴۸ کل ایک صفحہ ۲۳ سطر۔۔۔ ص ۱۴۹/۱۴)

شیخ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ شیخ تاج الدین صاحب کو بارگاہِ بہائیہ کے متوسلین میں تھے جب شیخ کسی ضرورت سے قصر العارفان سے بخارا بھیجتے ہیں تو یہ ذرا سی دیر میں لوٹ آیا کرتے تھے اور یہ اس لئے کہ جب یہ مریدین کی نظر سے غائب ہوتے تو ہوا میں اُڑنے لگتے تھے۔ ایک دن شیخ نے مجھے کسی کام سے بخارا بھیجا مَیں بھی اسی طرح گیا۔ راستہ میں شیخ کو دیکھا اور شیخ نے مجھے اس حالت پر دیکھ لیا۔ مجھ سے اس حال کو سلب کر لیا۔ اس کے بعد پھر مَیں ایسا کر لینے پر کبھی قادر نہیں ہو سکا۔

شیخ خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت ممدوح قدس سرہٗ کے بڑے خاص لوگوں میں سے تھے بیان کیا ہے کہ مَیں نے ایک روز شیخ کی زیارت کا ارادہ کیا تو حضرت اقدس کو باغ میں حوض کے کنارے کھڑا ہوا ایک شخص سے جس کو مَیں جانتا نہ تھا باتیں کرتے پایا۔ جب مَیں نے سلام عرض کیا تو یہ شخص باغ کے کسی گوشہ میں چلا گیا۔ حضرت قدس اللہ سرّہٗ نے مجھ سے دوبارہ یہ فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے مگر مَیں کچھ نہیں بولا۔ خاموش رہا اور حق تعالیٰ کی مدد سے مَیں نے اپنے دل میں ان کی جانب ظاہری و باطنی کوئی میلان نہیں پایا۔ پھر دو یا تین دن بعد مَیں نے اُن کو خانقاہ کے باغ میں دیکھا کہ حضرت قدس اللہ سرّہ کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں اور دو ماہ بعد بخارا کے ایک بازار میں خود مجھ سے بھی ملاقات ہو گئی تو تبسم فرمایا۔ مَیں نے سلام کیا تو آپ نے معانقہ کیا خوش طبعی کی باتیں کیں اور میرے حالات پوچھے۔ جب مَیں قصر العارفان

لوٹ آیا اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا تم بخارا کے بازار میں خضر علیہ السلام سے مل کر آئے ہو۔

ایک عالم نے حضرت شیخ کے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ عراق تک سفر کیا وہ کہتے ہیں کہ جب ہم سمنان پہنچے تو سُنا کہ یہاں شیخ کے مخلصین میں سے ایک بزرگ ہیں جن کا اسم شریف سید محمود ہے۔ ہم لوگ اُن کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور ان سے حضرت شیخ کے سلسلہ میں داخل ہونے کا سبب پوچھا۔ اُنہوں نے کہا کہ مَیں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک نہایت خوب صورت مکان میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ایک بارُعب شخص تھے۔ مَیں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یا اُن بزرگ کی خدمت میں ادب و تواضع کے ساتھ عرض کیا کہ مَیں آپ کی صحبت سے مشرف نہیں ہو سکا اور آپ کے زمانہ اور آپ کی صحبت کی برکتوں سے حاضر نہ تھا اس لئے یہ سعادت مجھے حاصل نہیں ہو سکی تو مَیں کیا کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میری برکت اور میرے دیکھنے کی فضیلت حاصل کرلو تو شیخ بہاء الدین پیروی اپنے لئے ضروری کرلو۔ اور ان بزرگ کی طرف اشارہ فرمایا جو حضور کے پاس تشریف رکھتے تھے۔ مَیں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے پہلے کبھی دیکھا نہ تھا۔ جب ہوش میں آیا تو مَیں نے ان بزرگ کا نام اور ان کا حلیہ ایک کتاب کی پشت پر لکھ لیا۔

پھر ایک مدت کے بعد مَیں ایک بزاز کی دکان پر بیٹھا تھا کہ مَیں نے ایک شخص کو دیکھا جس پر بہت نور اور ہیبت و رُعب تھا وہ آیا اور دکان پر بیٹھ گیا۔ جب مَیں نے ان کا چہرہ مبارک دیکھا تو مجھے وہ حُلیہ یاد آ گیا اور مجھ پر ایک زبردست حالت طاری ہوگئی۔ جب وہ حالت رفع ہوئی تو مَیں نے درخواست کی کہ میرے گھر کو بھی مشرف فرمائیں آپ نے قبول فرما لیا اور کھڑے ہو گئے۔ آپ آگے آگے تشریف لئے چل رہے تھے اور مَیں آپ کے پیچھے پیچھے۔ آپ نے مُڑ کر بھی نہیں دیکھا اور سیدھے

میرے مکان پر تشریف لے آئے۔ یہ سب سے پہلی کرامت ہے جو مَیں نے آپ کی کرامتوں میں دیکھی۔ کیونکہ آپ نے میرا گھر بالکل نہیں دیکھا تھا۔

جب گھر کے اندر تشریف لے آئے تو خاص میرے حجرہ میں تشریف لے گئے اس میں میرا کتب خانہ تھا۔ آپ نے دست مبارک بڑھایا اور اُن میں سے ایک کتاب نکال کر مجھے دی اور فرمایا تم نے اس کی پشت پر کیا لکھا ہے؟ تو یہ وہی کتاب ہے جس کی پشت پر مَیں نے وہ خواب اور اس کی تاریخ لکھ رکھی تھی اور اس کو سات سال ہو گئے تھے۔ مجھ پر اس کی اطلاع سے ایک حالت پہلی حالت سے بھی زبردست طاری ہو گئی۔ جب مجھ سے وہ حالت جو مَیں محسوس کر رہا تھا رفع ہو گئی تو حضرت نے بہت مہربانی سے باتیں فرمائیں اور اس کو کہ مَیں سلسلہ میں داخل ہو جاؤں قبول فرما لیا اور خدمت آستانہ کی سعادت سے مشرف فرما دیا۔ (ص۳/۱۵۰۔ کل ۲۵ سطر۔۔ ص۱۵/۱۵۰)

آپ کے متوسلین میں سے ایک صاحب سے روایت میں کہتے ہیں کہ شیخ قدس اللہ سرّہٗ ایک روز میرے یہاں تشریف لائے تو مجھے اس وجہ سے کہ اُس وقت میرے یہاں آٹا بھی نہ تھا بہت زیادہ شرمندگی ہوئی۔ پھر مَیں آٹے کا ایک پلہ لے آیا۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم اسی آٹا میں سے پکاتے رہنا اور کسی کو اس کے کم زیادہ ہونے کی خبر نہ کرنا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے میرے پاس دس ماہ قیام فرمایا۔ شیخ کی زیارت کے لئے مریدین واَحباب گھر پر آتے رہتے تھے اور ہم ان کے واسطے اسی آٹے میں سے پکاتے رہتے تھے۔ یہ سب تھا مگر آٹا بدستور تھا۔ پھر اس کے بعد مَیں نے اپنی بیوی کو یہ بتا دیا اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے خلاف کر بیٹھا تو برکت جاتی رہی اور آٹا بہت ہی جلد ختم ہو گیا۔ میرے لئے آپ کے کمال ولایت اور زبردست بزرگی کی قوی عقیدت کا سب سے بڑا سبب یہ تھا۔

شیخ محمد زاہد کہتے ہیں کہ مَیں زمانہ سلوک میں شیخ قدس اللہ سرّہٗ کے پاس بیٹھا تھا۔ وقت فصل ربیع کا تھا، میرے دل میں خربوزہ کی خواہش ہوئی تو مَیں نے شیخ سے

فرمائش کی۔قریب میں ایک جاری پانی تھا۔آپ نے فرمایا اس پانی پر جاؤ۔مَیں گیا تو وہاں ایک خربوزہ اسی وقت کا ساٹوٹا ہوا پایا مجھے اس سے حضرت اقدس کا نہایت کامل اعتقاد ہوگیا۔اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے ہم سب کو نفع پہنچائیں۔

آپ کے متوسلین میں سے کسی سے نقل ہے کہتے ہیں جب میں شیخ قدس سرّہٗ کی صحبت سے مشرف ہوا تو شیخ شادی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت کے متوسلین میں سے خاص آدمی تھے مجھے نصیحت کیا کرتے تہذیب دیتے اور اصلاح فرمایا کرتے تھے۔جن جن باتوں کا انہوں نے مجھے حکم دیا تھا ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص اس طرف پاؤں نہ پھیلائے جس طرف شیخ ہوں۔مَیں ایک روز شیخ کی زیارت کے لئے سخت گرمی کے وقت غزبوت سے قصر العارفان پہنچا راستہ میں ایک درخت کے سایہ کی پناہ لی اور لیٹ گیا۔ایک جانور آیا اور میرے پیر میں دو دفعہ کاٹا۔مجھے اس سے بہت ہی سخت تکلیف ہوئی تو اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔پھر لیٹ گیا تو اُس نے پھر تیسری مرتبہ ایسا ہی کاٹا مَیں بیٹھ گیا اور دیر تک اس کی وجہ سوچتا رہا۔آخر شیخ شادی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت یاد آئی اور دیکھا کہ مَیں نے قصر العارفان کے کنارہ کی طرف پیر پھیلا لئے تھے اور حضرت شیخ اس وقت اسی جگہ تھے تو معلوم ہوگیا کہ یہ میری اس حرکت پر تنبیہ ہے۔شیخ علاء الدین نے بیان کیا ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے امیر حسین کو حکم دیا کہ بہت سی لکڑیاں جمع کرلو اور یہ موسم سرما میں تھا جب ارشاد کی تعمیل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اگلے دن بہت برف گرایا۔ایسے کہ چالیس مرتبہ برف گرا۔پھر شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت خوارزم کا سفر اختیار کیا۔شیخ شادی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی خدمت میں تھے جب نہر حرام پر پہنچے آپ نے ان کو حکم دیا کہ پانی کے اُوپر کو چلے جائیں۔مگر شیخ شادی کو ڈر معلوم ہوا آپ نے کئی دفعہ فرمایا مگر وہ ایسا نہ کرسکے۔پھر آپ نے ان کی طرف بہت تیز نظر سے دیکھا جس سے وہ دیر تک بے ہوش وحواس رہے۔جب ہوش بجا ہوئے پانی پر قدم رکھا اور چلنے لگے پیچھے پیچھے شیخ رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے چلے جب عبور فرما گئے تو فرمایا دیکھنا کیا تمہارے

موزہ کا کوئی حصہ بھیگا ہے دیکھا تو اس میں حق تعالیٰ کے فضل وقدرت سے تری بھی پائی۔

شیخ کے متوسلین میں سے ایک صاحب نے بیان کیا ہے کہ حضرت قدس اللہ سرہٗ سے میری محبت اور حاضری خدمت کا سبب یہ ہوا تھا کہ مَیں بخارا کے بازار میں اپنی دکان پر تھا آپ تشریف لائے اور دُکان پر بیٹھ گئے اور حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ اوصاف بیان کرنے شروع فرمائے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ ان کے ان اوصاف میں سے جوذکر کئے گئے ہیں یہ بھی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے کپڑے کا کنارہ کسی کو چھو جائے تو وہ میرا محبت کرنے والا اور شیدائی ہو جائے اور پیچھے پیچھے ہو لے۔

اور مَیں یہ کہتا ہوں کہ اگر مَیں اپنی آستین کو حرکت دے دوں تو تمام اہلِ بخارا چھوٹے بڑے سب کو ایسا کردوں کہ میرے شیدا ہوں میری محبت میں سرگشتہ ہو جائیں۔ گھر اور دکانیں چھوڑ بیٹھیں اور میرے پیچھے ہولیں۔

اور دستِ مبارک آستین پر رکھا اس وقت میری نظر آپ کی آستین پر پڑ گئی تو مجھ پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی کہ میرے ہوش وحواس جاتے رہے اور بہت وقت تک مَیں اسی حال میں رہا۔ جب افاقہ ہوا تو ان کی محبت کی سلطنت مجھ پر قابو پا چکی تھی آخر گھر اور دکان کو چھوڑ چھاڑ کر اُن کی خدمت میں آپڑا۔

متوسلین ہی میں سے ایک صاحب سے روایت ہے کہتے ہیں مَیں نے ایک دن حضرت اقدس سے درخواست کی کہ میرے واسطے دُعا فرماویں کہ میرے لڑکا ہو جائے۔ آپ نے دُعا فرمائی اور آپ کی دُعا کی برکت سے میرے یہاں لڑکا تولد ہو گیا مگر پھر مَر گیا۔

مَیں نے حضرت سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا تم نے تو ہم سے یہ درخواست کی تھی کہ تمہارے لڑکا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے لڑکا عطا فرمادیا اور پھر اسے لے لیا۔ لیکن ہمیں اُمید ہے کہ درویشوں کی دُعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ تم کو دو لڑکے دیں گے جن کی عمر دراز ہوگی کچھ دن بعد میرے یہاں دو لڑکے پیدا ہو گئے۔ پھر ان میں سے ایک بیمار ہوا تو مَیں نے

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا فرمایا وہ میرا بچہ ہے تم کو اس کی کیا فکر وہ بہت مرتبہ بیمار ہوگا اور پھر تندرست ہو جائے گا۔ پھر ایسا ہی ہوا جیسا کہ حضرت قدس سرۂ نے فرمایا تھا۔

شیخ عارف دیکرانی سے جو حضرت سید امیر کلال قدس سرۂ کے بڑے خلفاء میں سے ہیں۔ روایت ہے کہتے ہیں کہ ہم ایک دن شیخ بہاء الدین کی زیارت کے لئے قصر العارفان گئے۔ جب بخارا کو واپس آئے تو ہمارے ساتھ وہاں کے درویشوں کی ایک جماعت تھی ان میں سے ایک شخص نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کچھ کہنا چاہا۔ ہم نے اس کو روک دیا اور اس سے کہا کہ تم ان کو پہچانتے ہی نہیں ہو تم کو جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی شان میں بے ادبی اور بدگمانی کرو مگر وہ باز نہ آیا تو اسی وقت ایک بھِڑ ن آئی اس کے منہ میں گھس گئی اور کاٹ لیا اس کو اس قدر تکلیف ہوئی کہ صبر نہ کر سکا۔ مَیں نے کہا کہ یہ حضرت شیخ کے ساتھ بے ادبی کی وجہ سے ہے تو وہ بہت رویا پھر توبہ کی اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہوا تو اُسی وقت اچھا ہو گیا۔

صحرائے قیچاق کے لشکر نے بخارا شہر کا محاصرہ کر لیا اور ایک مدت تک محاصرہ قائم رہا تو اہلِ شہر پر بڑی مصیبت ہوگئی اور بہت مخلوق ہلاک ہوگئی۔ وہاں کے امیر نے حضرت شیخ قدس اللہ سرۂ کی خدمت میں اپنے چند خاص لوگوں کو بھیجا کہ حضرت ہم تو دشمنوں کے مقابلہ سے بالکل ہی عاجز آ چکے ہیں اور ہماری تمام تدبیریں خاک میں مل چکی ہیں اور تمام ذرائع ختم ہو گئے ہیں۔

اب ہمارے واسطے کوئی پناہ کی جگہ نہیں کہ ہم ان ظالموں سے پناہ لے سکیں سوائے آپ کے تو آپ اللہ تعالیٰ سے بے قراری کے ساتھ دُعا فرمائیں کہ مسلمانوں کو ان کے ہاتھوں سے نجات دیں۔ یہی وقت امداد اور دست گیری کا ہے۔ آپ نے فرمایا ہم آج رات دُعا کریں گے اور دیکھیں رب العزت جل جلالہٗ کیا کرتے ہیں۔ جب صبح صادق ہوگئی تو آپ نے ان لوگوں کو اطلاع دی کہ مجھ کو چھ روز کے بعد مصیبت کے دُور ہو جانے کی بشارت دی گئی ہے۔ ان لوگوں نے امیر کو اس کی بشارت

دے دی اور تمام اہلِ بخارا اس سے بہت خوش ہوئے اور ایسا ہی ہوا چھ روز کے بعد دشمن کے لشکر نے شہر سے محاصرہ اُٹھالیا اور سب کے سب چلے گئے۔

شیخ شادی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب مجھ کو شیخ قدس اللہ سرہٗ کی محبت کی سعادت نصیب ہوگئی تو مجھ پر خرچ کرنا اور ایثار کرنا سہل ہوگئے۔ میرے پاس ایک دن سو اشرفیاں جمع ہوگئیں۔ میرے گھر کے لوگ ان کو جمع رکھنے کے باب میں مجھ سے کہنے آئے اور میں نے یقین کے ضعف کی وجہ سے ان کی موافقت کرلی۔

پھر میں بخارا گیا اور کم بخت کا موزا وغیرہ خریدا۔ پھر حضرت اقدس کی زیارت کے لئے قصر العارفان پہنچا۔ جب آپ کے سامنے حاضر ہوا تو فرمایا تم بخارا کیوں گئے تھے۔ میں نے عرض کیا وہاں ایک کام پیش آ گیا تھا۔ فرمایا یہ کم بخت کا موزہ مجھے دو اور باقی جو جو کچھ خرید کرلائے ہو وہ بھی دو میں نے جلدی سے سب حاضر کردیا۔

فرمایا اور ان ایک سو (۱۰۰) اشرفیوں میں سے جس قدر باقی ہے وہ بھی حاضر کرو میں وہ بھی لے آیا تو پھر میری طرف دیکھا اور فرمایا اگر میں چاہوں تو تمہارے اس پہاڑ کو اللہ تعالیٰ کی قوت وقدرت کے طفیل سونا بنادوں۔

لیکن ہم لوگوں کو اس عالم فنا میں ایسی ایسی چیزوں کی طرف التفات ہی نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس گروہ کی نظر تو اس عالم سے پرے ہے اور تم کیسے جمع کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ جو کچھ تمہارے واسطے ہے اس میں سے کچھ بھی کم نہ کیا جائے گا میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم ایسی باتوں کی طرف پھر عَود نہ کرنا۔

مولانا محمد مسکین جو آپ کے متوسلین میں سے بڑے شخص تھے کہتے ہیں کہ بخارا میں ایک بزرگ کا انتقال ہوگیا تو حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ ان کے گھر والوں کو صبر کی تلقین کے لئے تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے خود بھی اور ان کے متعلقین نے بھی بہت رنج وغم اور جزع فزع ظاہر کیا اور ایسے افعال بھی کر گزرے جن کو سب حاضرین نے ناگوار سمجھا۔ لوگوں نے روکا اور طعن بھی کیا۔ تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب

میری موت آئے گی تو مَیں درویشوں کو بتادوں گا کہ کیسے مرتے ہیں؟

آپ کی یہ بات میرے دماغ میں محفوظ رہی حتیٰ کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ آخری مرض میں بیمار ہوئے تو خانقاہ تشریف لائے اور خلوت خانہ میں داخل ہوگئے۔ متوسلین آپ کے پاس آتے رہے اور بیٹھتے رہے۔ آپ ہر ایک کو اس کے مناسب وصیت فرماتے رہے۔ پھر دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے دُعا کی اور ہاتھ منہ پر پھیر لئے۔ پس پھر وصال ہوگیا۔

شیخ علی داماد جو حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ کے خدام میں ہیں کہتے ہیں کہ حضرت نے مجھے اپنی قبر شریف کے کھودنے کا حکم دیا۔

جب مَیں نے اُسے پورا کرلیا تو دل میں یہ وسوسہ آیا کہ آپ کے بعد آپ کی جماعت میں جانشین کون ہوگا؟ آپ نے سر مبارک اُٹھایا اور فرمایا اب تک وہی بات ہے جو ہم نے حجاز کے راستہ میں کہی تھی کہ جو میری پیروی کرنا چاہتا ہے وہ محمد پارسا کی پیروی کرے۔ پھر افسوس دوسرے روز وہ انتقال کر گئے۔

شیخ علاؤ الدین عطار کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت الشیخ قدس اللہ سرہٗ کی نزع کی حالت میں سورۂ یٰسین پڑھ رہے تھے جب نصف پر پہنچے تو انوار بلند ہونے لگے ہم سب کلمہ طیبہ میں مشغول ہوگئے اور شیخ قدس اللہ سرّہٗ رحلت فرماگئے۔

اور وفات شب دوشنبہ ۳ ربیع الاوّل ۷۹۱ھ میں ہوئی ہے اور اپنے باغ میں اسی جگہ جہاں حکم فرمایا تھا دفن کئے گئے۔ پھر آپ کے متوسلین نے قبر شریف پر بڑا سا قبہ بنا دیا ہے اور باغ کو کاٹ کے وہاں ایک بڑی سی مسجد بنا دی ہے۔ مسلمان بادشاہوں نے اس پر بہت اوقاف کردیئے ہیں۔ اور بہت زیادہ اہتمامِ شان کیا ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ اس سب کو خانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الحدائق الوردیہ'' میں ذکر کیا ہے۔ (ص ۱۵۲/۵، کل ایک صفحہ ۲۵ سطر۔۔۔ ص ۱۵۲/۱۷)

﴿جلد اوّل میں یہاں تک تو حضرت اقدس مدظلہم العالی کی تلخیص تھی۔ الحمد للہ ۲۷ شوال ۱۳۵۹ھ کی شب میں اس کا ترجمہ مکمل ہوگا آگے حضرت کے ارشاد فرمودہ معیار پر احقر کی تلخیص ہے۔ ۱۲﴾

ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابی بکر بن یوسف المکدش رحمۃ اللہ علیہ

بڑے بزرگوں میں سے تھے۔ صاحبِ احوالِ ظاہرہ وکراماتِ فاخرہ تھے۔ ان کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایک شخص کسی اور شہر سے آپ کی زیارت کے لئے آیا اس کو راستہ میں ڈاکو مل گئے اور انہوں نے اس کے کپڑے اور جو کچھ درہم اس کے پاس تھے چھین لئے۔ یہ فقیہ محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا سب قصہ عرض کیا اور کہا کہ مَیں اس وقت تک آپ کا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک آپ میرا حق واپس نہ کرادیں گے۔ وہ اس شخص کو لے کر اپنے دادا شیخ یوسف کی قبر پر گئے اور عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب کسی ضرورت میں کوئی آپ کے سر ہوجاتا تھا آپ اپنے دادا صاحب کی قبر پر آجاتے تھے تاکہ اپنی کرامت دوسرے کی معرفت ظاہر کردیں اور اپنا حال چھپا رکھیں۔

راوی کہتے ہیں کہ ہم لوگ کچھ دیر قبر کے پاس بیٹھے تو آپ نے فرمایا تم قبر کے پیچھے کیا دیکھتے ہو؟ مَیں اُٹھا کہ دیکھوں تو میرے کپڑے اور اُن میں وہ درہم سب موجود ہیں۔ کوئی چیز کم نہ ہوئی تھی۔

آپ کی کرامتوں میں سے وہ بھی ہے جس کو شیخ احمد صوفی نے بیان کیا ہے اور یہ بزرگ آپ کے خاص لوگوں میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز مَیں اور حضرت ممدوح جنگل میں تھے مَیں نے عرض کیا حضرت کیا اولیاء کے یہاں کوئی حالت خطوہ (ایک قدم میں طویل میلوں کی مسافت طے کرجانا) سے بھی زیادہ خاص ہے فرمایا ہاں تحیز یعنی جگہ بدلنے کے طریقہ پر حرکت کر کے طویل ترین مسافت قطع کردینا) مَیں نے عرض کیا یہ کس طرح ہوتا ہے فرمایا اس طرح اور آپ نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو ہم کسی ایسے ملک میں تھے جسے ہم پہچانتے نہیں پھر مجھ سے فرمایا احمد ہم میں اور اس جگہ میں جہاں ہم تھے۔ دو مہینے کے سفر کا فاصلہ ہے۔ پھر آپ نے دوبارہ حرکت کی تو ہم اسی اپنی جگہ پر تھے۔ آپ کی وفات ۸۷۷ھ میں ہوئی ہے اور شریف احمد دینی رحمۃ

اللہ علیہ نے غسل دیا۔ اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

اور مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کی وفات ۸۹۷ھ میں ہوئی ہے لیکن ظاہر ہے کہ دونوں میں کسی ایک تاریخ میں تحریف ہوگئی ہے۔ (ص ۱۵۲/۲۷، کل ۱۱ سطر۔۔۔ص ۱۵۳/۳)

محمد بن ابراہیم الکروی

بیت المقدس کے پھر قاہرہ اور پھر مکہ معظمہ کے باشندہ شافعی اور بڑے عارف ہیں۔ رات بھر لیٹتے نہ تھے۔ تہجد پڑھتے اور ساری رات عبادت کیا کرتے تھے۔

آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ نے پورے ایک ہفتہ کا روزہ بلا درمیان میں افطار کے بلا تکلف رکھا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی اصل یہ ہے کہ انہوں نے ایک بار شب کا کھانا والدین کے ساتھ کھایا تو صبح سے کھانے کی خواہش نہ ہوئی۔ ایک ہفتہ تک ایسے ہی رہے اور ایک وضو پر چار روز تک رہے اور مصر سے دمیاط تک ایک ہی وضو کے ساتھ سفر کیا۔ دمیاط میں کسی نے دعوت کی تو ایک لقمہ تناول کیا۔ پھر وہاں سے رملہ تک کچھ نہیں کھایا۔ پھر رملہ کے بعد سے بیت المقدس تک کچھ نہیں کھایا۔ آپ کی کرامتیں زہد اور حالات سب بہت عجیب و غریب ہیں ۸۱۱ھ میں انتقال فرمایا اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ (ص ۱۵۳/۸، کل ۶ سطر۔۔۔ص ۱۵۳/۱۶)

محمد بابا السماسی

محمد بابا السماسی نقشبندیہ طریقہ کے مشائخ میں سے بڑے شیخ ہیں۔ آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ آپ نے شیخ محمد بہاء الدین شاہ نقشبند کے ظہور کی خبر اُن کی ولادت سے پہلے دے دی تھی۔

قصہ یہ تھا کہ جب یہ ان کے وطن پر جو (جیسے کہ آگے آئے گا) قصر العارفان ہے۔ گزرتے تو ساتھیوں سے فرماتے کہ میں اس زمین سے ایک عارف کی بو محسوس کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ ایک بار گزرے تو فرمایا میں محسوس کررہا ہوں کہ وہ خوشبو اب زیادہ ہوگئی ہے اور یہ واقعہ اُن کی ولادت سے تین روز بعد کا ہے کچھ ہی دیر ہوئی

کہ شاہ بہاء الدین کے دادا ان کو آپ کے پاس لے آئے دیکھا تو فرمایا یہ میرا بیٹا ہے پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا یہ ہے وہ عارف جس کی طرف میں تم کو بار بار اشارہ کیا کرتا تھا کہ میں اس آبادی سے اس کی خوشبو محسوس کرتا ہوں اور یہ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ساری مخلوق کا مقتداء ہوگا۔

اور سید امیر کلال کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس کی تربیت میں کوئی کمی نہ رکھنا اور اگر تم نے کوئی کمی باقی رکھی تو تم مجھ کو کبھی اپنے سے راضی نہ پاؤ گے۔ سید صاحب نے سروقد کھڑے ہو کر عرض کیا میں نے بسر وچشم اس خدمت کو قبول کیا اور ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی تربیت میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔

ایک بار حضرت ممدوح مع اپنی جماعت کے سید امیر کلال کے اکھاڑے پر گزرے سید صاحب زور کرنے میں مشغول تھے۔ آپ اُن کے قریب کھڑے ہو گئے تو ساتھیوں میں سے کسی کے دل میں خیال آیا کہ شیخ ایسی بدعت والوں کے پاس کیوں کھڑے ہیں؟ شیخ کو یہ وسوسہ مکشوف ہو گیا۔ فوراً ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ان لوگوں میں ایک شخص ایسا ہے کہ اس کی برکت وصحبت سے بہت لوگوں کو نفع پہنچے گا اور بڑے بڑے مدارج حاصل ہوں گے۔ میں اس کو شکار کرنا چاہتا ہوں۔ دفعتہً سید امیر کلال کی نظر حضرت شیخ محمد بابا پر پڑی۔ نظر کا پڑنا تھا کہ ہاتھوں سے دل نکل گیا۔ شیخ واپس ہوئے تو سید امیر کلال بھی پیچھے پیچھے ہو لئے۔ آپ اپنے گھر آ گئے اور ان کو بھی اندر بلا لیا پھر ذکر کی تلقین فرمائی اور طریقہ عالیہ کے اُصول سکھائے اور فرمایا اب تم میرے بیٹے ہو۔ پھر سید امیر کلال بیس (۲۰) سال تک آپ کی صحبت میں ذکر وفکر اور عبادات میں مشغول رہے یہاں تک کہ وہ ہو گئے جو ہو گئے۔ اور آپ کے خلیفہ اعظم بن گئے۔ اس کو خانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد پارسا ص ۱۶۱

بخاری ہیں شاہ نقشبند کے خلیفہ اور نقشبندیہ طریقہ کے ایک امام اور حضرات

محققین صوفیاء میں سے ہیں۔ آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ امام محمد بن محمد شمس الدین الجزری امام القراآت ماوراء النہر کے محدثین کی اسنادوں کی تصحیح کے واسطے سمرقند تشریف لائے۔ کسی شریر حاسد نے اُن سے کہہ دیا کہ شیخ محمد پارسا ایسی حدیثیں بیان کیا کرتے ہیں جن کی سند کو کوئی نہیں پہچانتا۔ اگر آپ ان کو درست کر دیں گے تو بڑا کارِ ثواب ہوگا۔ آپ نے بادشاہ سے ان کے آ جانے کی فرمائش کی یہ پہنچ گئے تو ایک زبردست جلسہ منعقد کیا جو اس وقت کے شیخ الاسلام شیخ عصام الدین مشہور نحوی اور دوسرے علماء پر مشتمل تھا۔ اور آپ سے ایک حدیث کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے مع سند کے سنا دی۔ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے صحیح ہونے میں تو شک نہیں لیکن یہ سند میرے نزدیک ثابت نہیں۔ اس واقعہ سے ان کے حاسدین بہت خوش ہوئے۔

پھر شیخ نے اس حدیث کی دوسری سند بیان فرمائی۔ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے پھر وہی پہلا جواب دیا۔ تو شیخ نے سمجھ لیا کہ جو سند بھی نقل کریں گے جزری رحمۃ اللہ علیہ اس کو قبول نہ کریں گے۔ آپ نے ملا عصام کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ فلاں سند تمہارے نزدیک صحیح ہے اور اس کی اسنادیں قابل اعتماد ہیں؟

ملا عصام نے کہا جی ہاں! یہ کتابیں محدثین کے یہاں معتبر ہیں اور اُن کی اسنادوں میں کسی نے کلام نہیں کیا۔ اگر آپ کی سند اس کے اندر ہوگی تو ہم کو کوئی اعتراض نہ رہے گا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ سند تمہارے کتب خانے میں فلاں جگہ اور فلاں کتاب کے نیچے ہے اس کا حجم اتنا ہے اور جلد ایسی ہے اور یہ حدیث جس کو مَیں نے اس وقت بیان کیا ہے اسی سند سے اس میں فلاں صفحہ پر موجود ہے تلاش کر لو۔ ملا عصام خود متردد تھے کہ اُن کے کتب خانہ میں یہ کتاب موجود بھی ہے یا نہیں؟ جب کتاب حاضر کی گئی تو یہ حدیث اسی سند سے اس میں مل گئی۔

تمام حاضرین کو بہت ہی تعجب ہوا خصوصاً ملا عصام الدین صاحب کو کیونکہ شیخ

[illegible] کے گھر آئے تھے نہ اُن کی کتابیں دیکھی تھیں۔ سب لوگ شرمندہ ہو گئے یہ خبر بادشاہ کو بھی پہنچی تو بادشاہ کو آپ کو تکلیف دینے پر بہت ندامت ہوئی۔ آپ کی شہرت اور علماء کے اعتقاد اور زبان بندی کا سبب یہ واقع ہوا۔ آپ کی وفات مدینہ منورہ میں سنہ ۸۲۲ھ میں ہوئی اور جنت البقیع میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قبہ کے قریب مدفون ہوئے اس کو خانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن عبداللہ الدہنی رحمۃ اللہ علیہ

دہنہ بکسر دال یمن کے ایک قبیلہ کی طرف منسوب ہے۔ بڑی شان والے صوفی ہیں فرماتے ہیں ایک دفعہ ہم پر سخت قحط واقع ہوا۔ سب گھر والے ہلاکت کے کنارہ پہنچ گئے تو ہم ایک تاجر کے پاس گئے اور اس سے کچھ (قرض) مانگا۔ اس نے انکار کر دیا۔ مجھے ایک حدیث یاد آئی جو مَیں نے سُنی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ طلوع صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان ایک ساعت ہے جو ساعات جنت کے مشابہ ہے اس میں دُعا رَد نہیں کی جاتی۔ مَیں نے بچوں اور گھر والوں سے کہا کہ سب لوگ اس ساعت میں دُعا میں لگ جاؤ۔

ہم سب نے سات دن تک دُعا کی، ساتویں روز مَیں ایک دیوار کے قریب غسل کرنے گیا تو دیوار کے شگاف میں سے بہت سی اشرفیاں چمک رہی تھیں۔ مَیں نے اپنا منہ ڈھانپ لیا اور عرض کیا اَے پروردگار مَیں یہ نہیں چاہتا مَیں تو صرف اتنا چاہتا ہوں جس سے فاقہ نہ رہے پھر جو منہ کھولا تو اَشرفیاں چُھپ گئی تھیں۔

اس کے بعد وہ تاجر ہمارے یہاں آیا ایک ہزار درہم لایا اور کہنے لگا مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے فرمایا ہے ان کو ایک ہزار قرض دے دو۔ فقیہ احمد بن موسیٰ عجیل کہتے ہیں مَیں نے یہ حدیث تلاش کی تو اَربعین اَجریہ میں ملی۔ اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن علی ابن یوسف الاشکل یمنی

بڑے اولیاء اور صوفیاء صافیہ میں سے ہیں۔ روایت ہے کہ اُن کے والد ماجد جناب علی رحمۃ اللہ علیہ نے ابلیس لعنۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اُس نے اُن سے کہا اے فقیہ تمہارے بیٹے محمد پر میرا قابو نہیں ہے بلکہ مَیں اس مجلس میں بھی نہیں جا سکتا جہاں وہ ہوں ایک مرتبہ فصل خریف میں بارش کو بہت دیر ہوگئی تو لوگ ان حضرت محمد بن علی کے سر ہوگئے۔ فرمایا نہ خریف میں سردی میں مگر ربیع میں ایک بارش ہوگی اور کچھ تھوڑا سا کُھر پڑے گا۔ پھر ایسا ہوا جیسا فرمایا تھا۔

محمد بن اسمٰعیل المکدش نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے مَیں نے اولیاء میں فقیہ محمد بن علی الاشکل جیسا کوئی نہیں دیکھا اور اُن کے بھائی ابوبکر المکدش سے روایت ہے کہتے ہیں مَیں نے فقیہ محمد بن علی الاشکل سے عرض کیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ مجھے کوئی کرامت دکھا دیں۔ فرمایا دیکھو مَیں نے دیکھا تو آپ نے شہادت کی اُنگلی اور بیچ کی اُنگلی اُٹھا کر رکھی تھی۔ ایک میں سے آگ بھڑک رہی تھی اور دوسری میں سے پانی اُبل رہا تھا۔ فرمایا ابوبکر دیکھ لی۔ عرض کی جی ہاں پھر آپ نے اُنگلیاں بند کرلیں۔ اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن عمر مشہور بہ صاحب المصنّف

اکابر علماء ائمہ علماء سادات یا علویہ میں سے ہیں۔ آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ جب اس نواح کے بادشاہ نے بعض تاجروں پر ٹیکس مقرر کیا تو ان بزرگ نے سفارش فرمائی اس نے قبول نہیں کی۔ فرمایا یہ کل قتل ہو جائے گا۔ پھر ایسا ہی ہوا جیسا فرمایا تھا اور اُس کے سر کو گلیوں اور پہاڑوں میں گشت کرایا گیا۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا خادم اندھیری رات میں چراغ لایا۔ چراغ گُل ہوگیا اور وہ راستہ نہ دیکھ سکا۔ آپ نے اس میں پھونک ماردی تو پہلے سے بھی زیادہ روشن ہوگیا۔ آپ کی وفات ۸۲۲ھ میں ہوئی ہے۔ جب آپ کا

نزع کا وقت ہوا تھا۔ غیب سے اس آیت کی تلاوت کی آواز سنی گئی:

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ خٰلِدِينَ فِيهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيمٌ

(یعنی ان کو ان کے پروردگار اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضا اور ایسی جنتوں کی بشارت دیتے ہیں کہ ان کے لئے ان میں دائمی نعمت ہوگی ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے)''

جب آپ کی رُوح نکلی تمام مکان نور سے اس قدر جگمگا اُٹھا کہ چراغ کی روشنی ماند پڑ گئی۔ آپ کے مرید محمد بن حسن جمل اللیل نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبر میں اُتارا۔ اور ان کو یہ کہتے سُنا ''یا ساعۃ العون یا ابا الحسن'' (یعنی اے نصرتِ حق کی گھڑی اے حل مشکلات) اور یہ ایسا کلمہ ہے جو عرب میں مسرت کے وقت استعمال کیا جاتا ہے اور محمد بن ابی بکر بالفضل نے یہ کہتے سُنا:

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

''اے میرے پروردگار اے عزت کے مالک مَیں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں، ان تمام اُمور سے جن کو کفار بیان کرتے ہیں اور تمام جہانوں کے پروردگار اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سب تعریف ہے)

آپ مقبرہ زنبل میں حضرموت کی آبادیوں میں حسدیم مقام میں دفن کئے گئے ہیں، آپ کی قبر وہاں مشہور ہے اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ اس کو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن علی بن محمد دویمہ قبیلہ کے آزاد کردہ غلام

یہ بھی اکابر علماء اور بڑے عارفین و اولیاء میں سے ہیں۔ ایک حاکم نے ایک دفعہ اُن کے مُرید کو (بلاوجہ) کچھ کہہ سُن دیا تھا تو اُس کو کئی قسم کے امراض لاحق ہوگئے

اور نیند حرام ہوگئی آخر وہ اُن کے پاس آیا اور اُن کے ہاتھ پر اپنے فعل سے توبہ کی، آپ نے اپنا دست مبارک اس پر پھیر دیا تو اس کی تمام شکایات جاتی رہیں۔ آپ کا انتقال ۸۲۴ھ میں ہوا۔ اس کو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن عبداللہ بن محمد قبیلہ وویلہ کے آزاد کردہ غلام

یہ بھی اکابر علماء اور بڑے اولیاء میں تھے۔ آپ کی کرامتیں بہت ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ جب آپ حج سے واپس ہوئے تو شحر نامی بندرگاہ کے لوگوں نے ایک زبردست ہجوم سے ان کا استقبال کیا اور سلام کے واسطے ٹوٹ پڑے۔

جمعہ کا دن تھا عرض کیا گیا اگر آپ جمعہ کیلئے تشریف لے گئے تو عوام جوق در جوق آپ کے پیچھے ہوں گے اور دست و پابوسی پر ہجوم کریں گے۔ فرمایا مَیں جاؤں گا اور لوگ مجھے دیکھ ہی نہ سکیں گے غرض آپ تشریف لے گئے جمعہ پڑھا مگر سوائے چند خاص مُریدوں کے اور کسی نے آپ کو نہ دیکھا۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی بچی اُونٹ کی کمر پر سے ایک پتھریلی جگہ گر پڑی آپ شحر میں تھے وہیں کسی شخص نے دیکھا کہ گویا آپ کسی شَے کو ہاتھوں سے سنبھال رہے ہیں۔ آپ سے سوال کیا گیا تو فرمایا میری بچی علویہ گر گئی تھی۔ مَیں نے اس کو ہاتھوں میں سنبھال لیا۔ بعد میں اس کا گرنا اسی وقت نکلا اور اس کو کوئی گزند نہیں پہنچی۔ بچی نے بیان کیا ہے کہ جب میں گری میرے حواس جاتے رہے تھے۔ مگر مَیں نے اپنے والد صاحب کو دیکھا کہ مجھے اُٹھا لیا اور زمین پر رکھ دیا۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ظفار میں تھے حضر موت کے لوگوں نے فصلِ خریف کے آجانے کی وجہ سے وہاں کا سفر کیا تو ایک شخص رہ گیا تھا اس نے کوشش کی کہ کوئی اس کو قافلہ تک پہنچادے مگر کوئی نہ ملا وہ بہت پریشان ہوا آخر ان بزرگ کے پاس آیا اور اپنے حال کی رُوداد عرض کی اور یہ کہ اگر قافلہ سے پیچھے رہ گیا تو اس کی تمام مصلحتیں فوت ہو جائیں گی۔ آپ نے اس کو قافلہ تک پہنچ جانے کی بشارت

دی۔ اس درمیان میں آپ کے پاس دو شخص جھگڑتے ہوئے آئے آپ نے ان میں صلح کرائی اور اُن میں سے ایک کو حکم دیا کہ اس شخص کو سوار کر کے قافلہ تک پہنچا آؤ۔ ظفار اور حضر موت کے درمیان ایک ایسا خوفناک جنگل تھا جس میں ہو کر گزرنا قافلہ ہی کا کام تھا۔ وہ شخص اس کو لے گیا اور قافلہ میں پہنچا دیا۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایک بار آپ مع اپنے گھر والوں کے سفر کر رہے تھے۔ پانی ختم ہو گیا۔ پانی کا مقام دُور تھا۔ اہل وعیال پیاس سے بے تاب ہو گئے۔ شتربان نے کہا مجھے یہاں کہیں پانی معلوم نہیں ہے۔ آپ نے ایک مشکیزہ لیا اور کچھ دیر کے لئے غائب ہو گئے اور پھر پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ لے آئے۔ وفات کے بعد آپ کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا مجھے وہ وہ نعمتیں عطا فرمائیں جن کی کوئی نہایت نہیں اور نہ کبھی میرے دل میں اُن کا خیال تک گزرا۔ عرض کیا گیا یہ آپ کو کس صِلہ میں عطا ہوئیں؟ فرمایا کثرت ذکر اللہ سے اس کو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن عبدالرحمٰن اسقاف

یہ باہلوی ہیں بڑے اماموں میں سے ہیں ان کے مکاشفات بہت ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ مقام تریم علاقہ حضر موت میں رہتے ہوئے کعبہ مکرمہ کو دیکھ لیتے تھے اور ایک شخص ایک دفعہ حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہوا۔ آپ نے اس کو نکلوا دیا۔ پھر وہ لوٹ آیا آپ نے پھر نکلوا دیا۔ اس شخص سے پوچھا گیا تو اُس نے کہا کہ مَیں حالت جنابت میں تھا۔ ایک عورت نے آپ کی دعوت کی آپ نے تھوڑا سا کھایا اور قے کر دی اور فرمایا کہ یہ چوری کا ہے۔ عورت سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا کہ واقعی مَیں نے اپنے خاوند کے مال میں سے اس کی چوری کی تھی۔

بیان کیا گیا ہے کہ تریم کے حکمران نے آپ سے دریافت کیا کہ آئندہ کیا واقعہ پیش آنے والا ہے؟ فرمایا اپنی کوٹھور کو غلہ سے پُر کر لو ورنہ چمڑے تک کھا ڈالو

گے مگر اُس نے آپ کی بات کی طرف التفات نہ کیا۔ کچھ دن ہی گزرے تھے کہ ایک دشمن آپڑا اور اس نے تریم کا محاصرہ کرلیا یہاں تک کہ چمڑا تک کھانا پڑا۔ اس کو شلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن باعلوی مشہور بہ نقعی مرباط کے مرید

مقام نقعہ علاقہ حضر موت کے رہنے والے ہونے کی وجہ سے نقعی کہلاتے تھے ۔ بڑے اولیاء صالحین اور بڑے پایہ کے بزرگوں میں سے ہیں۔ آپ کی کرامتوں سے یہ ہے کہ آپ نے ایک لیموں کا درخت لگا رکھا تھا آپ اس پر سے ایک ہزار لیموں توڑا کرتے اور ان کی قیمت کو جن لوگوں کی خورد ونوش آپ کے ذمہ تھی ان پر خرچ کیا کرتے تھے اور لوگ ان کو بہت گراں خریدا کرتے تھے۔ ایک بار یہ واقعہ پیش آیا کہ کچھ لوگ رات کو آئے اور لیموں توڑ لئے جب لوٹنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا کہ ان کو راستہ نظر نہ آیا یہاں تک کہ حضرت والا آ پہنچے ان لوگوں نے معذرت کی استغفار اور توبہ کی تو ان سے عہد لیا کہ پھر ایسی حرکت نہ کریں گے انہوں نے عہد کیا اور لوٹ گئے۔ اس کو شلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن حسن بن عبداللہ بن ہارون باعلوی جمل اللیل

عباد اللہ الصالحین اور اولیاء عارفین میں سے ہیں۔ جنت لقب سے مشہور ہیں کیونکہ جنت کی دُعائیں بہت کیا کرتے تھے۔ زیلع میں سید ہیں محمد الشاطری کے بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ ایک روز محمد شاطری ان کے پاس آئے تو دیکھا کہ رو رہے ہیں۔ پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں فرمایا میرے دادا عبداللہ بن ہارون کا انتقال ہوگیا ہے۔ پھر تحقیق سے ان کا انتقال اسی تاریخ میں معلوم ہوا اور ظاہر یہ ہے کہ عبداللہ بن ہارون شہر تریم علاقہ حضر موت میں تھے۔ اس کو شلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

(ص ۱۵۵/۳۴ ۔۔۔ ص ۱۸۶/۱۸)

شیخ محمد جو سانپ کھانے والے مشہور تھے

شیخ کامل اور بزرگ تھے کہ سانپ کنسلائی وغیرہ وغیرہ حشرات الارض کھانے میں مشہور تھے اور کنسلائی کو کشمش اور سانپ کو ککڑی پاتے تھے اور اسی طرح دوسرے جانوروں کو بڑے بزرگوں میں اور ایسے لوگوں میں سے تھے جن کے لئے ماہتیں بدل جاتی ہیں ان سے کشف وکرامات بہت ظاہر ہوئے ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ جبلِ عرفات پر حاجیوں کے ساتھ دیکھے جاتے تھے اور بقرعید کے دن صبح کو بیت المقدس میں ہوتے تھے۔ آپ کا انتقال ۸۳۲ھ میں ہوا اور باب الرحمت میں دفن ہوئے ہیں۔ اس کو الانس الجلیل میں بیان کیا ہے۔

شمس الدین محمد بن علی الحسینی البخاری

کتاب ہیئت کے عالم اور عارف باللہ تھے۔ زاہد متورع اور زبردست جذبہ کے بزرگ تھے۔ تصوف میں قدم راسخ حاصل تھا۔ بخاری میں ولادت ہوئی۔ آپ سے بہت کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں روایت کیا گیا ہے کہ جب امیر تیمور نے شہر بروسا پر چڑھائی کی اور تاتاریوں نے شہر میں فساد برپا کیا۔ لوگ ان کی خدمت میں فریاد لے کر آئے اور ظالموں کے دفعیہ کے لئے گریہ وزاری کی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے لشکر میں جاؤ اور تلاش کرو۔ ایک خستہ حال شخص ہے جو جانوروں کے نعل بناتا ہے اور پھر اس کی ہیئت وشکل بیان کی۔ اور فرمایا جب تم اس کو پالو تو میرا سلام کہو اور میری طرف سے پیام دو کہ وہ اب یہاں سے چلے جانے کی فرمائش کرتا ہے۔ لوگوں نے اس کو تلاش کیا۔ جیسا جیسا حضرت نے بتایا تھا ویسا پایا اور اس کو حضرت والا کا پیام پہنچا دیا اس نے کہا میں بسر وچشم تعمیل کروں گا اور ان شاء اللہ کل ہم لوگ یہاں سے کوچ کر جائیں گے تو اگلے روز امیر تیمور مع اپنے لشکر کے وہاں سے کوچ کر گیا اور اس طرح کہ اگلوں نے پچھلوں کا انتظار بھی نہیں کیا۔ آپ کی وفات شہر بروسا میں ۸۳۳ھ میں ہوئی ہے۔ وہیں مدفون ہوئے ہیں اور آپ کی قبر مشہور ہے اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ اس کو شقائق نعمانیہ میں بیان کیا ہے۔

محمد بن حسن المعلم باعلوی

صاحب کرامات اکابر اولیاء میں سے ہیں شہر تریم علاقہ حضر موت میں ۸۵۰ھ میں تولد ہوئے ہیں۔ آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ مستجاب الدعاء تھے۔ آپ نے اپنے متوسلین کی ایک جماعت کے واسطے دینی و دنیوی اُمور کی دُعا فرمائی جن کو ان لوگوں نے حاصل کرلیا۔

سید عبداللہ ابن علوی بن محمد جو قبیلہ ودیلہ کے آزاد کردہ غلام تھے عبادات اور ریاضات میں بہت مجاہدے کیا کرتے اور فتوحات ﴿اس سے مالی فتوحات مراد نہیں کہ وہ قابل اعتناء چیز نہیں یہ علوم و معرفت کی فتوحات ہیں جن کا انتظار ہونا عیب نہیں بلکہ مستحسن تھا﴾ غیبیہ کا انتظار رکھتے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ اخیر عمر میں حق تعالیٰ تم کو فتوحاتِ غیبیہ سے نوازیں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا جیسا آپ نے کہا تھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک چور نے آپ کے کھجور کے درختوں پر سے کچھ پھل چوری کرلیا تھا تو اس کے بدن میں زخم ہوگئے اور اس قدر تکلیف کہ نیند حرام کردی۔ صبح ہوئی وہ حضرت شیخ کی خدمت میں معذرت کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں صاحب کی قبر پر جاؤ اور اس قبر کی مٹی ﴿بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبر کا نام اپنی کرامت کو چھپانے کے لئے لیا تھا۔ بعض بزرگ ایسا کرتے ہیں﴾ اپنے زخم پر لگا لو۔ اس نے ایسا کیا اور اچھا ہوگیا۔ مشہور ہے کہ شیطان نے ان کو کچھ اذیت دینا چاہی تو آپ نے اس کو پکڑ لیا اور اس سے اپنے کاموں میں خدمت لی۔ یہاں تک کہ اُس نے کھجور کے درخت لگائے اور اُن کو پانی سے سینچا۔

اور ان حضرات کو اہلِ برزخ کے حالات کی بھی اطلاع رہتی تھی اور ان میں کی ایک جماعت سے ملتے تھے۔ آپ کی وفات شہر تریم علاقہ حضر موت میں ۸۵۴ھ میں ہوئی۔ اور مقبرہ ذنبل میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر مشہور ہے اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ اس کو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد شمس الدین حنفی

مصری وشاذلی ہیں۔ مصر کے جلیل القدر مشائخ سادات عارفین طریق کے ارکان اور ﴿اولیاء کرام کی ایک قسم ہے جو ہر زمانے میں صرف چار ہوتے ہیں، مشرق، مغرب، شمال، جنوب کی حفاظت اور ولایت ایک ایک کے سپرد ہوتی ہے اور یہ جہت کعبہ مکرمہ سے شمار ہوتی ہے۔ بعض عورتیں بھی اس مقام کو پہنچی ہیں﴾ اوتادون کے صدر اکابر ائمہ زبردست علماء میں سے ہیں۔ منجملہ ان بزرگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے عالم وجود میں ظاہر فرما کر عالم تکوین میں تصرف عطا فرمایا مغنیات سے گویا کیا۔ خرق عادات اور قلب ماہیات دیا اور اُن کے ہاتھوں پر عجائب کو ظاہر کیا۔ لوگوں نے ان کے حالات میں مستقل تالیفیں کی ہیں۔ (ص ۸/۱۸۷، کل ۲۵ سطر۔۔۔ص ۲/۱۵۷)

مَیں ان میں سے صرف ان کرامتوں کو لیتا ہوں جن کو امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ سیدی شمس الدین کا یہ واقعہ ہے کہ وہ مع اپنی جماعت کے مصر سے روضہ تک پانی پر چلتے ہوئے عبور کر جاتے تھے اور بزرگ لوگوں کے دلوں کے خیالات پر گفتگو فرمایا کرتے اور ہر شخص سے اس کے حال کے موافق خطاب فرمایا کرتے تھے۔ آپ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ ہم کو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے پہنچا ہے کہ انہوں نے اپنے متوسلین کیلئے ایک دن سکوت کا مقرر فرمایا تھا اس سے یہ غرض ہے کہ آپ ہمارے واسطے ایسا کر دیں۔ فرمایا: ان شاءاللہ کل کریں گے۔ پھر آپ کُرسی پر تشریف فرما ہوئے اور بغیر آواز اور حروف کے سرّی طریقہ سے تکلم فرمایا۔ حاضرین میں سے ہر شخص نے اپنا حصہ لیا اور ہر ایک کہنے لگا کہ میرے دل میں یہ یہ القاء فرمادیا۔ اور شیخ فرماتے تھے ٹھیک کہتے ہو۔ اور ہر شخص کو نصیحت حاصل ہوتی تھی۔

یہ واقعہ آپ کی بڑی کرامتوں میں سے شمار کیا گیا ہے اور جب منکرین میں سے کوئی شخص اس مقررہ دن میں حاضر ہوتا بے قرار ہو جاتا، کپڑے پھاڑنے لگتا اور زمین پر لوٹنے لگتا اور کہتا خدا کی قسم یہ معمولی نہیں ہیں اور آپ کے سلسلے میں داخل ہو

جاتا تھا۔ یہ بزرگ قیمتی اور فاخرہ لباس پہنتے تھے۔ ایک شخص نے جس کو اولیاء کے حالات کی شناخت نہیں تھی (غائبانہ) اعتراض کیا اور کہا کہ یہ بعید ہے کہ اولیاء اللہ ایسا لباس پہنیں جو بادشاہوں کے قابل ہے۔ پھر کہنے لگا اگر شیخ ولی ہیں تو مجھ کو یہ جبہ دے دیں تا کہ میں اس کو فروخت کر کے اپنے اہل وعیال پر خرچ کروں۔

جب شیخ اس مقررہ وقت سے فارغ ہوئے اس کو اُتار دیا اور فرمایا کہ یہ فلاں شخص کو دے دو کہ اس کو فروخت کر کے اپنے اہل وعیال پر خرچ کر لے۔ اس شخص نے وہ لے لیا اور فروخت کر دیا اور کہنے لگا اللہ واسطے میری امداد ہوئی ہے۔ پھر جب دوسری بار وہ وقت آیا تو پھر وہ جب شیخ کے جسم مبارک پر دیکھا گیا۔ محبین میں سے کسی صاحب نے خرید لیا تھا اور کہا کہ یہ تو شیخ ہی کے لائق ہے اور ہدیہ کر دیا۔

شیخ ابوالعباس سری کہتے ہیں کہ جب شیخ محمد حنفی مدرسہ سے فارغ ہو کر نکلے تو بازار میں بیٹھ کر کتابیں فروخت کرنے لگے۔ کوئی بزرگ ان پر گزرے تو فرمایا محمد تم دنیا کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ آپ دکان سے اُتر کھڑے ہوئے اور جو کچھ نقد اور کتابیں تھیں چھوڑ دیں اور پھر کبھی ان کے متعلق پوچھا بھی نہیں۔ پھر آپ کو خلوت پسند ہوئی۔ سات سال خلوت میں رہے اور خلوت خانہ سے جو زمین کے نیچے تھا باہر نہ آئے۔ خلوت خانہ میں جب داخل ہوئے تو آپ کی عمر چودہ سال کی تھی۔ شیخ ابوالعباس مذکور کہتے ہیں کہ جب میں اُن کے پاس آتا اور یہ خلوت میں ہوتے تو دروازہ پر کھڑا ہو جاتا تھا اور اگر فرماتے آجاؤ تو اندر آتا اور اگر خاموش رہتے تو لوٹ جاتا۔ ایک دن میں بلا اجازت لیے چلا گیا تو میری نظر ایک بڑے زبردست شیر پر پڑی میں بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو میں نے بلا اجازت داخل ہونے سے استغفار کیا۔

یہی شیخ ابوالعباس کہتے ہیں کہ یہ شیخ خلوت خانہ سے اس وقت تک باہر نہیں آئے جب تک ہاتف نے تین بار یہ نہیں کہہ دیا کہ محمد نکلو اور لوگوں کو فائدہ پہنچاؤ اور تیسری بار میں کہا اگر نہ نکلے تو پھر دُوری ہے۔ شیخ نے سمجھ لیا کہ دُوری کے بعد پھر بے

تعلق ہے۔ فرماتے ہیں مَیں اُٹھا اور حجرہ کی طرف نکل آیا تو حوض پر ایک جماعت کو وضو کرتے دیکھا کسی کے سر پر زرد عمامہ ہے کسی کے سر پر نیلا، کسی کا چہرہ بندر کا کسی کا مور کا اور کسی کا چاند سا ہے تو مَیں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان لوگوں کے انجاموں پر مطلع فرمایا ہے۔ مَیں پچھلے پاؤں لوٹ گیا اور حق تعالیٰ ﴿کاملین نے کشف سے برأت ہی طلب کی ہے اس لئے نہ اس کو کمال کہا جاسکتا ہے نہ لوازم کمال میں سے کہا جا سکتا ہے۔ بعض بزرگوں نے کشف عیوب اختیاری اور القاء غیر اختیاری کو گناہ قرار دیا ہے۔۱۲﴾ کی طرف متوجہ ہوا (یعنی دُعا کی کہ یہ کشف زائل ہو جائے) حق تعالیٰ نے جو لوگوں کے حالات مجھ پر منکشف فرمادیئے تھے مستور کر دیئے اور مَیں بھی اور لوگوں کی طرح ہو گیا۔

شیخ کے خلوت خانہ میں ایک توت کا درخت بویا ہوا تھا فرماتے ہیں میرے دل میں آیا کہ اس سے باتیں کروں۔ مَیں نے اس سے کہا اے توت کوئی بات بیان کر۔ اس نے بلند آواز سے کہا کہ لوگوں نے مجھے بویا پھر پانی دیا۔ جب پانی دیا تو مَیں جڑ پکڑ گیا۔ جب جڑ پکڑ گیا تو شاخ دار ہو گیا۔ جب شاخیں آگئیں تو پتے نکل آئے جب پتے نکل آئے تو پھل دار ہو گیا۔ جب پھل آ گیا تو لوگوں کو کھلانے لگا۔ شیخ فرماتے ہیں اس کی بات میرے سلوک کا درس ہو گئی اور جو کچھ توت نے کہا تھا الحمد للہ مجھے حاصل ہو گیا (یعنی خلوت میں بیٹھے ذکر و شغل کیا آثار و انوار پیدا ہوئے تجلیات ہوئیں نسبت کی تکمیل ہوئی اور رسوخ ہوا تو پھر خدمت خلق ہونی چاہئے اس لئے خدمت خلق کا وقت آ گیا اور بحمد اللہ سب اُمور کی تکمیل ہو گئی۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ سید علی بن وفا ایک دن ایک ولیمہ میں تھے لوگوں نے کہا ولیمہ کی تکمیل جب ہو گی کہ شیخ محمد حنفی بھی تشریف لائیں۔ صاحب ولیمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ تشریف فرما ہو گئے اور فرمایا یہاں مشائخ میں سے کون کون ہیں؟ صاحبِ ولیمہ نے عرض کیا کہ حضرت سید علی بن وفا اور ان کی جماعت ہے۔ فرمایا جاؤ اور ان سے میرے حاضر ہونے کی اجازت لو۔ کیونکہ فقراء کا

اَدب یہ ہے کہ جب وہاں کوئی بڑا شخص ہوتا ہے تو بغیر اس کی اجازت کے نہیں آتے۔

سید علی صاحب نے اجازت دے دی اور ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور اپنے پاس بٹھایا۔ باہم گفتگو ہونے لگی۔ سید علی صاحب نے اُن سے کہا تم اس شخص کے باب میں کیا کہتے ہو جس کے ہاتھ میں عالم وجود کی چکی ہو کہ جس طرح چاہے اُسے گھمائے۔ شیخ محمد حنفی نے کہا کہ آپ اس شخص کے باب میں کیا کہتے ہیں کہ جو اس چکی پر ہاتھ رکھ دے اور اُس کو گھومنے سے روک دے۔ سید علی صاحب نے فرمایا اللہ کی قسم ہم اس کو تمہارے لئے چھوڑ دیں گے اور اس سے چلے جائیں گے۔ شیخ محمد نے سید علی صاحب کی جماعت سے کہا تم لوگ اپنے شیخ کو رخصت کرلو کیونکہ وہ عنقریب اللہ تعالیٰ کی طرف انتقال کر جائیں گے۔

پھر واقعہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ اُنہوں نے فرمایا تھا اور شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے رات میں ایک ہاتف کو کہتے سُنا محمد ہم نے تم کو اس کا بھی حاکم بنا دیا جو علی بن وفا کے قبضہ میں تھا اور یہ اس پر اور زیادہ ہے جو تمہارے قبضہ میں تھا مَیں سمجھ گیا کہ یہ اُن کی وفات کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ مَیں نے فقراء میں سے ایک شخص کو بھیجا کہ محلّہ عبدالباسط میں سید علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مکان دریافت کرے اس نے وہاں ایک رونے والے کو پایا جس نے کہا کہ ان کی وفات ہو گئی ہے۔

شیخ شمس الدین بن کتیلہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلی شہرت جس سے شیخ محمد حنفی مشہور ہو گئے یہ تھی کہ شاہ فرج بن برقوق لوگوں پر تیر چلا رہا تھا اور شیخ ان کو روک دیتے تھے۔ اُس نے شیخ کے پیچھے آدمی بھیجا اور سخت وسست کہا اور کہا کہ ملک میرا ہے، شیخ نے کہا نہ میرا نہ تمہارا ملک اللہ واحد وقہار کا ہے۔ پھر شیخ بد دِل ہو کر کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد بادشاہ کی آنتوں میں وَرم ہو گیا اور قریب ہلاکت ہو گیا۔ طبیبوں سے دوڑ و دھوپ کرائی۔ سب عاجز ہوئے تو خواص میں سے کسی دانشمند نے کہا کہ یہ حضرت شیخ کی بد دِلی کی وجہ سے ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اُن کی خدمت میں کسی کو بھیجو

کہ اُن کا دل خوش کرے۔ اُمراء دربار اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ کو مصر سے باہر مطریہ کے نواح میں پایا۔ بادشاہ کے یاد کرنے کی اطلاع پیش کی مگر آپ نے ملنا منظور نہ فرمایا۔ لوگ اُن کے اور بادشاہ کے درمیان بیانات پہنچاتے رہے حتیٰ کہ آپ کو رحم آگیا اور بادشاہ کے واسطے ایک روٹی زیتون کے تیل میں مالیدہ کی ہوئی بھیج دی اور ان لوگوں سے فرمایا کہ بادشاہ سے کہہ دو کہ یہ کھالے اچھا ہو جائے گا اور پھر بے اَدبی نہ کرنا ورنہ تمہاری گوشمالی کی جائے گی۔ تو اس روز سے شیخ کی یہ بات مشہور ہوگئی اور یہ بات ہوگئی کہ جب کوئی شخص کسی کو ایسے کام پر ملامت کرتا جس کو اُس نے نہیں کیا تو وہ کہتا کہ شیخ حنفی غصہ ہو جائیں گے۔ اور یہ کلمہ لوگوں میں اب تک رائج ہے۔

ایک بار اُن کے پاس امیر بسیق نے روپوں کا ایک ڈھیر بھیجا۔ آپ کرسی پر بیٹھے تھے۔ اُس میں سے مُٹھیاں بھر بھر کر لوگوں کی طرف پھینکنے لگے اور اُسے کل کو قاصد کے سامنے ہی ختم کر دیا۔ گویا اس کو دکھلا دیا کہ فقراء اس سے مستغنی ہیں۔ اور یہ کہ اگر یہ لوگ دنیا سے محبت کرتے ہوتے تو تمام لوگوں سے بڑھ کر ان کو یہ درجہ حاصل نہ ہوتا۔ جب امیر کو یہ واقعہ پہنچا وہ حاضر ہوا اور دست بوسی کی۔ شیخ نے فرمایا اس کنویں پر جاؤ اور یہ حوض پانی سے بھرو اس کا ثواب قیامت تک تمہارے نامہ اعمال میں درج ہوگا۔ امیر نے اچکن وغیرہ اُتار دی اور ڈول بھرا تو بہت بھاری تھا۔ بڑی مشقت سے اُوپر تک لایا تو اشرفیوں سے لبریز پایا۔ حضرت شیخ سے ماجرا عرض کیا تو فرمایا اس کو کنویں میں اُلٹ دو اور پھر بھرو۔ اُس نے دوبارہ سہ بارہ بھرا تو ایسے ہی ہوا۔ فرمایا کہ کنویں سے کہہ دو کہ ہم کو تو پانی ہی کی ضرورت ہے۔ تب ان امیر کی نظر میں وہ مال حقیر ہوا جو اُنہوں نے شیخ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

فقراء نے آپ سے وضو کے لئے ہضمی نالی کی درخواست کی آپ نے اپنی لکڑی زمین میں گاڑ دی اور فرمایا یہ ہضم نالی ہے تو اُس میں اب تک وضو کا پانی اُتر جاتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں جاتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک مالکی قاضی

امتحان کے واسطے آئے۔ لوگوں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ یہ قاضی صاحب امتحان کے لئے آرہے ہیں فرمایا اگر وہ مجھ سے کچھ پوچھ سکا تو مَیں سجادۂ فقراء پر بیٹھنا چھوڑ دوں گا۔ جب قاضی صاحب آ گئے تو پوچھنے لگے آپ کیا فرماتے ہیں اس میں ......اور خاموش ہو گئے۔ شیخ نے فرمایا جی، پھر یہی کہا کہ آپ کیا فرماتے ہیں اس میں ......اور خاموش ہو گئے۔ شیخ نے فرمایا جی، ! غرض کئی دفعہ ایسے ہی کہا اور آگے کچھ نہ کہہ سکے۔ پھر قاضی صاحب نے عرض کیا کہ مَیں ایک سوال کرنا چاہتا تھا مگر اب بھول گیا، پھر اپنا سر کھولا استغفار کیا اور عہد کیا کہ فقراء پر انکار واعتراض نہ کیا کریں گے۔

اور ان بزرگ کی یہ حالت تھی کہ جب آپ قاہرہ میں سے کسی مرید کو جو ریف کے مفتہاء پر ہوتا پکارتے تھے وہ جواب دیتا تھا۔ پھر اگر فرماتے آؤ تو آ جاتا تھا۔ یا فرماتے تھے یہ کرو تو وہ کر لیتا تھا۔

ایک روز آپ نے غربی علاقہ کے قطور کے شہروں میں سے کسی شہر میں ابوطاقیہ کو آواز دی اُس نے آپ کی آواز سُن لی اور قاہرہ حاضر ہو گیا۔ آپ کی خدمت میں ہوا میں اُڑنے والے بزرگ حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ ان کو ادب سکھاتے تھے اور پھر ہوا میں اُڑ جاتے تھے۔ اور لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ نظر سے اُوجھل ہو جاتے تھے۔ آپ دریائی لوگوں سے بھی ملاقات کرتے تھے۔ کپڑوں سمیت سمندر میں گھس جاتے تھے۔ بہت دیر تک وہاں رہتے اور نکل آتے تھے مگر کپڑے نہ بھیگتے تھے۔

آپ کی خانقاہ کے امام کو یہ واقعہ پیش آیا کہ جب وہ نماز کو چلے راستہ میں ایک حسین عورت پر نظر پڑی۔ انہوں نے اُسے دیکھ لیا۔ جب خانقاہ پہنچے تو شیخ نے دوسرے شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ پھر جب دوسری نماز کا وقت آیا پھر دوسرے شخص کو فرما دیا۔ پانچ نمازوں تک ایسا ہی کیا جب اُن کو متنبہ ہوا اللہ تعالیٰ نے شیخ کو اُن کی بدنگاہی پر مطلع فرما دیا ہے اُنہوں نے استغفار کیا اور توبہ کی تو شیخ نے فرمایا بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔

ایک بار مصر میں ایک بزرگ جو اولیاء میں سے تھے حضرت شیخ سے اجازت حاصل کئے بغیر داخل ہوگئے۔ آپ نے اُن کے حالات سلب کر لئے۔ انہوں نے استغفار کیا اور شیخ کے پاس معذرت کے لئے آئے۔ تب شیخ نے حالات واپس فرمائے اور یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ اُن کے پاس ایک توسا تھا جس وقت جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی وہ اس میں ہاتھ ڈالتے اور وہی چیز اس میں سے نکال لیا کرتے تھے۔ اب جب ہاتھ ڈالتے تھے کچھ نہ ملتا تھا اور آپ بعض اوقات مختلف ہیئتیں بدل لیتے تھے۔ یہاں تک کہ کبھی اتنے بڑھتے کہ سارے حجرہ کو اپنے اعضاء سے پُر کر دیتے تھے اور کبھی چھوٹے ہوتے ہوتے اپنی اصلی حالت پر آجاتے۔ لوگوں کو اس حالت کا علم ہوگیا تو آپ نے وہ روشندان جو حجرہ میں تھا بند کر دیا اور جب کسی سے بگڑتے تھے اس کو بالکل تباہ کر ڈالتے تھے اگرچہ وہ کسی بڑے سے بڑے ولی اللہ سے وابستہ ہوتا اُس پر جو بلا نازل ہوتی اُسے کوئی دفع نہیں کر سکتا۔ جیسے ابن نمار وغیرہ کا واقعہ ہوا کہ انہوں نے شیخ کو کسی سفارش کے قصہ میں بُرا کہا اور یہ ایک شیخ سے وابستہ تھے جو بڑے اولیاء میں سے تھے اور بطامی کہلاتے تھے شیخ محمد حنفی نے فرمایا ہم نے ابن التمار کو تباہ ﴿اولیاء کو بُرا کہنے سے غیرت و غضبِ حق جوش میں آجاتا ہے تو وہ کوئی دنیوی سزا دیتے یا بددُعا کرتے ہیں تاکہ آخرت کی سزائے عظیم ٹل جائے اور دُنیا کی ہلکی سزا کافی ہو جائے۔ اس لئے ایسے معاملات خود ایک حقیقت ہوتے ہیں۔ ۱۲﴾ کر ڈالا چاہے اُس کے ساتھ ایک ہزار بسطامی کیوں نہ ہوں۔ پھر بادشاہ نے آدمی بھیجے اور ابن التمار کا گھر گرا دیا جو اس وقت تک ویران پڑا ہوا ہے۔ ایک امیر نے حضرت شیخ کے ساتھ بُرائی کا قصد کیا کہ آپ کے سامنے ایک زہریلے برتن میں کھانا رکھا اور پیش کر دیا اور آپ کے برتن میں کسی کو ساتھ کھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ نے اُس میں سے کچھ تھوڑا سا تناول کیا۔ پھر اُٹھ کر خانقاہ تشریف لے گئے۔ برتن مل جُل گئے۔ اِن امیر کے دولڑکے آئے انہوں نے شیخ والے برتن کو صاف کیا یہ تو دونوں مر گئے اور شیخ کو زہر نے کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ (ص ۱۷/۱۵۹ کل ۲ صفحے سطر ۔۔۔ ص ۲۲/۱۵۹)

آپ نے ایک امیر کے پاس جس کو ٹکر باز کہا جاتا تھا ایک سفارش کی۔ اس امیر کا یہ حال تھا کہ جو شخص اس سے ٹکر لڑتا تھا یہ اُس کا سر توڑ دیتا تھا اور شاہ ملک الاشرف برسبائی کے دربار میں غلاموں سے ٹکر لڑتا تھا۔ اس نے قاصد سے یہ کہا کہ اپنے شیخ سے کہہ دینا کہ خانقاہ میں بیٹھے رہیں اور اس سے مڈبھیڑ نہ کریں ورنہ وہ ایسے ٹکر لگائے گا کہ آپ کا سر توڑ دے گا۔ قاصد نے آ کر شیخ سے عرض کر دیا۔ آپ نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا جب رات ہوئی تو اس امیر نے سر کھولا اور دیواروں میں ٹکریں مارتا مارتا مر گیا۔ بادشاہ کو خبر پہنچی تو کہنے لگا اس کو شیخ حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے قتل کر ڈالا۔ آپ کے یہاں ایک نیک سی باندی تھی اس کا نام برکت تھا آپ نے اس کو آزاد کر دیا اور آزادی نامہ لکھ کر دے دیا۔ اور فرمایا اس کی کسی کو خبر نہ کرنا اُس نے گھر والوں کو اس کی خبر کر دی تو آپ نے فرمایا جا اور فلاں جگہ بیٹھ جا۔ وہ نہ سمجھی کہ شیخ کا مقصد کیا ہے؟ گئی اور بیٹھ گئی۔ جب وہاں سے اُٹھنا چاہا تو اُٹھ نہ سکی۔ اُس نے شیخ سے درخواست کی کہ اُسے اُٹھ سکنے کی اجازت دے دیں تو پھر اُٹھ تو کھڑی ہوئی مگر چل پھر نہ سکی۔ پھر اُس نے دوسرے لوگوں سے کہا کہ تم شیخ سے چلنے پھرنے کی اجازت لے دو۔ فرمایا اُس نے صرف اُٹھ کھڑے ہونے کی درخواست کی تھی اور تیر جب کمان سے نکل جاتا ہے پھر نہیں لوٹتا۔ پھر وہ مرنے تک اپاہج ہی رہی۔

آپ جنوں کو حنفی مذہب کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک روز کسی کام کی وجہ سے مشغول ہو گئی تو آپ نے اپنے داماد سید عمر کو بھیج دیا۔ اُس دن سید عمر نے اُن کو شیخ کے گھر میں پڑھایا۔ یہ سید عمر کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک جن عورت نے شادی کرنا چاہی مَیں نے سید محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا ہمارے مذہب میں یہ جائز نہیں ہے جب مَیں اس کے ساتھ زمین کے نیچے گیا تو اس نے اپنے بادشاہ کے سامنے یہ قصہ پیش کیا۔ بادشاہ نے کہا کہ جو سید محمد نے کہا ہے مَیں اس پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ پھر بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ شیخ کے داماد سے اس ہاتھ سے مصافحہ کرو جس ہاتھ سے تم نے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا تھا تاکہ پھر یہ اس ہاتھ سے سید محمد سے مصافحہ کر لیں اور اُن کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصافحہ کے وقت کے درمیان آٹھ سو سال کا فصل ہو جائے۔ پھر اس جن عورت سے کہا کہ ان کو اسی جگہ پہنچا آؤ جہاں سے لائی ہو۔ آپ کو کاتب السر پر اس وقت دسکرٹری ابن البارزی نے ایک دن دیکھ لیا کہ آپ گھوڑے پر سوار ہیں اور اُمراء کی ایک جماعت جلو میں ہے اُس نے اس پر انکار کیا اور کہا کہ یہ اولیاء کا طریقہ نہیں۔ ناظر خاص نے اُس سے کہا اعتراض نہ کرو کیونکہ اولیاء کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ ابن البارزی نے کہا کہ مَیں ضرور کسی کو بھیج کر یہ کہلاؤں گا۔ جب قاصد حاضر ہوا اور حضرت کو یہ پیام پہنچایا۔ فرمایا اپنے آقا سے کہہ دینا کہ تم ہمیشہ کے لئے معزول کر دیئے گئے۔ شاہ موئد باللہ نے اس کے پاس قاصد بھیجا اور فرمان دیا کہ تم اپنے گھر بیٹھو اور پھر وہ معزول ہی رہا یہاں تک کہ اسی بادشاہ نے اس کو قتل کر دیا۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں بزرگوں کے انکار سے۔ (ص ۵/۱۶۰، کل ۱۹ سطر۔۔۔ص ۱۰/۱۶۰)

ابن کتیلہ نے محلّہ کے اکابر میں سے کسی کے پاس سفارش بھیجی تھی اُس نے جواب دیا اگر ابن کتیلہ فقراء میں سے ہیں تو حکام سے سروکار نہ رکھیں اور اگر ابن کتیلہ باز نہ آئے تو مَیں اُن کے پیٹ کی آنتیں کاٹ ڈالوں گا۔ ابن کتیلہ کو اس سے رنج ہوا اور کہلا بھیجا کہ مَیں حضرت شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کروں گا۔ اُس نے کہا اُن کے بھی پیٹ کی آنتیں کٹ جائیں گی۔ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے واسطے فقراء کی ایک جماعت کو بھیجا اور فرمایا جب محلّہ میں پہنچیں تو اس ظالم کے گھر پر بھی گزریں اور ذکر کی آواز بلند کریں ان صاحبان نے ایسا ہی کیا تو اُس شخص کو قے ہونے لگی اور آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نکلنے لگیں اور آخر مر گیا۔ آپ خربندہ کا کچھ حصہ لیتے اور کاٹتے اور اس سے کئی طباق بھر دیتے تھے اور ہر طباق میں دوسرے سے مختلف ہوتا تھا۔ سبز خربزہ میں زرد قاشیں کاٹ لیتے تھے دیکھنے والوں کی عقلیں حیران رہ جاتی تھیں۔

آپ کی ایک نیل گائے چوری چلی گئی اور چھ ماہ تک غائب رہی۔ ایک دن شیخ

نے خدمت گزار لڑکی سے فرمایا کہ روضہ میں جاؤ اور فلاں دروازہ کھٹکھٹاؤ جب گھر والا باہر آئے اُسی سے کہنا کہ وہ ہماری نیل گائے دے دو جو چھ ماہ سے تمہارے پاس ہے۔اُس نے وہ دے دی تو فرمایا ھذہ بضاعتنا ردت الینا۔(یہ ہمارا مال ہمیں لوٹا دیا گیا ہے)۔

ایک مرتبہ ایک قاضی صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت شہر والوں نے والی شہر سے ایک مقدمہ کے قصہ میں میرے متعلق یہ کہہ دیا ہے کہ مَیں غلام ہوں فرمایا مَیں نے تمہاری حاجت پوری کر دی۔ پھر یہ ہوا کہ والی شہر ایک شریر گھوڑے پر سوار ہوا اور وہ اُسے لے کر ایک تنگ گلی میں گھس گیا جہاں اُس کی کمر ٹوٹ گئی اور مَر کر زمین پر گر پڑا پھر اس نواح کا والی حضرت شیخ کے متوسلین سے ایک شخص ہو گیا وہ اگلے روز شیخ کی زیارت کے لئے آیا تو شیخ نے ان قاضی صاحب کے متعلق اُس سے فرمایا۔اُس نے ان کے اور ان کی اولاد کے لئے آزادی کا فرمان لکھ دیا۔

یہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ جب خرچ کے لئے کچھ نہ رہتا تو اپنے لوگوں سے قرض لے لیا کرتے تھے، پھر جب کچھ آتا ادا فرما دیتے تھے اسی طرح آپ پر ساٹھ ہزار قرض ہو گیا تو شیخ کو بڑا فکر ہوا ایک دن ایک شخص ایک بڑی سی تھیلی لئے ہوئے حاضر ہوا اور یہ کہا کہ جس جس کا قرض شیخ کے ذمہ ہے وہ آئے اور لے جائے اور سب قرض ادا کر دیا۔ حاضرین میں سے کسی نے اس شخص کو نہ پہچانا۔آخر شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔فرمایا یہ قدرت کا صراف ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمارا قرض ادا کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ کچھ لوگوں نے آپ کے سامنے عمرو بن الفارض رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پڑھے تو عارف باللہ شیخ شمس الدین بن کتیلہ جھومنے لگے۔شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر ایک نظر کی تو ہوش و حواس غائب ہو گئے اور خواب میں حضرت عمرو بن الفارض کو دیکھا کہ خانقاہ کے دروازہ پر ہیں اور اُن کے منہ میں ایک نلکی لگی ہوئی ہے۔ گویا اس کے ذریعہ خانقاہ کے دروازہ کی چوکھٹ کے نیچے سے پانی پی رہے ہیں۔ جب ہوش میں آئے تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو کچھ تم نے دیکھا ہے صحیح ہے۔ شمس الدین مَیں نے بھی تمہاری آنکھوں سے دیکھ

لیا ہے۔اور آپ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابن الفارض ہمارے زمانے میں ہوتے تو ہمارے دروازہ پر کھڑے نظر آتے۔(ص۳۰/۱۶۰،کل ۲۰ سطر۔۔۔ص۴/۱۶۱)

اور جب اپنے متوسلین میں سے غائب لوگوں میں سے کسی کو دستر خوان پر یاد فرماتے تھے تو اُن کی جانب سے ایک یا دو لقمے کھا لیتے تھے اور وہ اُن کے پیٹ میں پہنچ جاتا تھا وہ چاہے جہاں ہوں اور پھر جب وہ آتے اس کو بیان کرتے۔

جب منکرین میں سے کوئی شخص کوئی مسئلہ پوچھتا یا آپ سے کچھ اور پوچھتا اس کا جواب دیتے یہاں تک کہ وہی سوال کرنا چھوڑ دیتا تو آپ فرماتے کیا اور نہیں پوچھتے اگر تم کوئی ایسی بات پوچھتے جس کا جواب میرے پاس نہ ہوتا تو مَیں لوحِ محفوظ سے جواب دیتا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضرت مَیں عیالدار ہوں ضرورت مند ہوں مجھے کیمیا بتا دیجئے۔فرمایا پورے ایک سال ہمارے پاس رہو اور شرط یہ ہے کہ جب وضو ٹوٹ جائے تو فوراً وضو کرو اور دو رکعت پڑھا کرو۔وہ رہ پڑا اور ایسے ہی کرتا رہا جب مقررہ مدت میں ایک دن باقی رہ گیا شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔فرمایا کل تمہاری حاجت پوری کر دیں گے۔پھر جب وہ حاضر ہوا تو فرمایا اُٹھو اور کنویں سے وضو کیلئے پانی بھر لاؤ۔اُس نے کنوئیں سے ایک ڈول بھرا تو وہ اشرفیوں سے لبریز تھا۔عرض کیا حضرت اب تو ایک بال بھی اس کا خواہاں نہیں رہا۔فرمایا اس کو اُسی جگہ گرا دو اور تم اپنے شہر چلے جاؤ کیونکہ اب تم سب کے سب کیمیا ہی ہو گئے ہو وہ اپنے وطن لوٹ گیا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ کی دعوت دی اور بڑا نفع پہنچا۔

شیخ شمس الدین بن کتیلہ کہتے ہیں کہ شیخ جب نماز پڑھتے تھے اُن کی داہنی جانب چار روحانی اور چار جسمانی نماز پڑھتے تھے جن کو سوائے شیخ اور چند خواص کے اور کوئی نہیں دیکھتا تھا۔نیل کے دریائی آدمی آپ کی زیارت کے لئے روضہ میں آپ کے مکان پر آیا کرتے تھے اور لوگ اُن کو دیکھتے تھے۔آپ کی صاحبزادی اُم المحاس

کہتی ہیں کہ ایک بار یہ لوگ زیارت کو آئے سبز چادریں اور نہایت پاکیزہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ مغرب کی نماز آپ کے ساتھ پڑھی اور کپڑوں سمیت دریا میں گھس گئے۔ مَیں نے عرض کیا حضرت پانی میں اُن کے کپڑے نہیں بھیگتے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور فرمایا یہ لوگ دریا ہی میں رہنے والے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص آدھی رات کو آیا اور رقاعہ کے گھروں کے پاس کھڑا ہو گیا آپ نے فرمایا کون ہے اُس نے عرض کیا چور۔ فرمایا کیا چوری نہیں کرتے اور اپنے کام میں نہیں لگتا۔ عرض کیا مَیں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہوں اور مَیں نے رات میں آپ سے باتیں کیں (یعنی عشاء کے بعد باتیں کرنے کو منع فرماتا ہے مَیں نے بعد عشاء رات میں آپ سے بات کر کے آپ کا حرج کیا اور اس ممانعت کا ارتکاب کیا ہے اس کی معافی چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں فرمایا آجاؤ اور ڈرومت۔ پھر اُس نے توبہ کی اور اُس کی توبہ بہت اچھی توبہ رہی تا وفات شیخ کی خانقاہ میں رہا۔

ایک دن آپ نے اپنے متوسلین میں سے ایک شخص کو یہ حکم دیا کہ قاہرہ کے گلی کوچوں میں اور بازاروں میں بلند آواز سے ندا دو۔ اے مسلمانو! تم کو شیخ محمد حنفی حکم دیتے ہیں کہ پانچوں اور خصوصاً عصر کی نماز کی پابندی کیا کرو۔ آپ کا یہ اعلان تمام شہروں میں مشہور ہو گیا کہ شیخ نے اس کا حکم دیا ہے۔ سُننے والوں میں سے کسی نے منادی کرنے والے پر اعتراض کیا کہ یہ شیخ حنفی کا حکم نہیں ہے یہ تو حق تعالیٰ جل شانہٗ کا حکم ہے۔ وہ درویش شیخ کی خدمت میں واپس آیا اور واقعہ عرض کیا شیخ خاموش ہو گئے۔ تیسرے روز مُنادی کرنے والا اعلان کے لئے گیا تو جب اُس دکان پر پہنچا جہاں اُن لوگوں کا مجمع رہتا تھا ایک شخص نے کہا اے شیخ اے حنفی اللہ کے لئے رحم کرو جس شخص نے اُس روز وہ اعتراض کیا تھا آج رات مر گیا۔ منادی والا شیخ کی خدمت میں واپس آیا اور اس کی اطلاع دی فرمایا جو کچھ مَیں نے کہا ہے اب کسی سے مت کہنا۔ (یعنی وہ اعلان اب نہ کرنا)۔

ایک مرتبہ ایک درویش حاضر خدمت ہوا اُس نے آپ کا لباس وہ دیکھا جو

بادشاہوں کے مناسب حال تھا۔ عرض کیا حضرت آپ کا جو طریقہ ہے آپ نے کس سے حاصل کیا ہے؟ اولیاء کی شان تو ژولیدہ حالی اور موٹا پھٹا اور سخت لباس پہننا ہے۔ فرمایا تمہارا اس سے مقصود کیا ہے؟ عرض کیا یہ کہ آپ یہ لباس جو بدن مبارک پر ہے اُتار دیں اور یہ جُبّہ (جو اُس کے پاس تھا) پہن لیں پھر ہم دونوں قرافہ چلیں شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے قبول فرمالیا اور دونوں چل دیئے۔ راہ میں ایک امیر نے شیخ کو دیکھا پہچان لیا اور گھوڑے سے اُتر پڑا اور خود جو لباس پہنے ہوئے تھا اُتار کر پیش کیا اور شیخ کو خدا کی قسم دی کہ اسے قبول فرمالیں۔ پھر وہ اور اُس کے خدام شیخ کے ساتھ ہوئے اور خانقاہ تک پہنچا گئے تب شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان درویش سے فرمایا بیٹا دیکھا ہم میں کیا چیز (یعنی ہم کیا ہیں) کہ اپنی رائے سے کوئی لباس اختیار کریں جب ایسا منظور ہے تو ایسا ہی پہنیں گے۔ ہماری کیا مجال ہے کہ ہم اس سے انکار کریں اور اس کو اختیار کریں وہ منظور ہوگا تو اسی پر راضی ہیں انکار اور خود رائی گستاخی ہے۔ اگر تم بزرگوں کی اولاد میں نہ ہوتے تو تمہارے لئے یہ اچھا نہ ہوتا ان درویش نے توبہ کی استغفار کیا سر برہنہ ہوگئے اور پھر تاوفات شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔

اور جب کوئی شخص کچھ مال اُن سے چھپاتا تھا وہ جاتا رہتا تھا اور صرف وہ باقی رہ جاتا تھا جس کا اُن کے سامنے اعتراف کر لیتا تھا (یعنی اگر کوئی مال اس کے پاس ہوتا تھا اور وہ اس کو اُن سے چھپا کر اُن سے کچھ مانگتا تو وہ مال جاتا رہتا تھا)

شیخ جب قرمغہ (قبرستان) کی زیارت کو تشریف لے جاتے اہلِ قبور کو سلام کرتے اور اہلِ قبور ایسی آواز سے جواب دیتے تھے کہ ساتھ کے لوگ سُن لیتے تھے۔

جب مقام صعید کے درویش لوگ آئے جن میں فرغل بن احمد بھی تھے اور یہ لوگ مقام صعیہ کے امیر ابن عمر کی سفارش کے لئے آئے تھے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ان لوگوں کا کام انجام نہ پائے گا کیونکہ یہ لوگ بے ادبی کے طریقہ پر آئے ہیں اور اس شہر کے منتظم سے اجازت نہیں لی ہے۔ پھر بات ایسے ہی ہوئی جیسے فرمائی تھی۔ اور

جب یہ لوگ فرغل صاحب کو لے کر بادشاہ کے یہاں پہنچے تو انہوں نے بادشاہ سے کہا آپ ہی اس شہر کے ذمہ دار ہیں اُس نے ان کو چونکہ یہ مجذوب تھے کوئی جواب نہ دیا۔

شیخ جب کسی شریر گھوڑی پر ہاتھ رکھ دیتے تھے وہ شرارت سے باز آ جاتی تھی اور حضرت خضر علیہ السلام بار بار آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور آپ کی داہنی جانب بیٹھتے تھے۔ آپ کھڑے ہوتے تو کھڑے ہوتے جاتے اور حجرہ میں جاتے تو حجرہ کے دروازہ تک پہنچاتے تھے۔ آپ کی وفات ۸۴۷ھ میں ہوئی ہے۔ آپ کی قبر برکتوں میں مشہور ہے اور لوگ زیارت کیلئے آتے ہیں۔ (ص ۶/۱۶۲، کل اصفحہ، ۲ سطر۔ ص ۱۰/۱۶۲)

محمد بن حسن اخمیمی

بڑے عارفین میں سے ہیں۔ آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی عطا فرمائی جس میں سے کچھ تو اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھالی اور کچھ اپنے برابر میں رکھ لی جب بیدار ہوئے تو برابر میں موجود پائی۔ آپ کا قول ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے تمام چیزوں کے ذکر کی حقیقتیں بتا دی ہیں۔ یہاں تک کہ درختوں اور پتھروں کو مختلف الاذکار دیکھا ہے۔ اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن عیسیٰ زیلعی

بڑے ولی اور کشف وکرامات والے ہیں۔ آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ کا لڑکا اہل دیہات کے معمول کے موافق ایک دعوت میں لوگوں کے ساتھ تلوار کھیل رہا تھا اتفاق سے تلوار ایک شخص کی آنکھ میں لگ گئی اور آنکھ نکل پڑی۔ شیخ نے اس کی آنکھ کو جگہ پر رکھ کر لعاب لگا دیا تو ویسی ہی ہوگئی جیسی تھی۔

اور آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے مسجد بنائی تو ایک معمار گردن کے بل گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ لوگ اُس کو شیخ کے پاس لائے۔ آپ نے لعاب مبارک لگا دیا وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر زندہ رہا۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ جب لوگ بارش کے باب میں آپ کے سر ہو جاتے تھے تو فوراً بارش ہو جاتی تھی۔ اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن عمر بن احمد شیخ شمس الدین ابو عبداللہ الواسطی رحمۃ اللہ علیہ

واسطی الاصل ہیں پھر عمری محلی ہو گئے، شافعی ہیں بڑے امام مشہور صوفی اکابر ادباء میں سے ہیں۔ صاحب تالیفات نافعہ و کرامات عالیہ ہیں۔ آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ قندیلوں کو گل کر کے سوتے تھے، پھر اُن کو اشارہ کیا تو سب روشن ہو گئے۔

اور آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ احمد نخال آپ کے پاس آئے تو آپ کی سات آنکھیں دیکھیں اُن کو غش آ گیا۔ ہوش میں آئے تو شیخ نے فرمایا جب آدمی کامل ہو جاتا ہے تو دنیا کی اقلیموں کی تعداد کے موافق اُس کی سات آنکھیں ہو جاتی ہیں۔ آپ کی وفات شعبان ۸۴۹ھ میں ہوئی اور مقام محلہ میں اپنی جامع مسجد میں دفن ہوئے ہیں۔ اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

اور امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب سلطان چقمق نے ابن عمر امیر مصر کو پیچھے پولیس کا دستہ بھیجا اور وہ اس کو بیڑیاں پہنا کر لانے لگے تو ایک گدھے باھے والی محل نامی کے گدھے نے جو مقام صعید میں ان بزرگ محمد صاحب کے متوسلین میں سے تھا ٹھوکر کھائی۔ اُس نے کہا اَے محمد اَے حضرت غمری (میری دستگیری کیجئے) ابن عمر نے سُنا تو پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ میرے شیخ ہیں۔ تو ابن عمر نے کہا کہ پھر دُوسرا میں ہوں کہ ان کی دستگیری چاہتا ہوں اے حضرت محمد غمری مجھ پر توجہ فرمایئے۔ شیخ نے محلّہ میں اُس کی آواز سُن لی۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کرنے والے شیخ شہاب الدین نخال کہتے ہیں کہ شیخ نے تین گدھے طلب فرمائے اور فرمایا سوار ہو لو۔ ہم شیخ کے ہمراہ سوار ہو لئے اور قاہرہ چل دیئے۔ شیخ بادشاہ کے محل کے نیچے جا کر بیٹھ گئے اور خوب غور سے دیکھنے لگے۔ لوگ ابن عمر کو بیڑیاں پہنائے قلعہ کی طرف لے جا رہے تھے۔ آپ نے ابن النخال سے

فرمایا تم اس شخص کے پیچھے پیچھے جاؤ جب تم بادشاہ کو دیکھو کہ وہ ناراض ہونے لگے اور اس کے قتل کا حکم دے دے تو تم شہادت کی اُنگلی کو انگوٹھے کے اُوپر رکھ کر اُس پر حملہ کردو تو جس قدر لوگ اس مجمع میں ہوں گے سب کے سانس رُکنے اور گلے گھٹنے لگیں گے یہاں تک کہ بادشاہ کا بھی۔ ابن النخال اُس کے پیچھے پیچھے ہوئے۔ جب بادشاہ ناراض ہوا تو اُنہوں نے جو کچھ شیخ نے فرمایا تھا کیا۔ بادشاہ چلایا چھوڑ دو چھوڑ دو اور اُس کو انعام دو۔ پھر اُس کی تمام جماعت نے زعفران لگائی اور ابن النخال چلے آئے اور شیخ سے عرض کیا۔ شیخ نے فرمایا اب سوار ہو جاؤ یہاں سے چلو کہ اب حاجت پوری ہو چکی اور وہاں ایسا کوئی نہ تھا جو ابن عمر کو یہ واقعہ اور شیخ کی تشریف آوری بتاتا۔ غرض شیخ محلہ میں لوٹ آئے اور فرمایا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے اس لئے تم میں سے کسی کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ میری زندگی میں اس واقعہ کو کسی سے کہہ دوں۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن النخال نے مجھ سے کہا کہ آپ سے پہلے نے کسی سے اُس کو بیان نہیں کیا اور یہ بزرگ شیخ احمد زاہد سے مُرید تھے نے بیان فرمایا کہ شیخ، احمد زاہد کسی کو اُس وقت تک سجادہ پر بیٹھنے کی اجازت نہ دیتے تھے جب تک اُس سے کرامت ظاہر نہ ہو جاتی تھی اور میری کرامت یہ تھی کہ مَیں ایک دفعہ روشنی گل کر کے سویا تھا پھر مَیں نے قندیلوں کو اشارہ کیا تو سب کے سب روشن ہو گئے تھے۔

اور اُن کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ چوروں نے اُن کے قتل کی متفقہ سازش کی کیونکہ یہ اکثر ان کو منع کرتے رہتے تھے۔ ایک رات وہ سب آئے اور خانقاہ کا دروازہ توڑ ڈالا۔ آپ نے اپنی جماعت سے فرمایا سوائے میرے اور کوئی باہر نہ جائے۔ پھر جب آپ کی نظر اُن چوروں پر پڑی تو سب نے توبہ کی اور ہتھیار ڈال دیئے۔ نجم الغزی کہتے امام شعرانی فرماتے تھے کہ مجھ سے شیخ زکریا نے ذکر کیا ہے کہ وہ ایک بار حضرت محمد غمری کی خدمت میں حجرہ میں اچانک جا پہنچے تو اُنہوں نے اُن کی سات آنکھیں دیکھیں یہ ششدر رہ گئے تو فرمایا زکریا جب آدمی کامل ہو جاتا

ہے تو دُنیا کی اقلیموں کی تعداد کے موافق اس کی آنکھیں ہو جاتی ہیں۔
اور انہی شیخ زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ اور ایسے ہی جا پہنچے تو ان کو حجرہ کی چھت کے قریب خلاء میں دوزانو بیٹھے دیکھا۔ آپ کی وفات سنہ ۸۵۰ھ سے کچھ اُوپر ہوئی ہے۔

محمد بن صدقہ

شیخ بزرگ مجذوب چیخنے چلانے والے ولی صاحب کشف کمال الدین لقب دمیاطی شافعی ہیں۔ آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ جمعہ کے دن قاضی القضاۃ ابن حجر کے مکان پر اُن کے برسرِ عہدہ ہونے کے زمانہ میں آئے اور یہ معزول ہونے سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے۔ آپ لوگوں کے درمیان درگاہ میں بیٹھے اور سب دروازے بند کرادیئے اور جس قدر خادم تھے سب کو باہر نکال دیا۔ قاضی القضاۃ گھر سے باہر آئے اور اُن کے پاس ماب استار پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے ان سے کچھ مانگا تو انہوں نے جیب سے ایک اشرفی نکال کر دے دی۔ آپ نے فرمایا اور، تو انہوں نے ایک اور دے دی فرمایا اور تو اُنہوں نے اور دے دی یہاں تک کہ چھ یا سات ہوگئیں اور اُن کی جیب میں اُس وقت یہی تھیں جب سب اُن کے ہاتھ میں آگئیں اُن کو اپنی ہتھیلی میں گھمایا اور پہرہ دار کے بچے کو دے دیں۔ پھر اُس سے زور دے کر واپس لیں اور زور زور سے چیخیں مارتے رہے اور قاضی صاحب کو یہ کہہ کر لوٹادیں کہ ہمارے پاس سے اُٹھ جاؤ اور بار بار چیختے اور یہی کہتے رہے یہاں تک کہ قاضی صاحب کا رنگ فق ہوگیا اور اُن کے چیخنے سے کانپنے لگے۔ اور یہی کہتے رہے ہمارے پاس سے اُٹھ جاؤ۔ وہ اُٹھ گئے اور گھر میں چلے گئے۔ پھر اس کے بعد فوراً ہی معزول کردیئے گئے اور اس واقعہ کے بعد اتنے ہی دن زندہ رہے جتنی وہ اشرفیاں تھیں جو انہوں نے لوٹا کردیں چھ یا سات نہ کم نہ زیادہ۔
آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کسی حاجت کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ پچاس اشرفیوں پر موقوف ہے۔ اس شخص نے وہ اشرفیاں

اُن کے پاس بھجوادیں۔ جب قاصد اشرفیاں لے کران کے پاس پہنچا تو یہ باب الکاعلیہ پر بیٹھے تھے۔اُس کے پہنچتے ہی حکم دیا کہ فلاں عورت کو جوسڑک پر جارہی ہے اورتم اس کو پہچانتے بھی نہیں ہو دے آؤ۔اُس نے دے دیں اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس عورت کا لڑکا اس قدر روپیہ کے عوض میں نہ کم نہ زیادہ قید میں تھا اور ایسے شخص کے پاس قید تھا جس سے رحم کی کوئی توقع نہ تھی اوراس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ تھا۔آپ کی وفات مصر میں ۸۵۴ھ میں ہوئی ے اور قرافہ کبریٰ میں شیخ ابوالعباس خراز کی قبر کے برابر دفن ہوئے۔اس کومناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن احمد فرغل

صعیہ کے رہنے والے بڑے اولیاء اور بے مثال اصفیا میں سے ہیں۔آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ ایک عورت کو مین پھل کا اشتیاق تھا اور وہ مصر میں نہیں ملتا تھا۔آپ نے اپنے چوبدار مخیمر سے فرمایا مخیمر اس حجرہ میں جاؤ حجرہ کے اندر تم ایک درخت پاؤ گے اس پر سے اس کو پانچ مین پھل توڑ کر لا دو۔وہ گیا مین پھل کا درخت پایا اوراُس سے پانچ توڑ لایا پھر جو اس کے بعد حجرہ میں گیا تو وہاں درخت نہ تھا۔

ایک دن شیخ الاسلام ابن حجر مصر میں ان پر کو گزرے جبکہ وہ قاضی عمر کی اولاد کی سفارش کے لئے آئے تھے اِن پر انکار کے طریقہ پر اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتے اوران کو ولی بناتے تو ان کو علم دیتے۔آپ نے فرمایا قاضی ٹھہر جاؤ۔وہ ٹھہر گئے۔آپ نے ان کو پکڑا اور لگے مارنے اُن کے منہ پر، چپت مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے ہاں مجھے بنایا ہے اور تجھے علم بھی دیا ہے۔

آپ کے پاس ایک پادری آیا اور زرد رنگ کے خربوزہ کا اشتیاق ظاہر کیا۔ موسم اس کا نہ تھا مگر آپ نے لا دیا اور فرمایا اپنے پروردگار کی عزت کی قسم کوہِ قاف کے نیچے سے مل سکا ہے۔مخیمر چوبدار کی لڑکی کو ایک ناکو نگل گیا تو وہ روتا پیٹتا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے فرمایا اس جگہ جہاں اُس نے لڑکی کو نگل لیا ہے جاؤ اور

بلند آواز سے کہو اے ناکو آ اور فرغل سے جواب دہی کر، تو ناکو سمندر سے نکلا ایک جہاز کی طرح جارہا تھا مخلوق اُس کے آگے سے داہنے بائیں کو ہوتی جاتی تھی وہ آپ کے گھر کے دروازہ پر آکر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے لوہار کو حکم دیا کہ اس کے سب دانت اُکھاڑ دے اور ناکو کو لڑکی کو اُگل دینے کا حکم دیا اُس نے لڑکی کو اُگل دیا تو وہ زندہ تھی مگر بے ہوش۔ پھر ناکو سے کہا کہ جب تک زندہ رہے ان کے شہر کے کسی آدمی کو نہ نگلے۔ ناکو اس طرح لوٹ کر گیا کہ آپ کے آنسو بہہ رہے تھے اور سمندر میں جاپڑا۔

آپ بار بار بیان فرمایا کرتے تھے کہ مَیں حضرت حق جل و علاشانہٗ کے سامنے عرش کے نیچے چل رہا تھا حق تعالیٰ نے مجھ سے یہ فرمایا اور مَیں نے یہ عرض کیا۔ قاضیوں میں سے ایک شخص نے اس کی تکذیب کی آپ نے اُس کو گونگا ہونے کی بدُعا دی تو وہ وفات تک گونگا ہی رہا۔ اخیر عمر میں آپ کے ہاتھ پاؤں رہ گئے تھے۔ آپ اطراف عالم میں سے تمام اقلیموں کی خبریں بیان فرمایا کرتے تھے۔ لوگ ہر روز یا تیسرے روز آپ کے جوتے کا نیا جوڑا تبدیل کر دیا کرتے تھے اور مَیں نے سید محمد بن عنان رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے، کہتے تھے کہ مَیں نے عہدِ شباب میں فرغل بن احمد کی زیارت کی اُن کی جماعت نے میرے بلادشرق سے آنے کو بیان کیا تو فرمایا یہ محمد بنؒ حسن الاعرج ہے جو ہماری زیارت کے لئے چلا ہے۔

ایک نصرانی عورت آپ کی معتقد تھی جو بلادفرنگ میں ہی رہتی تھی اُس نے نذر کی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اُس کے لڑکے کو صحت دے دی تو وہ شیخ فرغل صاحب کے واسطے ایک فرش بنائے گی آپ یہاں فرمایا کرتے تھے کہ لو اَب اُن لوگوں نے فرش کی اُون کاٹ لی۔ لو اب اُن لوگوں نے کتی ہوئی اُون کو کیلوں پر لپیٹ لیا۔ لو اَب اُنہوں نے بُنتا شروع کر دیا۔ لو اَب اس کو روانہ کر دیا۔ لو اَب اس کو جہاز میں رکھ دیا۔ لو اَب فلاں جگہ تک پہنچ گئے، پھر فلاں جگہ تک پہنچ گئے۔ پھر ایک روز فرمایا کوئی جائے اور وہ فرش لے لے کیونکہ وہ اب دروازے تک پہنچ گیا ہے اور سب باتیں ایسی ہی نکلیں۔

بچپن میں ان لوگوں نے بنی صمیت میں خرمن کا محافظ مقرر کیا تو آپ نے ایک سبز خوشہ لیا اور خرمن کے اُوپر ڈال دیا اور جلا دیا۔ لوگوں نے شور مچایا کہ اس مجنون نے خرمن کو جلا دیا۔ ان کو پکڑا اور مارا تو انہوں نے کہا کہ میں نے آگے سے کہہ دیا تھا کہ تو میرے خوشہ کو ہی جلانا اور بس اب تم لوگ دیکھ لو۔ دیکھا تو سوائے خوشہ کے اور کچھ نہ جلا تھا۔

آپ نے ایک شخص سے کہا کہ تم اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دو اُس نے جواب دیا اس کا مہر تمہارے لئے بہت زیادہ ہوگا۔ فرمایا کیا مہر چاہتے ہو؟ اُس نے کہا چار سو اَشرفیاں فرمایا فلاں صراف عورت کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ فرغل نے کہا ہے کہ ایک تھیلی اشرفیوں کی اور ایک روپوں کی بھر دو۔ اُس نے دو تھیلیاں بھر کر دے دیں۔ اس کے بعد سے وہ شخص اور اُس کی اولاد تا وفات شیخ کی برکت سے خوش حال رہے۔

ابن الزرازیری آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوا تو فرمایا ہم نے تم کو فلاں مقام سے فلاں تک کا والی بنا دیا تو بادشاہ نے ان کو صعید کے چار صوبوں کا والی مقرر کر دیا اور آپ نے مصر میں کسی حاکم کے پاس ایک غلام کی سفارش میں اپنا قاصد بھیجا اُس نے جواب دیا کہ شیخ سے کہہ دینا کہ تم تو بے وقوف ہو۔ قاصد شیخ کے پاس لوٹ آیا اور ماجرا عرض کر دیا تو آپ نے زمین پر اس طرح اُنگلی ماری جیسے کوئی کھودتا ہو اس کے بعد خبر ملی کہ بادشاہ اس حاکم پر ناراض ہوا اور اُس کے گھر کے منہدم کرنے کا حکم دے دیا جو اس وقت سے آج تک ویران چلا آتا ہے اور طولون کی جامع مسجد کے پہلو میں ہے۔ پھر اس کے بعد اس حاکم کی گردن ماردی گئی۔ بادشاہ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو اُس نے کہا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر مجبور فرما دیا تھا۔

ایک درویش آپ کے پاس بیٹھا قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ اُس نے کوئی غلطی کی۔ آپ نے فرمایا میاں تم نے غلط پڑھا ہے۔ اُس نے عرض کیا حضرت آپ تو حافظ نہیں۔ آپ نے یہ کیسے معلوم کر لیا؟ فرمایا میں ایک مسلسل نور دیکھ رہا تھا جو آسمان کی طرف چڑھ رہا تھا وہ منقطع ہو گیا اور اَگلا حصہ پچھلے حصہ سے متصل نہیں رہا تو میں

نے سمجھ لیا کہ تم نے غلط پڑھا ہے۔ (ص ۱۶/۱۶۴، کل ۲ صفحہ ۶ سطر۔۔۔ص ۱۷/۱۶۴)

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اُن کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ فرغل بن احمد کا نام محمد سمیعی صعیدی ہے۔ مشہور مجذوب ہیں بڑے صوفیاء اور باتصرف لوگوں میں سے ہیں پھر ان کی بعض وہ کرامتیں نقل فرمائی ہیں جو اُوپر گزر چکی ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ ان کی کرامتوں میں سے زیادہ مشہور ہیں کہ اُن کو لکھا جائے اور آپ کی وفات صعدِ مقام میں ۸۶۰ھ میں ہوئی ہے اور اپنی خانقاہ میں ابوتیج میں دفن ہوئے ہیں۔ (ص ۲۰/۱۶۴، کل ۳ سطر۔۔۔ص ۲۲/۱۶۴)

محمد بن حمزہ رحمۃ اللہ علیہ

جو آق شمس الدین کے نام سے مشہور ہیں۔ سلطان محمد فاتح کے عہدِ حکومت میں بڑے اولیاء میں سے ہوئے ہیں۔ دمشق الشام میں ولادت ہوئی پھر آپ اپنے بچپن کے زمانہ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ بلادِ روم میں آئے۔ وہاں تحصیلِ علم میں مشغول رہے اور تکمیل کی۔ آپ کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ آپ جس طرح روح کے طبیب تھے جسم کے بھی طبیب تھے۔ طبِ ظاہری میں آپ کی تصانیف بھی ہیں۔ روایت ہے کہ جڑی بوٹیاں آپ کو پکار پکار کر کہا کرتی تھیں کہ میں فلاں مرض کی دوا ہوں۔ جب سلطان محمد خاں نے فتح قسطنطنیہ کا قصد کیا شیخ کو جہاد کی دعوت دی اور شیخ آق بیق کو بھی دعوت دی اور ان دونوں حضرات کی خدمت میں احمد پاشا بن ولی الدین مرحوم کو قسطنطنیہ کی طرف توجہ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

شیخ آق بیق ایک مجذوب بزرگ تھے اُن سے تو کوئی جواب نہ ملا اور شیخ آق شمس الدین نے فرمایا کہ عنقریب فلاں روز ضحوۃ الکبری کے وقت (یہاں کے حساب سے تقریباً گیارہ بجے) مسلمان قلعہ کے فلاں حصہ میں داخل ہو جائیں گے اور تم اُس وقت سلطان محمد خاں کے پاس ہو گے۔ شیخ کی اولاد میں سے کسی نے بیان کیا ہے کہ وہ وقت آ گیا اور قلعہ فتح نہیں ہوا تو ہم کو سلطان کی طرف سے بہت اندیشہ ہوا (کہ نہ معلوم شیخ کی پیش گوئی پورا نہ ہونے کی وجہ سے شیخ پر کیا ظلم کر گزرے) تو میں اُس

طرف یعنی شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا۔ شیخ خیمہ میں تھے اور ایک خادم دروازہ پر تھا اُس نے مجھے اندر جانے سے روک دیا کیونکہ شیخ نے اس کو حکم دے رکھا تھا کہ کوئی شخص اُن کے پاس نہ جاسکے۔ مَیں نے خیمہ کی رسّی ذرا اُٹھائی اور دیکھا تو شیخ زمین پر سجدہ میں ہیں۔ سر کُھلا ہوا ہے گریہ وزاری جاری ہے۔ مَیں نے اپنا سر نہیں اُٹھایا تھا کہ شیخ اللہ اکبر کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے قلعہ کے فتح کا ہم پر احسان فرمایا۔ مَیں نے قلعہ کی طرف دیکھا تو سارے کا سارا لشکر قلعہ میں داخل ہو چکا تھا اور حق تعالیٰ نے آپ کی دُعا کی برکت سے فتح عنایت فرمادی۔ شیخ کی دُعا ساتوں آسمانوں کو چیر کر جاتی تھی۔

کتب تاریخ میں روایت تھی کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک قسطنطنیہ کی چہار دیواری کے قریب کسی جگہ ہے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی گئی کہ آپ وہ جگہ معیّن فرمادیں۔ آپ تشریف لائے اور فرمایا مَیں اس جگہ ایک نور دیکھ رہا ہوں شاید اُن کی قبر مبارک اس جگہ ہے۔ پھر اس جگہ تشریف لائے اور دیر تک مراقب رہے۔ پھر فرمایا ان کی روح میری روح کی طرف متوجہ ہوئی اور اس فتح کی مبارک باد دی اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کی کوشش کو قبول فرمالیا ہے کہ تم نے ظالم کفار کے قبضہ سے مجھے چھڑا دیا۔ یہ خبر سلطان محمد خاں کو پہنچی تو وہ اس جگہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ (حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی خبر کے باب میں) مَیں حضرت والا کی تصدیق تو کرتا ہوں لیکن ایک فرمائش ہے کہ میرے واسطے (قبر مبارک کی) کوئی ایسی علامت مقرر فرمادیں جسے مَیں خود اپنی آنکھ سے دیکھ لوں اور اس سے میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔

پھر شیخ کچھ دیر اور مراقب رہے اور فرمایا اس جگہ کو قبر کے سرہانے کی طرف سے دو ہاتھ کھودو ایک سفید پتھر نکلے گا جس پر عبرانی زبان میں کچھ لکھا ہوگا جس کا ترجمہ یہ ہے اور پھر آپ نے کچھ مضمون فرمایا۔ جب لوگوں نے دو ہاتھ کھود لیا تو ایک سفید پتھر نمودار ہوا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا جو شخص اس کو پڑھ سکا (اُس نے پڑھا اور ترجمہ کیا تو

اُس کا مضمون وہی تھا جو شیخ نے بیان فرمایا تھا سلطان حیران رہ گیا اور اُس پر ایک عجیب حال طاری ہو گیا۔ اگر یہ لوگ سنبھال نہ لیتے تو وہ گر پڑتا۔

پھر سلطان نے اس جگہ ایک قبہ اور جامع مسجد اور حجرے بنانے کا حکم دے دیا اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ آپ مع مریدوں کے یہاں قیام فرمائیں مگر شیخ نے قبول نہیں فرمایا اور بادشاہ سے اجازت طلب کی کہ اپنے وطن لوٹ جائیں۔ سلطان نے آپ کی دلداری کے لئے اجازت دے دی۔ جب اپنے وطن قصبہ کونیک پہنچے وہاں ایک زمانہ تک قیام فرمایا پھر وہاں وفات ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔ اس کو شقائق نعمانیہ میں بیان کیا ہے۔ (ص ۹/۱۹۵، کل ۲۳ سطر۔۔۔ص ۲۰/۱۶۵)

محمد بن علی باعلوی رحمۃ اللہ علیہ

عبدید والے علم و عمل و ولایت کے ائمہ میں سے ہیں۔ آپ کی کرامتیں بہت ہیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ آپ وادی کے اُوپر کے حصہ میں عبادت کیا کرتے تھے بعض دفعہ آپ کے متوسلین حاضر ہوتے تو نیچے بغیر بارش و بادل کے سیلاب جاری پاتے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ پی لو غسل کر لو مگر کسی کو خبر نہ کرنا۔ ایک شخص کو یہ واقعہ پیش آیا کہ اس نے اس سیلاب میں کسی وقت غسل کیا تو اُس میں زعفران کی خوشبو معلوم ہوئی اور اپنے کپڑوں پر زعفران کا رنگ پایا جو اس کے کپڑوں سے ایک مدت مدیدہ کے بعد زائل ہوا۔ (ص ۲۴/۱۶۵، کل ۵ سطر۔۔۔ص ۲۶/۱۶۵)

آپ کی وفات ۸۶۲ھ میں ہوئی اور اپنے جد اعلیٰ محمد بن عبدالرحمٰن باعلوی کے قریب مقبرہ زنبل میں دفن ہوئے ہیں۔ اس کو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن سلیمان الجزوی رحمۃ اللہ علیہ

سملالی سید حسینی شاذلی دلائل الخیرات والے ہیں۔ آپ عبادت کے واسطے حجرہ میں چودہ (۱۴) سال تک رہے پھر لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے باہر نکلے اور مریدوں کی تربیت شروع فرمائی۔ آپ کے ہاتھ پر بہت بڑی مخلوق نے توبہ کی اور

آپ کا ذکر آفاقِ عالم میں شہرت حاصل کر گیا۔ آپ سے بڑے بڑے خرق عادات اور بڑی بڑی کرامتیں اور بڑے عظیم الشان فضائل ظاہر ہوئے ہیں۔ آپ کے پاس بارہ ہزار سے زائد مرید جمع تھے۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی وفات کے ستتر (۷۷) سال بعد بلادسوس میں آپ کی قبر میں سے نعش مبارک کو مراکش نقل کیا گیا تو آپ کو ایسا ہی پایا جیسے دفن کئے گئے تھے۔ آپ کے حالات میں زمین نے کوئی اثر اور طول زمانہ نے کوئی تغیر پیدا نہیں کیا تھا، سر اور داڑھی کے بالوں میں خط بنوانے کا نشان ایسا ہی تازہ تھا جیسا انتقال کے وقت، کیونکہ انتقال کے روز آپ نے خط بنوایا تھا اور کسی شخص نے ان کے چہرہ پر اُنگلی رکھ کر چلائی تو اس کے نیچے سے خون ہٹ گیا۔

جب اُنگلی اُٹھائی تو خون لَوٹ آیا جیسے زندہ آدمی میں ہوتا ہے۔ اور آپ کی قبر مراکش میں ہے قبر پر بہت عظمت برستی ہے لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ بندھے رہتے ہیں اور قبر پر دلائل الخیرات بکثرت پڑھتے ہیں اور یہ پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھتے رہنے کی وجہ سے ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ آپ کی وفات ۸۷۰ھ میں ہوئی ہے۔

یہ دلائل الخیرات کی شرح فارسی سے لیا گیا ہے اور سید احمد صادی نے قطب دردیر صاحب کے درود شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ دلائل الخیرات کے لکھنے کا سبب یہ ہوا ہے کہ اس کے مؤلف سید محمد بن سلیمان جزوی پر ایک دفعہ نماز کا جو وقت آیا تو آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے کنویں سے پانی نکالیں۔ یہ اسی فکر میں تھے کہ ایک بچی نے ایک بالاخانہ سے دیکھا اور پوچھا آپ کون ہیں؟ آپ نے اپنا حال بیان فرمایا تو اس نے کہا کہ آپ تو وہ ہیں کہ آپ کی نیکی کے تذکرے بیان کئے جاتے ہیں اور پھر بھی آپ حیران ہیں کہ کنویں سے کس طرح پانی نکالیں اور اس نے کنویں میں تھوک دیا تو کنویں کا پانی زمین کے اُوپر اُبل پڑا۔ شیخ نے وضو سے فارغ ہونے

کے بعداس سے فرمایا۔تم کو خدا کی قسم یہ بتاؤ کہ تم نے یہ مرتبہ کیسے حاصل کیا۔اس نے عرض کیا اس ذات پر کثرت سے درود شریف پڑھنے سے جو چٹیل میدان میں چلتے تھے تو وحشی جانور آپ کے دامن کی پناہ لیتے تھے۔صلی اللہ علیہ وسلم۔آپ نے قسم کھائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کے باب میں ایک کتاب تصنیف کریں گے۔

محمد بن احمد بن عبد الدائم الاشمونی رحمۃ اللہ علیہ

مالکی شیخ مدین صوفی کبیرو ولی مشہور کے بھانجے ہیں۔

آپ نے اپنے ماموں صاحب سے علوم کی تحصیل کی اور آپ سے علی مرصفی اور ابن ابی حائل وغیرہ اکابر نے تحصیل کی ہے۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں آپ کو کیمیا سکھلاؤں گا۔فرمایا حجرہ میں جاؤ اور عمل کرو اور مجھے دکھاؤ۔اگر مجھے پسند آ گیا تو سیکھ لوں گا۔یہ شخص حجرہ میں داخل ہوگیا تو شیخ نے اس وقت کے حاضرین سے فرمایا کہ جب یہ نکلے گا اس کی داڑھی اور چہرہ جلا ہوا ہوگا۔پھر وہاں دیا سلائی بھڑک گئی اور اس کی داڑھی اور چہرہ جلا ڈالا اور یہ اسی حال میں باہر آیا تو فرمایا ہمیں ایسی چیز کی ضرورت نہیں جو داڑھی اور چہروں کو پھونک ڈالے۔اور اس کو نکال دیا ۔آپ کی وفات ۸۸۱ھ میں ہوئی ہے۔اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابو عبد اللہ محمد بن عباس شعبی یمنی رحمۃ اللہ علیہ

یہ بزرگ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بکثرت دیکھا کرتے تھے۔

فرماتے تھے کہ ایک سال میں نے حج کیا تو حجرِ اسود کے پاس یہ دُعا مانگی کہ حق تعالیٰ مجھے قاضی اور مفتی ہونے سے بچائیں۔جب میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان پہنچا تو خواب میں لوگوں کا ایک مجمع دیکھا۔میں قریب پہنچا کہ سبب معلوم کروں تو مجمع کے درمیان میں ایک شخص کو دیکھا جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔میں نے حاضرین میں سے کسی سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ اس نے جواب دیا یہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم ہیں اور مَیں نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک مسئلہ پوچھ رہا ہے جو ایک ورق میں ہے اور اس نے وہ ورق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں کتاب المہذب کا ایک جز ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس جز کو ملاحظہ فرماتے ہیں اور کبھی مسئلہ کو۔

مجھے اس سے تعجب ہوا اور آنکھ کھل گئی تو اس کے بعد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی بنا پر مفتی ہونا ناگوار نہیں رہا البتہ قاضی ہونا ناگوار رہا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے اس سے نجات ملی رہی۔ اور مَیں ایک مرتبہ اپنے دل میں سوچتا تھا کہ اگر میرے پاس مال ہو تو مَیں عبادات ومباحات میں سے یہ یہ کام کروں تو دفعتاً مَیں نے ایک قاری کو یہ آیت تلاوت کرتے سُنا:

”وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ“ (الشوریٰ، آیت 27)

”اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں پر رزق کی کشائش کرتے وہ اس کے ملک میں سرکشی کرنے لگتے ہیں لیکن وہ اندازہ پر جس قدر چاہتے ہیں نازل فرماتے ہیں“۔

مَیں وہاں سے اُٹھا اور تلاش کیا کہ کوئی تلاوت کر رہا ہے تو کوئی نہ ملا مَیں سمجھ گیا کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے نصیحت ﴿دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر اور آنکس کہ تونگرت نمی گرداند او مصلحت تو از تو بہتر داند۔ غرض جس کو جس قدر عطاء فرمایا ہے وہ اسی کا اہل ہے زیادہ کا اہل نہیں۔ اگر زیادہ دیا جاتا تو فتنہ وفساد وسرکشی اور کفر وگمراہی میں پھنستا تو زیادہ نہ دینا بھی ایک انعام ہے اور رحمت ہے۔۱۲﴾ تھی۔ اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن شرجیل المقری الیمنی رحمۃ اللہ علیہ

بڑے صاحب احوال وکرامات بزرگوں میں ہیں۔ یہ تصوف میں شیخ عیسیٰ بن حجاج سے مرید تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ یہ شروع شروع میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور مدت تک خدمت میں رہے اور اُن سے دُعا کرائی کہ اللہ تعالیٰ اُن پر علم

کے دروازے کھول دیں۔ پھر آپ پہاڑوں پر چلے گئے اور وہاں ایک مدت تک علم میں مشغول رہے۔ جب وہاں سے اُترے تو شیخ عیسیٰ موصوف وفات پا چکے تھے۔ اس لئے یہ شیخ احمد بن مرہ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جب شیخ احمد نے ان کے کمال اور اہلیت کو محسوس فرمالیا تو اُن کو شیخ بنا دینے کا ارادہ کیا۔

خواب میں شیخ عیسیٰ بن حجاج کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں اے شیخ احمد یہ مقری میرا بیٹا ہے اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے (یعنی میرا مرید ہے) ان سے کہہ دو میرے لڑکے شیخ محمد کے پاس جائیں وہ ان کو شیخ بنا دیں گے اُن کا ہاتھ میرا ہی ہاتھ ہے۔ شیخ احمد نے ان کو اس کی اطلاع کردی تو یہ شیخ محمد پسر شیخ عیسیٰ کے پاس حاضر ہوگئے اور انہوں نے ان کو شیخ بنا دیا اور مقری صاحب ان سے عمر میں بڑے تھے۔ دونوں بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے جب شیخ محمد پسر شیخ عیسیٰ کا انتقال ہوا مقری صاحبؒ نے ارادہ کیا کہ اُن کے بیٹے ابوبکر کو ان کا جانشین بنا دیں۔

اس روز اُن کے پاس ایک بزرگ عراق کے رہنے والے تھے جو اپنے آپ کو یہ کہتے تھے کہ وہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں ہیں ان صاحب نے کہا کہ شیخ ابوبکر کو جانشین مَیں ہی بناؤں گا۔ مَیں ہی اس کا حق دار ہوں مَیں ان کے دادا شیخ عیسیٰ کا مرید ہوں اور ہم سب شیخ عبدالقادر پر مل جاتے ہیں اور یہ کہا کہ ایک زبردست آگ تیار کی جائے اور پھر کہا کہ اگر تم میرے ساتھ اس آگ میں داخل ہوگئے اور تم نے وہ وہ کام کرلئے جو مَیں کروں گا تو تم ان کو جانشین بنا سکتے ہو ورنہ نہیں اور پھر آگ کے اندر گھس گئے اور اس میں گھومنے لگے اور آگ کو ہاتھ میں اُٹھا اُٹھا کر سر پر ڈالنے لگے اور آگ ان کو کچھ نقصان نہ دیتی تھی اور نہ اس سے ان کے کپڑے جلے۔

شیخ مقری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گدڑی اُتاری اور اپنے درویشوں میں سے ایک درویش کو دی اور فرمایا تم بھی ان کے ساتھ آگ میں چلے جاؤ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں کر دکھاؤ۔ یہ درویش بھی آگ میں داخل ہوگئے اور جو جو وہ کرتے تھے یہ بھی کرنے

لگے بلکہ اور اس سے بھی زیادہ۔ جب ان عراقی بزرگ نے دیکھا کہ یہ درویش بھی سب باتیں کرنے لگے۔ تو پھر اُنہوں نے شیخ ابوبکر کو جانشین بنانے میں شیخ مقری کی مخالفت نہیں کی اور شیخ ابوبکر بھی بڑے بزرگوں میں سے تھے اور ان شیخ مقری صاحب کے اولاد بھی نیک صالح تھی۔ جو ایک مشہور رقبہ کی طرف منسوب ہو کر قبہ نام ایک موضع میں رہتے تھے جو لحب کے پہاڑوں کے نواح میں ہے اور وہاں ان کی بہت شہرت ہے اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن مہنا القرشی الیمنی

یہ بزرگ ان عبداللہ قرشی مشہور کے علاوہ ہیں جو بیت المقدس میں مدفون ہیں کیونکہ وہ ان سے بہت مقدم ہیں ان کا نسب قریش میں بنی عبدالدار میں ہے یہ عظیم الشان مشہور بزرگ صلاح وتقویٰ اور ولایت کاملہ میں معروف ہیں۔

(ص ۹/ ۱۶۷، کل ایک صفحہ ۱۹ سطر۔۔۔ص ۱۲/ ۱۶۷)

صاحب کشف وکرامات ہیں ان کی مشہور کرامتوں میں سے یہ ہے کہ یہ صاحب خطوہ تھے (یعنی ایک قدم میں صدہا میلوں کی مسافت قطع کر لیتے تھے) آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ وادی مور کی نواح میں قازہ مقام کی مسجد کا ارادہ کیا اور تقریباً ایک سو درویش آپ کے سلسلہ کے ہمراہ تھے۔ وہاں اُنہوں نے اور اُن کے رفقاء نے چالیس روز کا اعتکاف کیا روزے رکھے۔ شب بیداریاں کیں اور اوراد و وظائف ادا کئے پھر وہاں سے ساحل کی طرف چلے اور ساتھیوں میں سے صرف دو درویش شیخ علی شنینی اور ایک اور صاحب ہمراہ ہوئے۔ آپ نے دریا میں ایک گروہ دیکھا آپ نے درویشوں سے فرمایا وہاں جاؤ اور جو لوگ اس میں ہیں ان سے کہو کہ جو چیز تمہارے پاس ہے لاؤ یہ دونوں ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ان سے یہ پیام کہہ دیا تو انہوں نے کہا ہمارے پاس جو لوگ اس مسجد میں ہیں ان کے واسطے کچھ نذر ہے اور ان کو پانچ سو اَشرفیاں دیں۔ یہ دونوں وہ اَشرفیاں لے کر شیخ کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر شیخ زبید تشریف لے گئے اور ان اشرفیوں سے دراہم بنا کر سب کے سب اپنے رفقاء اور دوسرے فقراء پر تقسیم کر دیئے۔ پھر قرشیہ تشریف لے گئے اور وہاں شیخ علی الشنینی کو خلیفہ بنا کر وہاں کے قیام کا حکم دیا۔ اس لئے شیخ علی نے تا وفات وہاں قیام کیا اور اب تک ان کی اولاد وہیں رہتی ہے۔

غرض اس واقعہ میں ان بزرگ کی کئی کرامتیں ہیں ایک تو وہاں اس گروہ کے ہونے کا کشف دوسرے یہ کہ اس کے پاس کچھ نذر کیا ہوا مال ہے۔ تیسرے شیخ شنینی کو قرشیہ میں قیام کا حکم اور یہ بھی اس لئے تا کہ ان کو اور ان کی اولاد کو وہاں عزت حاصل ہوگی وغیرہ وغیرہ اور آپ کے بیٹے عمر المقرض بھی ہوئے ہیں اور ان کی اولاد بہت نیک ہے۔ ان کی وفات وادی مور کے علاقہ میں ایک آبادی میں ہوئی ہے جو ناشریہ سے قریب ہے اور وہاں آپ کی قبر مشہور ہے۔ جس کی زیارت کی جاتی ہے اور اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے اور بعض ثقہ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب بھی انہوں نے ان کی قبر کی زیارت کی ہے تو اس پر ایک نور تین مشعلوں کی طرح دیکھا ہے۔ اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ یحیٰ ہمدانی

قروضہ کے رہنے والے ہیں جو سحول کی نواح کا ایک گاؤں ہے۔ فقیہ، عالم، عارف تھے۔ عبادات و مجاہدات ان پر غالب تھی۔ ان کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے اس گاؤں میں ایک خانقاہ بنوائی جب معماروں نے پیٹرین باندھیں تو ایک پیٹر اس کی اُونچائی تک نہ پہنچی۔ یہ لوگ چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ شیخ نے فرمایا کیوں چھوڑ بیٹھے۔ عرض کیا وہاں تک نہیں پہنچتی۔ فرمایا پھر باندھو ان شاء اللہ پہنچ جائے گی۔ پھر باندھی تو پہنچ گئی۔ اور شیخ اور آپ کی جماعت اسی خانقاہ میں اعتکافات اور ذکر و تلاوت کیا کرتے تھے۔

کسی شخص نے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خواب

میں دیکھا تو پوچھا اے امیر المؤمنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کیسے تھے؟ فرمایا جیسے یہ قروضہ والے اور اُن کے ساتھی ہیں۔

جندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مَیں نے یہ ایک نیک اور ثقہ شخص سے سُنا ہے اور آپ کی کرامتیں ایسی ایسی بہت ہیں۔ جندی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی وفات کی کوئی تاریخ نہیں بیان کی اور اُن کی قبر اسی خانقاہ میں ہے۔ اس کی زیارت کے قصد سے لوگ آتے رہتے ہیں۔ (ص ۳۲/۱۶۷، کل ۲۲ سطر۔۔۔ص ۳۴/۱۶۷)

ابوعبداللہ محمد بن عثمان نزیلی

فقیہ عالم علم وتقویٰ میں مشہور ایک پہاڑ معروف بہ نظار میں بودوباش رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کوئی بڑا حاکم زبردست لشکر لے کر آپ کے شہر کو لوٹنے کے لئے پہنچا اور یہ شخص زیدی فرقہ کا تھا لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل ہونے پر مجبور کرتا تھا۔ تمام شہر میں فساد برپا کر رکھا تھا بہت سے مواضع کو لوٹ لیا تھا۔ جب شیخ کے موضع کے قریب پہنچا تو شیخ نے لوگوں پر رحم کرنے اور ان کو رعایا بنا لینے کو کہا مگر اُس نے شیخ کے خط کی طرف التفات بھی نہ کیا اور قاصد سے کہہ دیا مَیں نہ اُن کی سفارش مانتا ہوں نہ اُن کی میرے دل میں کوئی وقعت ہے شیخ کو بہت شاق گزرا اور آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ کہا اور آپ کے وسیلہ سے نجات چاہی۔

پھر جب وہ شخص شیخ کی خدمت سے آ گیا تو سب اہلِ موضع نکلے اور اس سے جنگ کی تو شیخ اور اُن کے ساتھیوں نے اس کو شکست فاش دے دی حالانکہ اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور یہ اہل موضع چند نفر تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ان کے کئی قصیدے ہیں۔ ایک نیک آدمی نے خواب میں دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان بزرگ کے مُنہ کو بوسہ دے رہے ہیں اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ اور اسی کرامت کی وجہ سے مَیں نے یہاں اُن کا ذکر کیا ہے۔

اور یہ حضرت خود فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی ہے کہ مجھ

میں سے کھانے، عورت اور نیند کی خواہش زائل فرمادیں۔ آپ کے متوسلین نے تحقیق کی تو یہ پایا کہ یہ خواہشیں آپ میں سے زائل ہوچکی ہیں۔

ابوعبداللہ محمد بن سعید بن معن القرضی

فقیہ عالم صالح بزرگ صاحب خیر و برکت تھے۔ علم حدیث کا آپ پر غلبہ تھا اور آپ اسی سے مشہور تھے۔ علم حدیث میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے زیادہ مشہور کتاب المستصفی ہے جس کو آپ نے کتب سنن سے جمع کیا تھا اور اس میں بہت محنت کی تھی۔ یہ کتاب بہت بابرکت اور یمنی علماء میں بہت رائج ہے۔ روایت ہے کہ ان فقیہ محمد سعید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے واسطے استقامت کی دُعا فرمائی۔

شریف ابوالحدید کہا کرتے تھے کہ شیخ بیع صاحب مکہ مکرمہ کی رباط والے سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ انہوں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا جس نے کتاب المستصفی محمد بن سعید پوری پڑھ لی وہ جنت میں داخل ہوگا اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن عمر بن محمد بن عبدالرحمٰن، عباد حضری

بڑے شیخ عارف کامل کثیر العبادۃ شدید المجاہدہ تھے صاحب کرامات و اخبار شائعہ تھے روایت کیا جاتا ہے کہ آپ ہر روز پینتیس (۳۵) ہزار تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے سجدہ میں یہ دُعا کی:

"رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ"

"الٰہی مجھ کو اکیلا نہ چھوڑیئے اور آپ سب سے اچھے وارث ہیں"۔

اس پر آپ نے ایک غیبی آواز سُنی:

"لا اذرک فردًا و انا خیر الوارثین"

"میں تم کو اکیلا نہ چھوڑوں گا اور مَیں سب وارثوں سے بڑھ کر وارث ہوں"۔

اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابو عبد محمد بن عبد اللہ المنسکی

بڑے بزرگوں اور عظیم الشان زاہدوں میں تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت بہت زیادہ کیا کرتے تھے۔ ایک دن رات میں دس قرآن ختم کر لیتے تھے جیسے کہ فقیہ حسین الاہدل نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے اور ولایت کاملہ کے ساتھ ساتھ آپ فقیہ، عالم اور قاری بھی تھے۔ آپ کی بہت سی کھلی کھلی کرامتیں ہیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ شیخ عمر بن عثمان حکمی حج بیت اللہ کے لئے جاتے ہوئے آپ کے یہاں کو گزرے تو آپ نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ مَیں اور تم قوم معاسجہ میں نکاح کر لیں شاید ان کو اللہ تعالیٰ کے راستہ کی ہدایت نصیب ہو جائے۔ شیخ حکمی صاحب نے کہا جب مَیں حج سے واپس آؤں ۔ پھر جب شیخ حکمی صاحب حج سے واپس آئے اور شیخ محمد کے موضع کے قریب پہنچے تو اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ شیخ محمد ہم سے ایک ایسی بات چاہتے ہیں جس میں ہمیں مشغولی ہو جائے گی اور اِرادہ کر لیا کہ ان کے پاس ہو کر نہ جائیں۔

اس لئے رات میں سفر کیا کہ ان کو علم نہ مگر راستہ بھول گئے اور رات بھر صبح تک ایک ہی مقام میں چکر کھاتے رہے اس سے نکل نہ سکے تو شیخ عمر حکمی سمجھ گئے کہ یہ شیخ محمد کا تصرف ہے اپنے ساتھیوں سے فرمایا، آؤ سب مل کر توبہ کریں۔ اور پھر سب شیخ محمد صاحب کے یہاں حاضر ہوئے اور دونوں بزرگوں نے قبیلہ معاسجہ میں نکاح کر لئے اور ان کو برزہ نامی موضع میں لے گئے۔ شیخ حکمی صاحب کی اولاد کے وہاں سکونت رکھنے کا یہی سبب ہوا اور یہ شیخ محمد صاحب نفعنا اللہ تعالٰی بہ کے کشف کی بدولت ہوا۔

امام شرجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ میں شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دو کرامتیں ہوئیں ایک تو شیخ عمر پر تصرف اور ان کو سفر سے روک دینا اور دوسرا یہ کشف کہ قبیلہ معاسجہ کی اصلاح و ہدایت اس طرح ہوگی اور یہ قبیلہ معاسجہ عرب لوگوں کی ایک جماعت تھی جن پر جہالت اور بداوت غالب تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں کے ذریعہ ان کو ہدایت دی۔

ابوعبداللہ محمد بن مبارک برکانی

بڑے بزرگ مشائخ اور صاحب منصب لوگوں میں تھے۔آپ فقیہ کبیر احمد بن موسیٰ خیل کی طرف یمن سے مکہ مکرمہ تک قافلہ کو لے کر جایا کرتے تھے اور عرب وغیرہ میں کوئی شخص قافلہ سے برائی کے ساتھ پیش نہیں آ سکتا تھا اور جو برائی سے پیش آتا تھا بہت جلد اس پر کوئی نہ کوئی آفت آ جاتی تھی اور اس باب میں آپ کی بہت کرامتیں ہیں ایک کرامت نقل کی جاتی ہے۔

ایک دفعہ متوسلین کی ایک جماعت اور بہت سے لوگوں کے گروہ کے ساتھ حدود یمن میں آپ ایک شہر سے دوسرے شہر کو سفر فرما رہے تھے اتفاقاً ڈاکوؤں کی ایک ٹولی آپڑی اور سب لوگوں کو جن میں آپ کے متوسلین بھی تھے لوٹ لیا۔ سب لوگوں نے آپ کی طرف رجوع کیا اور ماجرا عرض کیا۔ فرمایا شاید ان لوگوں نے تم کو پہچانا نہیں۔ عرض کیا جی نہیں ہم کو پہچان بھی لیا تھا اور مذاق اُڑانے کے طریقہ پر یہ بھی کہا تھا کہ تم لوگ درویش ہو ہم تمہارا تبرک لیتے ہیں۔ فرمایا میں مبارک کا بیٹا ہوں بہت لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہم کو لوٹتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ ہم ہی ان کو لُوٹ لیتے ہیں۔ پھر آپ کچھ دیر گردن جھکا کر بیٹھے رہے تو وہ سب ڈاکو جنہوں نے ان کو لُوٹا تھا حاضر ہو گئے اور جو کچھ لے گئے تھے سب لُوٹا دیا اور شیخ سے معذرت کی۔ آپ کی وفات موضع حفر میں ہوئی ہے وہیں آپ کی قبر ہے جس کی زیارت کے لئے لوگ آتے رہتے ہیں۔

(ص ۴/ ۱۶۹، کل ایک صفحہ ۵ سطر۔۔۔ص ۴/ ۱۶۹)

اور اس موضع والوں کو آپ سے بہت حُسنِ عقیدت ہے اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن عبداللہ الطّواسی الیمنی

بڑے اولیاء میں سے تھے۔ آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ خود فرماتے تھے کہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایک معمول ہے اور علامت ہے جس سے میں اپنی حالت معلوم

کر لیتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب مَیں کسی حاجت پر متوجہ ہوتا ہوں اگر اس میں خیر و اصلاح ہوتی ہے تو مَیں ایک سبز رنگ کے چھوٹے سے پرندے کو اپنے اُوپر اور چاروں طرف دیکھتا ہوں اور جب تک وہ ضرورت پوری نہیں ہو لیتی وہ ایسے ہی رہتا ہے اور جب وہ حاجت خیر و صلاح والی نہیں ہوتی تو مَیں اس پرندے کو نہیں دیکھتا اس لئے چھوڑ دیتا ہوں۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ نے مجھے وہ پرندہ بھی دکھلا دیا جبکہ وہ ایک نیک ضرورت میں کوشش فرما رہے تھے۔ اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابو عبداللہ محمد بن عمر النہاری الیمنی

سید حسینی ہیں اپنے زمانہ میں علم و عمل میں یکتا تھے۔ عجیب و غریب کشف و کرامات والے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کوئی اجنبی شخص حاضر ہوتا تو آپ اس کے اور اس کے باپ اور شہر وغیرہ کے نام سے پکارتے تھے اور آپ کی یہ کرامت بہت مشہور ہے حتیٰ کہ حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ اسی قبیل سے یہ ہے کہ بشر بن عمران مجی و مقری نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بشارت دی کہ یہ مع سات مقتدر لوگوں کے ان مقری صاحب نے قرآن شریف سبعہ قرأت سے حاصل کیا تھا اور بڑی محنت کی تھی اور بہت نیک تھے۔ اتفاقاً ایک بار شیخ محمد نہاری کی زیارت کے لئے جب شیخ نے اُن کو دیکھا تو فرمایا مرحبا اے وہ شخص جو سات مقتدر لوگوں کے ساتھ جنت میں جائے گا حالانکہ مقری صاحب نے کسی کو بھی اپنے خواب کی خبر نہ کی تھی۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایک جماعت نے آپ کی زیارت کا قصد کیا۔ جب آپ کے موضع کے قریب پہنچے تو ایک شخص نے وہاں ایک پتھر کے نیچے اپنے کپڑے رکھ دیئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جب مَیں شیخ کے سامنے پہنچوں گا تو عرض کروں گا کہ میرے پاس کپڑا نہیں۔ اُمید ہے کہ آپ مجھے کپڑا دے دیں گے۔ جب یہ لوگ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس شخص نے شیخ سے درخواست کی شیخ نے فرمایا میاں کیوں جھوٹ بولتے ہو تمہارے کپڑے سابلہ مقام میں پتھر کے نیچے ان

علامتوں سے ہیں جو مَیں بتاتا ہوں۔ پھر ایک درویش سے فرمایا تم سابلہ جاؤ اور راستہ سے ذرا داہنی جانب چلو تو وہاں ایک پتھر ہوگا اُس کے نیچے سے اس شخص کے کپڑے لے آوَ۔ درویش گیا اور جس پتہ پر شیخ نے بتایا تھا اُس پتہ سے وہ کپڑے لے آیا۔

اس قبیل کے ان کے مکاشفات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا ذکر تطویل سے خالی نہیں۔ آپ کی مشہور کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ شیخ سہیل بزنی نے الملک المجاہد بادشاہ سے وادی سہام کے خراج کا کچھ مقررہ مقدار پر ٹھیکہ لے لیا تھا۔ اس میں اُن پر چالیس ہزار کے بقدر ٹھیکہ لوٹانا رہ گیا۔ وہ بادشاہ کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی پناہ چاہی اور یہ شیخ کے پرانے ملنے والوں میں سے تھے۔ بادشاہ نے شیخ کو ایک خط لکھا کہ اے نہاری ہمارے ملازموں کو چھوڑ دو ان کے واسطے ہمارے ہی در پر شفقت ورحمت ہے۔ شیخ نے جواب لکھا اگر تم ہمارا پیالہ چھوڑ دو گے ہم تمہارا طشت چھوڑ دیں گے۔ اور جو دوسروں کا جو لوٹا دے گا لوگ اُس کو گیہوں لوٹا دیں گے اور ذلیل وہ ہے جس پر مقابل غالب آجائے۔ ہمیں چوگان ہمیں گوی جو سچ مانے تجربہ کر لے۔ بادشاہ نے درباریوں سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے؟ عرض کیا کہ حضور ہی جانیں۔ اس کو شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن ظفر شمیری

بڑے شیخ عارف مربی صاحب کرامات وعلامات تھے، شروع زمانہ میں بہت ریاضت کرتے اور خلوت میں رہا کرتے تھے۔ آپ کی ایک عجیب کرامت یہ نقل کی جاتی ہے کہ آپ کی بیوی بہت نیک تھیں اور آپ نے اُن کے علاوہ اور کوئی نکاح نہیں کیا تھا۔ دونوں میں آپس میں بہت محبت تھی دونوں نے ساتھ حج کیا اور مکہ مکرمہ میں سات سال تک ساتھ رہے اور آپس میں یہ عہد کیا کہ دونوں میں سے جو پہلے مرجائے گا دوسرا اس کے بعد اور نکاح نہ کرے گا۔ شیخ کی وفات پہلے ہوگئی تو آپ کے انتقال کے بعد معزز لوگوں میں سے متعدد نے پیغامات بھیجے مگر اُنہوں نے وفاءِ عہد کیلئے نکاح

کرنا پسند نہ کیا۔ اتفاق سے شیخ مبارز ین خانم نے جو شیخ کے مرید تھے ان کے گھر والوں کو پیام دیا۔ ان لوگوں نے اس وجہ سے کہ شیخ کے بعد بھی بزرگ مشہور تھے قبول کرلیا۔

شیخ کی بیوی اس وقت شیخ کی قبر پر ہی رہا کرتی تھیں۔ یہ لوگ اور شیخ مبارزین قبر پر آئے اور مجاوروں سے کہا دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرلو یا تو ہم تمہارا نکاح کردیں اور تم یہیں رہو اور یا تم کو اپنے شہر لے چلیں اور ان کے گھر کے لوگ بڑے گھرانہ کے اور صاحب قوت لوگ تھے آل سعید نام سے معروف تھے مگر انہوں نے شیخ کے مزار پر رہ سکنے کی طمع میں نکاح کرنا اختیار کرلیا تو ان لوگوں نے وہیں ان کا نکاح کردیا۔ جب زفاف کا دن آیا اور یہ اس کی تیاری کرنے لگیں تو یہ تیاری میں مصروف تھیں کہ دفعتہً ان کو نیند کا جھونکا آیا۔ آنکھ کھلی تو بہت پریشان اور روتی تھیں اور ان کے پاس شیخ مرحوم کا ایک کپڑا تھا جس کو وہ پہنا کرتے تھے اور دفن کے وقت اُن کی وصیت کے موافق وہ اُن کے ہمراہ دفن کیا گیا تھا۔ یہ روتی جاتی تھیں اور اس کپڑے کو بوسے دیتی جاتی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ اوّل اللہ تعالیٰ سے معذرت کرتی ہوں اور پھر اے ابن ظفر تم سے کہ مجھ پر زبردستی کی جارہی ہے۔ جب اُن کی گریہ وزاری بہت بڑھ گئی تو اُن کے گھر والوں نے اس کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا کیا تم پہچانتے نہیں کہ یہ کپڑا احمد بن ظفر کا ہے جو اُن کے ساتھ دفن کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں ہاں ہم پہچانتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان میں اور مجھ میں معاہدہ تھا کہ ہم میں سے جو پہلے مرجائے گا دوسرا اس کے بعد نکاح نہیں کرے گا۔ جب تم لوگوں نے مجھے مجبور کیا تو مجھے شرم آئی کہ مَیں تم سے یہ واقعہ ذکر کروں۔ اس وقت جو ذرا میری آنکھ لگ گئی تھی مَیں نے ان کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں اے فلاں کیا معاہدے والے کے ساتھ ایسا ہی کیا جاتا ہے؟ مَیں نے اُن سے معذرت کی کہ تم لوگوں نے مجھے مجبور کیا۔ اس پر فرمایا کہ اچھا تمہارا قصور نہیں ہے۔ بس تم اس کے متعلق ماں سے کہہ دینا۔ اُنہوں نے اپنا یہ کپڑا بطور علامت کے لئے تمہارے لئے بھیجا ہے تا کہ تم مجھ کو اس پر مجبور نہ کرو۔ اُن لوگوں نے وہ کپڑا شیخ مبارزین غانم کو دکھایا اور سب حال سنایا۔

شیخ مبارز نے اُسے دیکھا تو اُن پر ایک حال طاری ہوا اور ان کو طلاق دے دی اور فوراً وہاں سے اپنی رباط کو چلے گئے اور پھر اس کے بعد اُن کی زندگی کچھ دن بھی نہ ہو سکی۔ اس کو امام شرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

اس میں شیخ محمد کی کئی کرامتیں ہیں۔ ایک تو سب سے بڑی یہ کہ باوجود ساتھ دفن کئے جانے کے کپڑا نکال کر دے دیا۔ دوسرے پہلے سے اپنے ساتھ دفن کرنے کی وصیت کرنا تاکہ بعد میں لوگوں کے لئے علامت بنا کر نکال دیں وغیرہ وغیرہ۔ ان فقیہ محمد کا مزار موضع مروع میں ہے جو مدینۃ الجند کی شرقی جانب ایک مرحلہ کے قریب ہے اور جندی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ میں زیارت کے اِرادہ سے ان کی قبر پر پہنچا کئی روز قیام بھی کیا ہے اور اُن کے برابر میں اُن کی بیوی کی بھی قبر ہے اور ان ہی بزرگ کی برکت سے ان کا یہ موضع دشمنوں سے محفوظ ہے کہ جب کوئی شخص اُس کے لئے برائی کا قصد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو رُسوا کر دیتے ہیں۔ (ص ۱۲/۱۷۰، کل ایک صفحہ ۹ سطر۔۔۔ص ۱۴/۱۷۰)

اور آپ کی قبر مبارک کی مٹی سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔

محمد ابوالمواہب شاذلی

بڑے عارفین اور ائمہ علمائے عاملین میں سے ہیں۔ آپ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بہت ہی کثرت سے کیا کرتے تھے گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہی نہ ہوتے اور گویا ایسے تھے کہ بیداری میں دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے یہ خواب ایک کتاب میں جمع کئے ہیں۔ میں نے اوّل سے آخر تک اس کا مطالعہ کیا تو میں نے اس کو ان بزرگ کی زبردست کرامت سمجھا ہے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے اور کسی معاملہ میں عرض معروض کرتے۔ پھر دوبارہ خواب میں زیارت کرتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی حدیث کو جو پہلے خواب میں فرمائی ہوتی تھی مکمل فرما دیتے تھے بلکہ بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ یہ بزرگ بیداری میں بھی

زیارتِ اقدس سے مشرف ہوتے تھے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے الحزب الفردانیہ بیداری میں پڑھی ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ یہ حضرت خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بکثرت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ لوگ میرے خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کو جھوٹ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کی عزت وعظمت کی قسم جو اُن کو قبول نہ کرے گا یا ان کے باب میں تم کو جھوٹا کہے گا وہ یہودی یا نصرانی یا مجوسی (آتش پرست) ہو کر مرے گا۔ یہ خود شیخ ابوالمواہب کے قلم سے منقول ہے۔

اس کے بعد امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے بہت سے خواب اور بڑے فوائد لکھے ہیں۔ ان کو طبقات میں دیکھ لینا اور اُن میں سے بہت کچھ کو میں نے بھی کتاب ''افضل الصلوٰۃ'' میں ذکر کر دیا ہے۔ (ص۲۴/۱۷۰ اکل ااسطر۔۔۔ص ۱۷۲/۶)

محمد الحضرمی مجذوب

چلّانے والے عجیب وغریب حالات وکرامات ومناقب والے تھے کبھی کبھی چلّاتے ہوئے عجیب عجیب علوم ومعارف پر کلام کر جاتے اور کبھی کبھی استغراق کی حالت میں زمین وآسمان کے اکابر کی شان پر ایسی گفتگو فرماتے کہ اُس کے سننے کی تاب نہ ہوتی تھی۔ آپ ابدال میں سے تھے۔ آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ تیس شہروں میں خطبہ اور نماز جمعہ بیک وقت پڑھا ہے اور کئی کئی شہروں میں ایک ہی شب میں شب باش ہوتے تھے۔ ایک بار ڈاکوؤں نے ان کے کپڑے چھین لینے کا ارادہ کیا تو آپ نے اُن کے ہاتھوں کو اُن کے پہلوؤں میں گاڑ دیا۔ ایک شخص نے آپ کی دعوت کی اور شہد پیش کیا۔ آپ نے تناول فرما کر یہ فرمایا شہد کو محفوظ رکھو کہ میں لوٹ آؤں اور کوئی پندرہ منٹ غائب رہ کر لوٹ آئے اور فرمایا ہم نے ادود میں منوبی رحمۃ اللہ علیہ پر نماز پڑھی اور اُن کو دفن کر دیا ہے۔ پھر باقی شہد

تناول فرمایا۔ آپ کی وفات ۷۰۹ھ میں ہوئی ہے اور بھلسا کے ٹیلے پر دفن کئے گئے ہیں آپ کا مزار وہیں ہے لوگوں کو معلوم ہے اور اس کی زیارت کی جاتی ہے۔

محمد بن داوٗد منزلاوی

آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ جب عشاء کے بعد آپ کے یہاں کوئی مہمان آتا اور آپ کے یہاں کوئی چیز اُس کے سامنے رکھنے کو نہ ہوتی تو آپ آگ پر ہانڈی چڑھاتے تھے اور اُس میں پانی ڈال کر آگ جلا دیتے تھے پھر کبھی تو اُس میں لوگ دُودھ، چاول دیکھتے۔ کبھی میٹھے چاول، کبھی گوشت اور شوربا اور کبھی کبھی مرغ کا گوشت، آپ کی وفات دسویں قرن کے شروع میں موضع تسنمیہ میں ہوئی ہے اور اپنی خانقاہ کے پاس دفن ہوئے۔ آپ کا مزار وہیں ہے لوگوں کو معلوم ہے اور اُس کی زیارت ہوتی ہے۔ اس کو غزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد الجلجولی ابوالعون الغزی

بڑے امام کبیر اور قطب مشہور ہیں۔ اصل میں غُزّہ کے رہنے والے تھے۔ پھر فلسطین کے علاقہ میں مقام جلجولیا میں سکونت پذیر ہو گئے۔ پھر اخیر عمر میں رملہ منتقل ہو گئے اور تا وفات وہیں قیام فرما رہے۔ شیخ امام علامہ ولی اللہ شیخ شہاب الدین رملی مشہور با بن ارسلان شافعی کتاب الزبد والے آپ سے ہی مستفید ہوئے ہیں۔

آپ کی کرامتوں میں ابن الحنبلی نے اپنی تاریخ الانس الجلیل میں اپنے شیخ علامہ شمس الدین ضمیروعی مصری کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ شیخ شمس الدین اور شیخ نور الدین دونوں شیخ محمد جلجولی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ نور الدین نے شیخ ابوالعون پر اپنا اہل علم ہونا ظاہر نہ کیا۔ شیخ ابوالعون نے ان سے ایسا کلام کیا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کوئی فضیلت عطاء فرمائیں اُس کیلئے نامناسب ہے کہ وہ اُسے چھپائے۔ پھر آپ نے اُن کے واسطے ایک فرش جو سامنے رکھا تھا بچھایا اور اس پر ان کو بٹھایا۔

شیخ شمس الدین کہتے ہیں کہ شیخ نور الدین نے آپ سے شیخ کمال بن ابی شریف

کے متعلق جو ابن ارسلان کی شاگردی کی وجہ سے اُن کے ہم استاد تھا سوال کیا۔ فرمایا میں نے ساق عرش پر لکھا دیکھا ہے کہ محمد بن ابی شریف اولیاء اللہ کے محبین میں سے ہیں۔

ابن الحنبلی کہتے ہیں کہ مجھ سے شیخ عفیف الدین غزی حلبی نے بیان کیا ہے کہ وہ شیخ ابوالعون کے مکان پر گئے تو وہاں کچھ بزرگ درویشوں کی ایک جماعت کو بھی دیکھا اور کچھ فسادی لوگوں کو بھی دیکھا جو بعض ضرورتوں میں شیخ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے حاضر تھے۔ ان کو شیخ کے اُن لوگوں کو گھر میں رہنے دینے پر ذرا گرانی ہوئی۔ اتنے میں شیخ آ گئے اور فرمانے لگے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے کسی نے عمدہ اور ردی ہونے کو کیا تھا تو اُنہوں نے فرمایا تھا کہ عمدہ ہمارے واسطے ہیں اور ہم ردی کے واسطے تو یہ اُن کا ایک کشف تھا۔

ابن الحنبلی ہی کہتے ہیں مجھے یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ دمشق کے ایک ولی نے شیخ ابوالعون کا حال اور شروع شروع کی کیفیت معلوم کرنا چاہی تو اُس نے ایک مرید کو بھیجا اور اُس کو یہ نہیں بتایا کہ کسی وجہ سے اس کو بھیجا جا رہا ہے۔ بس یہ فرمایا کہ سید ابوالعون کی زیارت کر آؤ اور کہہ دینا کہ آپ کے بھائی فلاں شخص نے سلام کہا ہے اور دیکھنا کہ سب سے پہلے کھانے کی کیا چیز تمہارے سامنے رکھتے ہیں۔ پھر جب لوٹ آؤ تو مجھے بتانا۔ مرید شیخ ابوالعون کے یہاں حاضر ہوئے تو شیخ نے سب سے پہلے جو کھانے کی چیز اُن کے آگے رکھی قلقاس ﴿قلقاس ایک بوٹی ہے اس کو پکا کر اُس نواح میں کھایا جاتا ہے جسم کو فربہ کرتی باہ کو بڑھاتی کھانسی اور سینہ کے امراض کو رفع کرتی ہے۔ ۱۲ منتہی الارب﴾ کی کھیر تھی۔ جب وہ زیارت سے فارغ ہو کر اپنے شیخ کے یہاں واپس جانے لگے تو شیخ ابوالعون نے فرمایا جب تمہارے سب سے پہلی کھانے کی چیز کو پوچھیں جو تم نے ہمارے یہاں کھائی ہے تو کہہ دینا قلقاس۔ تو یہ شیخ کا عجب کشف تھا اور شیخ ابوالعون کے عالم وجود میں کے تصرفات میں سے یہ ہے کہ جس کو شیخ موسیٰ کمادی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ حلب والوں کی ایک عورت عورتوں کے مجمع میں حمام سے نکلی

تو وزیر حلب کے گروہ کے ایک فوجی نے اُسے اُٹھالیا اور کسی رنڈی کے یہاں لے جانے لگا۔ لوگ اُس عورت کو اس سے نہ چھڑا سکے۔ اچانک ایک شخص قائم بن زبزل آ گیا، یہ بہت بہادر اور رُعب داب کا آدمی تھا۔ اُس نے اس فوجی کو مارا تا کہ اس سے عورت کو چھڑالے۔ اتفاق سے وہ مر گیا تو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر اگلے روز صبح کو شہر میں آیا اور حمام میں داخل ہوا۔ وزیر حلب کو اطلاع ملی تو ایک جماعت اس کے گرفتار کرنے کے واسطے بھیجی۔ وہ لوگ حمام پر آ پہنچے تو اُس نے حمام والے سے کہا کہ مجھ کو میرا پاجامہ اور خنجر دے دو اور نکل پڑا اور وہ لوگ الگ الگ ہو گئے اور یہ بھاگ گیا اور وہاں سے ایک باغ میں پہنچا اور شیخ ابوالعون رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلہ سے دُعا کی۔ اُس نے شیخ کو پہلے دیکھا تھا اور ان کا معتقد تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی برکت سے بچالیا۔

یہ ساحل کی راہ سے چلتا رہا حتیٰ کہ جلجولیا پہنچ گیا تو شیخ ابوالعون کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن کے دامن کی پناہ لی۔ شیخ نے دُعا دی اور کشف سے وہ تمام ماجرا بتا دیا اور فرمایا تم نے شاہی ملازم کو کیوں قتل کیا ہے؟ اس نے اس فوجی کے ساتھ جو معاملہ ہوا تھا اس کی معذرت پیش کی تو فرمایا اب تم کو اُمن دے دیا ہے۔ پھر آپ نے ایک خط وزیر دمشق قاصوہ یحیاوی کو اور ایک خط وزیر حلب کو لکھا اور اس سے فرمایا جاؤ لوگوں کو پانی پلایا کرو۔ اور یہ رُعب داب کی حرکتیں چھوڑ دو۔ عرض کیا۔ بہت اچھا۔

پھر جب شیخ نے وزیر حلب کو خط لکھ دیا تو اُس نے عرض کیا کہ حضرت مجھے ڈر ہے کہ وہ حضرت کی سفارش قبول نہ کرے اور مجھے قتل کر دے۔ اُس وقت مجلس میں شیخ نعمت صفدی بھی تھے انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور فرمایا اگر اُس نے تجھے کچھ کہا تو مَیں اپنے ہاتھ سے اُن کی آنکھ نکال لوں گا۔ شیخ ابوالعون نے شیخ نعمت کے ہاتھ کو اس سے پہلے کہ وہ اسے پورا اُٹھائیں پکڑ لیا اور فرمایا اگر مَیں پورا ہاتھ اُٹھانے دیتا تو یہ اُس کی آنکھ نکال دیتے۔

پھر قاسم، شیخ ابوالعون کا خط لے کر دمشق وزیر یحیاوی صاحب کے پاس پہنچا۔ انہوں نے اس کی خاطر کی اور شیخ کے اعزاز کی وجہ سے اس کو ایک سو درہم عطاء کئے اور

وزیرِ حلب کو ایک خط لکھ دیا کہ شیخ کی وجہ سے وہ بھی خاطر کرے اور معاف کردے تو وزیرِ حلب نے بھی اس کی خاطر کی اور معاف کردیا اور قاسم پانی پلانے کے کام میں لگ گیا اور خاص کر درویش پیاسوں کا اہتمام کرتا تھا حتیٰ کہ صاحب ذکر خیر ہو گیا۔

شیخ موسیٰ کنادی کہتے ہیں کہ شیخ ابوالعون کی وفات ۹۱۰ھ میں ہوئی ہے۔ اور شہر رملہ کے اندرونی جانب دفن ہوئے ہیں اور وہاں آپ کی قبر پر عمارت بنی ہوئی ہے اُس کی زیارت اور اُس سے برکت حاصل کی جاتی ہے اور یہ شیخ ابوالعون ان بزرگوں میں سے تھے جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے بے انتہا کرامتیں ظاہر فرمائی ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شمار کرنے والا ہر روز کی مجلس میں کرامتیں شمار کرتا تو پچاس سے زیادہ شمار کر لیتا اور آپ کا شہر صحیح صحیح اور بہت زیادہ کشف اور درویشوں کی تربیت اور خلقِ خدا کے فائدے سے ہوا ہے اور آپ مصر و شام کے بادشاہوں میں تصرف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ کوئی بادشاہ آپ کی سفارش ردّ نہ کرسکتا تھا۔ اس کو غزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد مغربی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ و امام اور اکابر عارفین میں سے ہیں۔ آپ مصر میں کے تُرکوں کی اولاد میں سے ہیں اور مغربی اس وجہ سے مشہور ہوئے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے ایک مغربی شخص سے نکاح کرلیا تھا۔ آپ نے طریقت حضرت ابوالعباس سری رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ حضرت شمس الدین حنفی مصری سے حاصل کی ہے۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات الوسطے میں بیان کیا ہے کہ مَیں اُن سے ایک دفعہ ملا ہوں، لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ صاحب قطبیت میں تین سال رہے ہیں اور عالم غیب سے بہت زیادہ خرچ کیا کرتے تھے۔ ایسا بہت ہوتا تھا کہ کوئی مقروض حاضر ہوتا اور درخواست کرتا کہ حضرت قرض کی ادائیگی میں میری اعانت فرمایئے تو آپ فرماتے اس بوریے کا کنارہ اُٹھاؤ اور جو کچھ اُس کے نیچے ہے لے لو، تو اکثر بوریئے کے نیچے اپنے قرض سے زیادہ پاتا۔ آپ فرماتے قرض ادا کردو اور باقی کو اپنے خرچ میں لاؤ۔ اور مصر کے تمام علماء

علوم عقلیہ اور وہبیہ میں آپ کے معتقد تھے اور آپ سے اُن علوم کا استفادہ کرتے تھے جو کبھی اُن کے سُننے میں بھی نہیں آئے۔ علامہ حمصی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ آپ قاہرہ کے پُل سفقر پر قیام رکھتے ہیں اور آپ کے کشف وکرامات بالکل کھلی کھلی تھیں۔ آپ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی ہے۔ اور باب القارفہ کے قریب مدفون ہیں، آپ کی قبر معروف ہے اس کی زیارت کی جاتی ہے۔

محمد بن زرعہ مصری

شیخ بزرگ صاحبِ احوال ومکاشفات ہیں اپنے گھر کی جالیوں میں قدیدار پُل کے قریب نشست رکھتے تھے اور جو کچھ انسان کے دل میں ہوتا تھا اُس کو بیان فرما دیتے تھے تین روز بولا کرتے تھے اور تین روز خاموش رہتے تھے۔ ۹۱۴ھ میں وفات ہوئی اور اپنے گھر کے اُسی جالیوں والے حجرہ میں جس میں بیٹھا کرتے تھے مدفون ہوئے۔ اس کو غزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن عبدالرحمٰن الاسقع باعلوی

علم اور ولایت میں اپنے زمانہ کے امام تھے۔ آپ کے شاگرد محمد بن علی خورد نے کتاب العزر میں نقل کیا ہے کہ آپ کے خدام میں سے ایک شخص کے گھر سے اُس کا کل مال اپنا بھی جو دوسروں کی امانت تھا وہ بھی سب چوری ہوگیا۔ وہ خادم اس واقعہ سے بہت زیادہ دلگیر ہوا اور اپنے شیخ سے آکر عرض کیا۔ فرمایا حیلہ نامی گھاٹی میں جاؤ تم وہاں بریمات کے نیچے تمام چوری کا مال پا جاؤ گے اور بریمات چند پتھر تھے جو اس گھاٹی میں مشہور تھے۔ یہ خادم وہاں گیا اور تمام مال پالیا۔ (ص ۱/۱۷۴، کل صفحہ ۱۳ سطر۔۔۔ص ۱/۱۷۴)

آپ کی وفات ۹۱۸ھ میں ہوئی اور مقبرہ زنبل میں مدفون ہوئے ہیں قبر مبارک معروف ہے اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ آپ کی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کیا حال ہے؟ فرمایا **فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر** (ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس)۔

محمد صدر الدین البکری

امام بزرگ عالم عامل متقی زاہد ہیں۔ حضرت ابراہیم متبولی سے طریق حاصل کیا ہے۔ بہت خاموش بزرگ تھے سوائے جواب کے خود کوئی بات نہ کرتے تھے۔ غلبہ خشوع کی وجہ سے دن رات میں کبھی آسمان کی طرف نظر نہ اُٹھاتے تھے۔ اُن کی والدہ کا بیان ہے کہ جب یہ اُن کے پیٹ میں تھے۔ انہوں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک کتاب عنایت فرمائی۔ کہتی ہیں میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ نیک لڑکا ہوگا۔

آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ جب حج کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو لوگوں نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے سلام کا جواب عطاء فرمایا۔ آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ۹۱۸ھ میں ہوئی اس کو غزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جواب سلام کی کرامت اور وفات کو ذکر فرمایا ہے۔

محمد ابو فاطمہ عجلونی

دمشق کے رہنے والے بزرگ شیخ و مجذوب ہیں۔ غزہی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے شیخ موسیٰ کنادی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم کا لکھا ہوا پڑھا ہے کہ سید نجدہ حسینی حسنی اور اُن کے بیٹے دونوں موضع حرجلہ میں تھے۔ وہاں سے دمشق کو لوٹ رہے تھے۔ جب غوطہ کے نشیب میں پہنچے تو ان شیخ محمد موصوف کو دیکھا۔ اور سید نجدہ ان کو پہچانتے تھے کہتے ہیں میں نے اُن کے پیچھے گھوڑا دوڑایا اور پاس آ پہنچا۔ سلام کیا اور پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ فرمایا بغداد سے۔ میں نے پوچھا کیا آپ کو شیخ خلیل عجلونی مجذوب کے متعلق کچھ معلوم ہے؟ فرمایا ہاں ان کو بغداد میں

﴿جیسے مراتب ولایت میں قطب اور ابدال درجے ہیں ایک مرتبہ رند ہونے کا ہے جو ہر ذات میں صرف چار شخص ہوتے ہیں۔ (اصل کتاب ص ۳۲)﴾ رند بنا دیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ سید

نجدہ کہتے ہیں کہ مَیں اپنے لڑکے کی طرف متوجہ ہوا جو میرے پیچھے تھا تو شیخ محمد موصوف غائب ہو گئے اور نہ معلوم کیسے چلے گئے آپ کی وفات ۹۲۰ھ کے بعد ہوئی ہے اس کو غزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد شمس الدین ویروطی

شیخ امام عالم فقیہ واعظ ولی تھے۔ان پر مختلف حالات آتے رہتے تھے۔نظروں سے غائب بھی ہو جاتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک جماعت میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور اُن کی نظروں سے مخفی ہو گئے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگ بغیر ان کے بیٹھے تھے اور پھر یہ درمیان میں پائے گئے۔ایک مرتبہ آپ نے ایک کشتی کی طرف جس میں چور تھے اشارہ کیا تو وہ رُک گئی۔ پھر اشارہ کیا تو چلنے لگی اور سب چوروں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کر لی۔

آپ نے اپنی اہلیہ سے کہہ دیا تھا کہ ان کا لڑکا حمزہ توپ سے شہید کیا جائے گا اور اس کا سر ہوا میں اُڑے گا۔ پھر ایسا ہی ہوا۔آپ بیمار ہوئے تو اپنی والدہ ماجدہ سے عرض کر دیا کہ اس مرض میں مر جائیں گے۔انہوں نے پوچھا بیٹا تم کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ عرض کیا کہ مجھ کو خضر علیہ السلام نے بتا دیا ہے۔ پھر ۹۲۱ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا اور دمیاط میں اپنی خانقاہ میں دفن ہوئے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے آپ کے صاحبزادہ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ان کو ان کی والدہ نے بتایا ہے کہ اُنہوں نے شیخ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ منکر ونکیر کے ساتھ کیسا معاملہ رہا۔فرمایا اُنہوں نے بہت نفیس گفتگو کی اور مَیں نے بھی عمدہ جوابات دیئے اس کو غزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن عنان

یہ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں مقامات عالیہ اور زبردست معرفت

والے اکابر اولیاء میں ہیں۔آپ کی بہت بڑی بڑی کرامتیں ہیں۔ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے تقریباً پانچ سو آدمیوں کو چھ پیالہ آٹے سے شکم سیر کر دیا تھا۔

واقعہ یوں ہے کہ ان کے آس پاس کے شہروں کے درویش لوگ اس تعداد میں جمع ہو کر بے خبری میں ان کے شہر آ گئے تھے۔کیونکہ شروع شروع داڑھی نکلنے کے وقت انہوں نے وہاں کے رواج کے موافق کچھ کھانا پکوایا تھا تو اپنی والدہ صاحبہ سے کہا کہ میری یہ لنگی لیجئے اور اس کونڈے پر ڈھک دیجئے۔اور روٹی پکانا شروع کر دیجئے۔ انہوں نے روٹی پکانا شروع کر دی یہاں تک کہ وہ کوٹھڑی اور اُس کا حجرہ اور آدھا گھر روٹیوں سے بھر گیا۔تب آپ نے اُن سے کہا کہ اب کونڈا کھول دیجئے۔کھولا تو اس میں آٹا نہ رہا تھا۔پھر فرمایا خدا کی قسم اگر میں چاہتا تو حق تعالیٰ کی مدد سے اس آٹے سے سارے شہر کو روٹیوں سے بھر دیتا۔اور ایک شخص اپاہج سکندریہ کی جامع مسجد میں رہتا تھا جو شخص اس کو تنگ کرتا وہ کہہ دیتا کہ اے جوؤں جاؤ فلاں شخص کے پاس چلی جاؤ اور اس کے تمام کپڑے جوؤں سے بھر جاتے تھے اور وہ ہلاکت کو پہنچ جاتا تھا۔

یہ قصہ ان حضرت محمد صاحب کو پہنچا تو فرمایا مجھے اس کے پاس لے چلو لوگ لے گئے آپ نے اس سے فرمایا تُو نے اللہ کے راستہ میں سے سوائے جوؤں کے اور کچھ نہیں سیکھا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر ہوا میں پھینک دیا اور وہ نظروں سے غائب ہو گیا اور کسی کو معلوم نہیں ہوا کہ شیخ نے اُس کو کہاں پھینکا ہے۔

شیخ ملتندی نے جو آپ کے فقراء میں فقیہ تھے۔بیان کیا ہے کہ حضرت سید محمد صاحب نے ایک دن ایک قاصد کو محلّہ میں حضرت ابوالعباس کے پاس عشاء کے بعد بھیجا۔اور فرمایا صبح کی اذان سے پہلے پہلے تم میرے پاس آ جانا۔یہ گیا اور لوٹ آیا فرمایا تم کس راستہ گئے تھے۔اُس نے عرض کیا میرے دل میں تو دریا کا خیال بھی نہیں آیا اور نہ مجھے اس کا علم ہوا۔پھر شیخ نے آہستہ سے حاضرین سے فرمایا کہ اس کی ہمت و عزم کی وجہ سے دریا طے کر دیا گیا تھا اس لئے اس کو راستہ میں ملا ہی نہیں۔

اور مجھ کو شیخ عالم عامل محدث شیخ امین الدین امام عمری نے بتایا ہے کہ میں ایک سفر میں سید ابوالعباس عمری اور سید محمد بن عنان کے ساتھ تھا گرمی سخت ہو رہی تھی یہ دونوں راستہ سے ایک طرف ہوئے اور دو پتھروں پر بیٹھ گئے اور گرمی کی وجہ سے ان پر ایک چادر بچھائی۔ سید ابوالعباس کو پیاس بہت معلوم ہوئی مگر پانی کہیں نہ تھا تو سید محمد بن عنان نے ایک طشت لے کر زمین سے پانی کا بھر دیا اور سید ابوالعباس کو دے دیا مگر سید ابوالعباس نے نہیں پیا اور یہ کہا اے شیخ محمد ظہور ظہور کو قطع کر دیتا ہے (یعنی کسی کرامت کا ظاہر ہو جانا آئندہ کرامات کے ظہور کے سلسلہ کو منقطع کر دیتا ہے۔ انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم اگر اس کے ظاہر ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس کو ایک چشمہ بنا کر چھوڑتا کہ قیامت تک اس سے انسان اور جانور سیراب ہوتے رہتے۔ اور یہ واقعہ شرقی بلاد میں ضغیط کے علاقہ میں ہوا ہے۔ یہ شیخ امین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا بلفظہٖ بیان ہے اور وہ سچے لوگوں میں ہیں (جواب کا حاصل یہ ہے کہ خواص میں کرامت کا ظہور آئندہ ظہور کو منقطع نہیں کرتا عوام میں ظہور قطع کرتا ہے)

مجھ سے شیخ بدرالدین مشتوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہتے تھے کہ میں نے حضرت عبدالقادر شطوطی سے سُنا ہے وہ فرماتے تھے کہ شیخ محمد بن عنان آسمان کے درجہ درجہ سے واقف ہے اور شیخ محمد بن عنان کے داماد شیخ شمس الدین طنجی نے بیان کیا ہے کہ شیخ ایک جہاز میں دمیاطہ کی طرف جا رہے تھے۔ ایک شخص بہت کھانے والا بھی اس جہاز میں تھا لوگوں نے شیخ سے عرض کیا کہ اس نے آج رات بہت بڑی مچھلی اور ایک زنبیل کھجوروں کی کھائی ہے۔ شیخ نے اس کو بلایا اور فرمایا بیٹھ جاؤ اور ایک روٹی کے دو ٹکڑے کر کے فرمایا کھاؤ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لو تو اس آدھی روٹی میں اس کا پیٹ بھر گیا اور پھر مرتے دم تک ہمیشہ کے لئے ان کی خوراک بھی آدھی روٹی رہی۔ آدھی روٹی سے زیادہ نہیں کھا سکا۔ جہاز کے لوگوں نے شیخ کو دُعائیں دیں کہ آپ نے ہم پر بہت تخفیف کر دی۔

شیخ امین الدین اور امام غمری نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ مقبرہ برہموش کی ایک

قبر میں ایک شخص غروب سے صبح تک چلایا کرتا تھا۔ لوگوں نے شیخ سے عرض کیا آپ مقبرہ تشریف لے گئے اور سورہ تبارک الذی پڑھی۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کی دُعا کی۔ اس رات کے بعد سے کسی نے اس کی آواز نہیں سُنی۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ شیخ نے اس کی سفارش فرمادی اور میں نے شیخ علی الخواص سے سُنا ہے، فرماتا تھا کہ میں شیخ محمد بن عنان سے حضرت ابراہیم متولی کے ہی ذریعہ واقف ہوا ہوں۔ میں عیطہ میں انجیر بیچا کرتا تھا۔ برکتہ الحاج میں ان کے پاس تھا۔ مَیں نے ان کو یہ کہتے سنا کہ میرے بعد میرا کام ستر آدمیوں پر تقسیم کردیا جائے گا مگر وہ اسے انجام نہ دے سکیں گے۔ شیخ یوسف کردی نے عرض کیا حضرت آپ کے بعد حجرہ شریفہ کی خدمت کون کرے گا۔ فرمایا ایک شخص ہے محمد بن عنان جو عنقریب شرقی بلاد میں ظاہر ہوگا۔ اور یہی حضرت علی الخواص کہتے ہیں کہ مجھ سے شمس الدین لاذقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ مَیں ایک دن حضرت محمد بن عنان کی خدمت میں حاضر ہوا اور مَیں اس وقت وضو و نماز کے وسوسوں کی وجہ سے سخت ضیق میں تھا۔ مَیں نے شیخ سے اس کی شکایت کی تو فرمایا ہمیں تحقیق ہے کہ مالکیہ کو طہارت وغیرہ میں وسوسے نہیں ہوا کرتے تو ان کی برکت سے محض اتنا فرمانے سے ہی میرے یہاں وسوسوں کا وجود نہ رہا۔

اور آپ کا یہ حال تھا کہ جب آپ کسی ایسے مریض کے پاس آتے تو شدت ضعف کی وجہ سے موت کے قریب پہنچ چکا ہوا ہوتا تھا آپ اس کا مرض اپنے اُوپر لے لیتے تھے۔ مریض اُٹھ کھڑا ہوتا تھا اور شیخ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا مریض ہو کر سو جاتے تھے۔

آپ کا اسی قسم کا واقعہ سید ابوالعباس غمری اور سید علی البلبلی مغربی کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سید علی کے واقعہ میں تو مَیں موجود تھا۔ شیخ فوراً اُٹھے جامع ازہر کے وضو خانہ میں گئے۔ وضو کیا اور سو گئے۔ اور امام شعرانی شیخ علی البلبلی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ شیخ محمد بن عنان رحمۃ اللہ علیہ ایک بار اُن کے پاس آئے تو ان کو ایسا بیمار پایا کہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تھے۔ پھر شیخ محمد تو ان کی جگہ پر

لیٹ گئے اور شیخ علی تندرست ہو کر فوراً ایسے کھڑے ہو گئے۔ گویا ان کو کوئی مرض ہی نہیں تھا۔ پھر شیخ محمد بن عنان چالیس روز تک بیمار رہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ بیان کیا ہے کہ مجھ سے خود انہوں نے فرمایا کہ یہ شروع شروع میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی جامع مسجد کی چھت پر تین سال تک رہے ہیں اور سوائے نماز جمعہ اور شیخ عارف باللہ سید یحیٰی منادی کی حاضری کے درس کے اور کسی وقت میں نہیں اُترتے تھے اور مَیں نے خود ان کو یہ کہتے سُنا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کی جامع مسجد کے قیام کے زمانہ میں دنیا میرے لئے مسخر کر دی گئی تھی۔ ہر شب میرے واسطے ایک برتن میں کھانا اور دو روٹیاں لاتی تھی لیکن نہ مَیں نے کبھی اُس سے بات کی نہ اُس نے مجھ سے بات کی ہاں مَیں اس کو پہچانتا تھا کہ یہ دُنیا ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مَیں نے ایک شب سونے کیلئے پاؤں پھیلانے چاہے تو جس گوشہ کی طرف پھیلانا چاہتا اُس طرف اولیاء اللہ میں سے کسی نہ کسی ولی کو پاتا تھا۔ اُس گوشہ کی طرف جو باب البحر کی جانب سیدی محمد بن عنان کی طرف تھا، پاؤں پھیلانے چاہے تو اُس کو بالکل ہی آپ کی قبر کی سیدھ میں پایا۔ آخر میں بیٹھا بیٹھا سونے لگا تو وہ تشریف لائے اور میرا پاؤں پکڑ کر اپنی طرف کے گوشہ کی جانب پھیلا دیا اور فرمایا میری طرف کے گوشہ بساط احمدی کی طرف پاؤں پھیلا۔ تو جب مَیں بیدار ہوا تو اُن کے ہاتھ کی نرمی میرے پاؤں میں محسوس ہو رہی تھی۔

امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب عوزی نے شریف برکات والی حجاز کو گرفتار کرنا چاہا اور شریف نے اُس کی جانب سے غداری کو معلوم کر لیا تو شیخ محمد بن عنان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عصر کا بعد تھا اور ہم سب شیخ کے سامنے بیٹھے تھے شیخ اُس کے لئے اُٹھے اور معانقہ کیا۔ شریف نے عرض کیا مَیں یہ چاہتا ہوں کہ اُس وقت بھاگ نکلوں۔ اگر آپ کا باطن میرے ساتھ ہو تو عوزی مجھے نہ پکڑ سکے حتیٰ کہ مَیں ان بلاد سے نکل جاؤں۔ برکۃ الحاج کے قریب اُونٹنیاں میرے انتظار میں ہیں۔ شیخ محمد

رحمۃ اللہ علیہ حجرہ میں تشریف لے گئے اور شریف صاحب انتظار کرنے لگے۔ شیخ دیر تک نہ نکلے اور وقت تنگ ہونے لگا تو مجھ سے اور شیخ حسن حدیدی خادم حضرت والا سے کہا کہ شیخ سے میرے لئے جلدی عرض کرو۔ ہم نے حجرہ کا دروازہ کھولا تو شیخ کو وہاں نہ پایا تو دروازہ پھر بند کر دیا۔ کچھ دیر بعد شیخ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو آنکھیں خون کی طرح سرخ تھیں اور شریف صاحب سے فرمایا سوار ہو جا تم تک کوئی نہیں پہنچے گا۔ عوزی کو دو دن کے بعد ان کی خبر ہوئی جبکہ یہ بلادِ حجاز میں پہنچ چکے تھے۔ ان کی تلاش میں اس نے کچھ لوگوں کو بھیجا بھی مگر وہ ان کو نہ پا سکے۔ یہ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔

﴿بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کا سلسلہ چھت تک پہنچ جاتا ہوگا مگر جمعہ کی فضیلت کے لئے امام کے قریب آنے کے واسطے اُترتے ہوں گے﴾

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ اہلِ شرف میں سے ایک شخص نے آپ کی اہلیہ سے نکاح کرنا چاہا وہ عصر کے بعد مقس کی جامع مسجد میں شیخ کی تربت کے سامنے کھڑا تھا (اس پر غنودگی سی طاری ہوگئی) تو شیخ نے فرمایا کہ تجھ پر ساری دنیا تنگ ہوگئی۔ تُو نے سوائے میری ہمبستر کے اور کسی کو نہ پایا اور اس کے پہلو میں ایک نیزہ مارا وہ گھبرا کر جاگ اُٹھا تو اُس کے پہلو میں زخم جلی ہوئی کلیجی کے رنگ کا نمایاں تھا۔ وہ اپنے وطن لے جایا گیا تو راستہ میں مر گیا۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ اس لئے کہ درویشوں کے لگائے ہوئے زخم کا یہ خاصہ ہے کہ ان پر نہ کبھی کھرنڈ آتا ہے نہ ان میں کوئی دوا فائدہ دیتی ہے ان میں ان کی روح کارفرما ہوتی ہے اور یہ ایک واقف کار بتارہا ہے۔

اربابِ حکومت میں سے کسی نے (کھانے کی تیاری کے وقت پر) آپ کے لئے آٹھ گھڑے شہد بھیجا تھا وہ سب کے سب زمین پر گر کر ٹوٹ گئے اور شہد خریدنے کا وقت نہ رہا تھا۔ آپ دریائے نیل کی طرف تشریف لے چلے اور فرمایا گھڑے ساتھ لے آؤ۔ گھڑوں کو اس کے پانی سے بھر دیا تو لوگوں نے اس میں شہد پایا اور اس سے

کھانا تیار کیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو حکام ﴿ کیونکہ حکام کی آمدنی اکثر مشتبہ ہوتی ہے جبر وظلم ورشوت وغیرہ کا شبہ ہوتا ہے۔۱۲﴾ کے شہد سے بچالیا۔

شیخ محمد بن عنان کی وفات ایک سو دس سال کی عمر میں ۹۲۲ھ میں ہوئی اور مقسم کی جامع مسجد میں باب البحر کے قریب دفن ہوئے ہیں۔ نماز جنازہ میں بڑے بڑے امام وقت اور سلطان طومان بابی بھی شریک تھے۔ سلطان نے شیخ کا پَیر کھولا اور اس پر اپنے رخسار مَلتا رہا اور یہ دن بھی مصر میں بڑے ہجوم کا دن تھا۔

محمد بہاؤالدین مجذوب

صاحبِ کشف ولی متقی تھے جو کہتے تھے اس کے خلاف نہ ہوتا تھا۔ جب کوئی بات بیان کی ہے وہ ویسی ہی ہوئی ہے اور جب کسی حاکم کے لئے فرماتے کہ ہم نے تم کو معزول کر دیا ہے تو وہ اسی دن یا اسی ہفتہ معزول ہو جاتا تھا۔ یا یہ فرماتے کہ ہم نے تم کو حاکم مقرر کر دیا ہے تو قریب ہی زمانہ میں وہ مقرر ہو جاتا تھا۔

شعراوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ یہ آپ کے ساتھ ایک ولیمہ میں شریک تھے۔ آپ نے ایک پانی والا گھڑا اُٹھایا اور چھت کی طرف پھینک دیا۔

ایک عالم وہاں موجود تھے، کہنے لگے وہ گھڑا توڑ دیا۔ فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو اور گھڑا صحیح سالم زمین پر آ گیا۔ یہ عالم چند سال بعد شیخ سے ملے تو فرمایا۔ جھوٹے گواہ کو جس نے بلا علم شہادت تھی کہ گھڑا ٹوٹ گیا اہلاً وسہلاً۔ آپ کی وفات ۹۲۲ھ میں ہوئی۔ یہ غزی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔

محمد رو یجل

شیخ بزرگ مجذوب تھے۔ مصر میں ننگے رہتے تھے۔ ایک بھٹیارے کی بھٹی میں سویا کرتے تھے اس میں انگارے ہوتے تھے مگر آپ کو جلاتے نہ تھے۔ شعراوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ شیخ الاسلام شہاب الدین رملی سے نقل کیا ہے کہ مجھ کو جو کچھ علم اور افتاء حاصل ہوا ہے۔ اس کی اصل شیخ محمد رو یجل کی دُعا سے ہے وہ میرے پاس میرے گھر دوپہر کے

وقت تشریف لائے۔ سرہانے کھڑے ہوئے اور فرمایا تم پر علم کا فتح یاب ہوگا اور چلے گئے۔

اور جب سلطان سلیم بن عثمان کا لشکر مصر میں داخل ہوا تو یہ کہتے پھرتے تھے روتجل کا کیا گناہ ہے کہ لوگ اس کی گردن کاٹتے ہیں۔ اور شیخ محمد بن عنان کی (تربت) کی جالیوں کے پاس گئے وہاں کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ حضرت روتجل کا کیا قصور ہے کہ لوگ اس کا سر کاٹتے ہیں۔ پھر جامع مسجد سے باب البحر کی طرف سے باہر نکلے تو بولاق کے راستہ میں لشکر نے آپ کا سر قلم کر دیا۔ یہ واقعہ ۹۲۳ھ میں ہوا اور مقبرہ جزیرہ میں مدفون ہوئے۔ یہ غزی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔

محمد بدخشی یا بلخشی

شیخ بزرگ امام عارف صوفی حنفی تھے۔ دمشق میں قیام رکھتے تھے۔ خواجہ محمد قاسم سے جو خواجہ عبید اللہ سمرقندی عارف و عالم کی اولاد سے تھے نقل ہے کہتے ہیں کہ مَیں مولانا اسمٰعیل شیروانی کی خدمت میں جو خواجہ عبید اللہ کے خاص لوگوں میں سے تھے حاضر ہوا تو آپ نے مجھے مطالعۂ کتب کی ترغیب دی۔ مَیں نے وقت نہ ملنے کا عذر پیش کیا۔ پھر شیخ محمد اللہ خشی کی خدمت میں حاضر ہوا، فرمایا شاید تم مولانا اسمٰعیل کے پاس گئے تھے۔ مَیں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا وہ تم کو مطالعۂ کتب کی ترغیب دیتے تھے۔ عرض کیا۔ جی ہاں! فرمایا تم ان کی بات کی طرف التفات نہ کرو۔ مَیں نے اپنے چچا صاحب کے پاس قرآن شریف سورہ والعادیات تک پڑھا تھا۔

اور اب تک مجھے اس علم کی جس کو مولانا محمد اسماعیل کہتے ہیں حاجت نہیں ہوئی اور مَیں اُن کے احوال کو نہیں پہچانتا۔ کبھی تو ان کو اعلیٰ علیین میں دیکھتا ہوں اور کبھی اسفل السافلین میں۔ خواجہ محمد قاسم کہتے ہیں کہ پھر مَیں مولانا اسماعیل صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا شاید تم شیخ محمد اللہ خشی کے پاس گئے تھے۔ مَیں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا کیا مطالعہ سے منع کرتے تھے۔ عرض کیا جی ہاں! فرمایا مطالعہ میں تم کو فائدہ بہت پہنچے گا۔ تمہارے جد اعلیٰ خواجہ عبد اللہ آخر میں تفسیر بیضاوی کا مطالعہ کیا کرتے تھے پھر

مولانا اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ شیخ محمد اللہ ختنی کے ساتھ میرا حال عجیب ہے جب میں اُن کی صحبت پسند کرتا ہوں تو اپنے کو ان کی نظر میں اعلیٰ علیین میں دکھادیتا ہوں۔ اور جب ترکِ صحبت چاہتا ہوں تو ان کی نظر میں خود کو اسفل السافلین میں دکھادیتا ہوں۔

غزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولانا اسمٰعیل شیروانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد اللہ ختنی دونوں نے خواہ محمد قاسم کو خیر خواہانہ نصیحت ﴿لیکن ایسے میں طالب کو بڑی تشویش لاحق ہوجاتی ہے۔ ہر بزرگ کا رنگ الگ الگ ہوتا ہے اس لئے طالب نہ اِدھر کا رہتا ہے نہ اُدھر کا اس لئے متاخرین حضرات محققین نے ایک وقت میں ایک ہی شیخ کو ضروری بتایا ہے بلکہ زیادہ احتیاط والے بزرگوں نے دوسرے مشائخ کے پاس جانے کو بھی ناپسند کیا ہے کہ مبادا دوسرا رنگ دیکھ کر پہلا بھی کھو بیٹھے اور پھر نہ اِدھر کا رہے نہ اُدھر کا۔۱۲﴾ کی اور اس راستہ کی راہنمائی فرمائی جس میں ان پر معرفت کی راہیں کھولی گئی تھیں۔ مولانا اسمٰعیل صاحب نے طریق مطالعۂ عادت اہلِ علم کی ہدایت کی اور شیخ بدختنی نے حق تعالیٰ کی طرف بالکلیہ متوجہ ہونے اور اسباب میں سے ہر سبب سے قطع نظر کرلینے کی ہدایت فرمائی اور اس قصہ نے دونوں کے کمال کشف کو کھول کر رکھ دیا۔ شیخ محمد اللہ ختنی کی وفات دمشق میں ۹۲۳ھ میں ہوئی اور مقام سفح میں شیخ محی الدین بن عربی کی پائنتی مدفون ہوئے ہیں اور مولانا محمد اسمٰعیل شروانی علوم عقلیہ ونقلیہ کے امام حنفی المذہب بڑے اولیاء میں تھے۔ شیخ عارف باللہ خواجہ عبیداللہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ انہی سے تربیت حاصل کی اور اصحابِ تکمیل میں ہوگئے۔

جب خواجہ عبیداللہ صاحب کا انتقال ہوگیا تو یہ مکہ مکرمہ چلے گئے وہیں وطن بنالیا اور ۹۴۲ھ میں چوراسی (۸۴) سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس سب کو غزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد فرفور رحمۃ اللہ علیہ

مجذوب اور چیخنے چلانے والے تھے۔ داڑھی مُنڈی ہوئی رہتی تھی۔ آپ کی کرامتیں بہت ہیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ آپ لیموں فروخت کیا کرتے تھے ایک

لیموں ایک پیسہ کا دیا کرتے تھے جب کسی کو کوئی بیماری ہوتی اور وہ ان کے لیموں سے کچھ کھا لیتا تھا اچھا ہو جاتا تھا اور اُن کے ایک بھائی جامع ازہر کے دروازہ پر سبزی فروخت کیا کرتے تھے جو اس کا ایک پتہ کھا لیتا تھا شفایاب ہو جاتا تھا۔ خاص لوگوں میں سے ایک شخص نے شراب پی لی تھی۔ اس کے گلے میں ایک غدود ہو گیا اور بڑھ گیا حتیٰ کہ سارے حلق کو بند کر دیا۔ خواص نے اس سے کہا کہ ان شیخ کی سبزی کا ایک پتہ جو جامع ازہر کے دروازہ میں بیچتے ہیں لے کر کھالو۔ اس نے لے کر کھایا تو فوراً ہی وہ غدود گر پڑا (اور وہ اچھا ہو گیا) شیخ محمد فرفور کا انتقال ۹۲۴ھ میں ہوا ہے اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد الخراسانی النجم رحمۃ اللہ علیہ

عالم باعمل بے تکلف لطیفہ سنج واعظ سخت سخت دِلوں کو موم کر دینے والے تھے۔ آپ کی خرقہ پوشی کی سند شیخ نجم الدین البکری مقیم حلب سے ملتی ہے۔ ابن الحنبل نے ذکر کیا ہے کہ شیخ جلال الدین نصیبی اور شیخ جبرائیل کردی نے جب یہ حلب آئے اُس کی کسی حالت پر انکار بھی کیا ہے۔ (ص ۲۶/ ۱۷۷، کل ۲ صفحہ ۲۲ سطر۔۔۔ص ۲۷/ ۱۷۷)

اوّل الذکر صاحب سے عرض کیا گیا کہ ان سے ملنے میں تو کوئی حرج نہیں ورنہ بغیر ملے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ وہاں پہنچے تو اُنہوں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ اگر شیخ بزرگ ہے تو آج ہم کو نان دُودھ اور شہد کھلا دیں گے اور دو باتیں پوچھیں گے۔ پھر شیخ نے ایسا ہی کیا جو اُن کے دِل میں تھا اور دوسرے صاحب کا یہ قصہ ہے کہ اُنہوں نے ان شیخ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر داخل ہوئے تو شیخ نے ان سے معانقہ کیا۔ انہوں نے شیخ سے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ آپ کی غیبت مجھ سے صادر ہوئی ہے مجھے معاف فرما دیجئے۔ مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ مَیں ایک غار میں ہوں آپ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا منہ کھول مَیں نے منہ کھولا اور آپ نے میرے منہ میں کوئی ایسی چیز ڈال دی جس کو مَیں نہ نِگل سکا نہ اُگل سکا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم نے میری غیبت کی ہے۔ مَیں نے توبہ کی۔ پھر جب توبہ کر لی تو وہ چیز جو آپ نے میرے حلق میں ڈال دی تھی ایسی

ہوگئی کہ گویا شکر ہے مَیں نے اس کو نگل لیا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حیرانی سے نکال دیا۔ سارا قصہ بیان کر دیا تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے معاف فرمادیا۔

ابن الجلیل رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الشیوخ موفق بن ابی ذر سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک دن میں بین النوم والیقظہ تھے دیکھا کہ ایک پرندہ ان کے مکان پر آ ٹھہرا اور دیر تک لوٹ پوٹ ہوتا رہا۔ کہتے ہیں کہ مَیں گھبرا کر جاگ گیا۔ مگر پھر کپڑا سر کے اُوپر کو کھینچ لیا تو ایک غیبی آواز آئی کہ یہ شیخ خراسانی کی رُوح ہے۔ اس کے بعد چند ہی دن گزرے تھے کہ شیخ خراسانی کی وفات ذوالحجہ ۹۲۵ھ میں ہوگئی کہ آپ کے دفن کے دن بہت مجمع تھے اور قبر مبارک پر شہر حلب کے باب الفرج کے باہر عمارت بنا دی گئی ہے جس کو امیر یونس عادل نے بنوایا ہے۔ اس کو غزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد الشربینی

شیخ بزرگ ولی صاحب کشف بڑے امام اور اولیاء کبار میں سے تھے۔ مشرقی نواح مصر کے درویشوں کی ایک جماعت کے شیخ اور صاحبِ حالات و مکاشفات تھے۔ تمام اطرافِ زمین پر ایسے کلام فرماتے تھے کہ گویا آپ کی پرورش وہیں ہوئی ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب اُن کے بیٹے احمد بہت کمزور ہوگئے اور موت کے قریب پہنچ گئے اور حضرت عزرائیل رُوح قبض کرنے کے لئے آگئے تو آپ نے حضرت عزرائیل ﴿اس میں کوئی استبعاد نہیں ہوسکتا ہے کہ ان کے واسطے پہلے سے یہ مقدر ہو جس کا نہ ان کو علم ہونا ضروری ہے نہ حضرت عزرائیل کو، صرف حق تعالیٰ کے علم میں ہو کہ فلاں وقت قبض روح کے لئے فرشتہ بھیجا جائے گا یہ دُعا کریں گے اور فلاں وقت تک جو مقرر موت ہے مؤخر کر دی جائے گی اب نہ مسئلہ موت پر اشکال رہا نہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے معاملے پر۔ ۱۲﴾ سے فرمایا اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ اور اُن سے رجوع کرو۔ کیونکہ اب یہ معاملہ منسوخ ہوگیا ہے۔ حضرت عزرائیل واپس ہوگئے اور میاں احمد تندرست ہوگئے۔ اور اس کے بعد تیس سال تک زندہ رہے۔

آپ کو جس چیز کی گھر وغیرہ کی ضرورت کے لئے حاجت ہوتی ہوا میں ہاتھ کر کے لے لیتے اور گھر والوں کو دے دیتے تھے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک سیاح سے روایت ہے کہ ان کی اولاد کچھ تو ملک مغرب میں مراکش کے بادشاہ کی بیٹی سے تھی اور کچھ اولاد بلادِ عجم میں تھی اور کچھ بلادِ ہند میں اور کچھ بلاد تکرور میں تھی۔ آپ ایک ہی وقت میں ان تمام شہروں میں اپنے اہل وعیال کے پاس ہوآتے اور اُن کی ضرورتیں پوری فرما دیتے تھے اور ہر شہر والے یہ سمجھتے کہ وہ انہی کے پاس قیام رکھتے ہیں اور انہی متفرق صورتوں اور مختلف شکلوں میں آتے جاتے رہنے کی وجہ سے کسی عالم نے ان پر ترک جمعہ کا اعتراض کیا تھا تو پھر ان کو مکہ مکرمہ ﴿یہ اشکال نہ ہو کہ جمعہ تو اس شخص پر فرض ہے اگر جسد مثالی نے مکہ مکرمہ میں جمعہ ادا کیا تو فرض ادا نہ ہوگا کیونکہ یہ بھی تو ناممکن ہے کہ بطور طی مسافت کے خود یہ جسد مکہ مکرمہ جاتا ہو اور جسد مثالی یہاں رہتا ہو لیکن بزرگوں کے ایسے واقعات سے جو دغاباز مکار بدعمل لوگ حجت لیتے ہیں کہ نماز نہیں پڑھتے اور کہہ دیتے ہیں کہ مکہ مکرمہ پڑھتے ہیں وہ صریح دھوکا ہوتا ہے نہ یہ مقام سہل حاصل ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کو حاصل ہو جائے۔ جن لوگوں کا یہ مرتبہ ہوتا ہے وہ زبان سے دعویٰ کرتے ہیں نہ ان کے حالات ایسے ہوتے ہیں۔ پھر دنیا کو تو دھوکا دیا جاسکتا ہے مگر حق تعالیٰ کو تو حقیقت معلوم ہے۔ لہٰذا یہ جرم دھوکہ اور غلط دعویٰ غرض متعدد گناہوں کا مجموعہ ہو جاتا ہے اللہ بچائے۔ ۱۲﴾ میں جمعہ پڑھتے دیکھا۔ آپ کے صاحبزادہ احمد فرماتے ہیں کہ آپ اپنی لاٹھی کو فرماتے کہ ایک بہادر انسان کی صورت میں ہو جاؤ تو وہ فوراً اس صورت میں ہو جاتی اور آپ اس کو اپنے کاموں میں بھیج دیتے تھے اور پھر وہ لاٹھی کی لاٹھی بن جاتی۔

سید محمد بن ابی الحمائل کہتے ہیں کہ ایک طالب علم میرے یہاں سے شیخ شربینی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھاگ گیا۔ پھر جب وہ آیا تو مَیں نے پوچھا کہاں تھا؟ اس نے کہا شربینی صاحب کے یہاں۔ مَیں نے کہا کہ مَیں اس وقت تک تجھ کو مارتا رہوں گا جب تک تیرے چلّانے پر شربینی صاحب نہ آجائیں۔ مَیں اس کو مارنے کے

واسطے آگے بڑھا تو شربینی صاحب اُس کے سر پر کھڑے تھے اور فرمایا کہ مَیں سفارش کرتا ہوں مَیں نے چھوڑ دیا تو شیخ غائب ہو گئے۔

اور آپ جب دریا عبور کرنا چاہتے اور ملاح کہتا کہ کرایہ لائیے۔ آپ فرماتے اے درویش ہم کو تو اللہ تعالیٰ کے واسطے ہی عبور کرادے تو وہ اُس طرف پہنچا دیتا تھا۔ ایک روز اُس نے انکار کر دیا اور کہا کہ تمہارے اس ظلم نے تو ہمیں تنگ کر دیا ہے۔ شیخ نے فرمایا سبحان اللہ اور لوٹے کو جھکایا اور دریا کا تمام پانی اس میں لے لیا۔ یہاں تک کہ کشتی زمین پر کھڑی ہو گئی۔ ملاح نے توبہ کی اور معافی چاہی تو آپ نے لوٹا اُلٹا کر دیا اور تمام پانی جیسے تھا لوٹ آیا اور جب آپ کو گھر کیلئے یا مہمانوں کے واسطے شہد، دُودھ، شیر وغیرہ کی ضرورت ہوتی آپ خادم کو فرماتے یہ لوٹے لے جاؤ اور دریا کے پانی سے بھر لاؤ وہ بھر لاتا تو اس میں شہد، دُودھ وغیرہ جس کی ضرورت ہوتی وہی پاتے۔

مکہ مکرمہ کا ایک خطیب آپ پر اعتراض کیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ منبر پر خطبہ پڑھ رہا تھا کہ اس کو حدث ہو گیا یا یہ یاد آ گیا کہ احتلام ہوا تھا اور اُس نے غسل نہیں کیا۔ شیخ تشریف فرما تھے آپ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اُس نے آپ کی آستین کو گلیوں کی طرح پایا۔ وہ اس میں گھس گیا تو وہاں پانی اور لوٹا ملا۔ وہاں جا کر پاک ہو کر شیخ کی آستین سے نکل آیا اور اعتراضات سے باز آ گیا اور آپ نے ابن عثمان (بادشاہ) کے فاتحانہ طریق سے مصر میں داخل ہونے کی خبر دو سال پہلے دے دی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ تم پر داڑھی منڈے چڑھ کر آ گئے۔ مگر لوگ بنی جراکہ (جن کی حکومت اس وقت تھی) کے انتظامات واستحکامات کی وجہ سے آپ پر ہنسا کرتے تھے اور آپ مجلس میں بار بار یہ کہا کرتے تھے کہ ۸ صفر ۹۲۷ھ کو اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ انتقال کرے گا جو شخص اس کے غسل کا کچھ پانی لے لے گا اور اپنے پاس شیشی میں رکھے گا اور برص والے کوڑھی، اندھے اور بیمار کو لگا دے گا مرض اور اندھے پن سے شفاء ہو جائے گی۔

جس روز ان کی وفات ہوئی اس روز لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس سے آپ خود

اپنے کو ہی مراد لیتے تھے۔ تو آپ کے غسل کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا۔ حالانکہ لوگوں نے تقریباً چار مٹکے آپ کے اُوپر بہائے۔

اس وقت یہ کہا جاتا تھا کہ غیبی لوگ آپ کے غسل کا پانی لے جاتے ہیں۔ آپ کی وفات جیسے کہ آپ نے خبر دی تھی ۸ صفر ۹۲۷ھ میں ہوئی ہے اور شربین کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔ اس کو غزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

محمد بن عبدالرحیم المنیر البعلی

امام شعرانی کہتے ہیں کہ آپ کی کرامتوں میں یہ ہے کہ جب آپ کا نزع شروع ہوا تو مَیں نے بھائی ابوالعباس حریثی اور بھائی ابوالعباس غمزی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع کی سب نے کہا کہ ہم بھی ان کی عیادت کے لئے چلیں گے اور یہ طے ہوا کہ فجر کے بعد جو کچھ منٹ پہلے پہنچ جاوے وہ باب النصر یہ پر انتظار کرے۔ مَیں پہنچا تو بواب نے کہا کہ ایک جماعت یہاں ٹھہری تھی کچھ دیر انتظار کر کے خانقاہ کے راستہ پر چل دی مجھے خیال ہوا کہ یہ شیخ ابوالعباس غمزی ہوں گے۔ مَیں اُن کے پیچھے چل دیا۔

راہ میں ایک درویش کہ جس کی وضع قطع اہلِ یمن کی سی تھی ملا اس نے پوچھا کہاں کا قصد ہے مَیں نے کہا منیر صاحب کا، اس نے کہا میرا بھی اِرادہ ہے میرا گدھا لنگڑا سردی کا زمانہ تھا چھوٹا سا دن تھا۔ سورج بلند ہوا تو ہم حضرت منیر صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے۔ مَیں حاضر ہوا تو شیخ کو نزع میں پایا۔

تین روز سے بات بھی نہیں کر سکے تھے۔ فرمایا کون ہو؟ عرض کیا عبدالوہاب۔ فرمایا بھائی تم نے مصر سے آنے کی تکلیف اُٹھائی ہے مَیں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر میرے لئے کئی دُعائیں کیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی مَیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ دنیا و آخرت میں تمہارے ساتھ بہترین ستاری فرمائیں۔ ظہر کے بعد مَیں نے رخصت کی اجازت لی اور عصر کے بعد تک خانقاہ میں حاضر ہو گیا۔

پھر ابوالعباس آئے اور یہ خیال کیا کہ مَیں اب تک شیخ کے پاس نہیں گیا ہوں۔

فرمایا چلو میں نے عرض کیا۔ میں تو شیخ کے پاس سے ہو آیا ہوں سلام کر آیا ہوں۔ اور علامت یہ ہے کہ ان کے سر کے نیچے سرخ رنگ کا تکیہ ہے۔ تو یہ حضرت شیخ ہی کی کرامت تھی کہ مصر سے اس قدر دُور کی مسافت کہ عادۃً مسافروں کے اخیر میں پہنچتا ہے۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ ان بزرگوں میں سے ہیں جو عرفہ کے دن عرفات میں گناہ گار حاجیوں کے باب میں شفاعت کرتے ہیں اور ایسے تھے کہ جو شخص ان کو ستاتا تھا بہت جلد ہلاک ہو جاتا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الروضہ کو حفظ کیا کرتے تھے۔ اپنی خانقاہ سے قاہرہ روز آتے اور ابن امام الکاملیہ کے درس میں حاضر ہوتے اور باوجود بعد مسافت کے اسی روز اپنی خانقاہ واپس ہو جاتے تھے۔

غزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ لا مذہب تھے انہوں نے چھیاسٹھ (٦٦) حج کئے ہیں اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں اس خوف سے کہ ان پاک مقامات پر پاخانہ کی ضرورت نہ واقع ہو صرف تین کھجوریں کھاتے تھے۔

اور کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ یعنی شہاب بمٹاوی نے بار بار بیان کیا ہے کہتے تھے کہ مجھ سے میرے والد شیخ یونس نے بیان کیا ہے۔

وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے شیخ منیر کی صاحبزادی نے نقل کیا ہے اور یہ بہت صادق البیان تھیں کہ ان کے والد نے شیخ عارف سید محمد بن عراق کے پاس جو حجاز میں تھے اپنے وطن بعل کا ایک تھان کپڑے کا لپٹا ہوا بھیجا جب اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا ”لا اِلٰہ اِلا اللہ“ شیخ شمس الدین نے ہمارے لئے کفن بھیجا ہے۔ پھر آپ نے خشک کھجور کے چند بڑے بڑے دانے ان کو بھیجے۔

جب وہ شیخ شمس الدین کے پاس پہنچے تو اُنہوں نے دیکھ کر بہت تعجب کیا اور فرمایا اس تعداد میں ہماری عمر کے سال باقی رہ گئے۔ پھر ۹۳۱ھ میں آپ نے رحلت فرمائی اور بلبیس کی جانب اپنی خانقاہ میں دفن کئے گئے۔

محمد السروی

مشہور بہ ابن ابی الحمائل عارفین کے اُستاد اولیاء کاملین کے امام تھے۔ شاذی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ان سے علم حاصل کیا ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے خود اُن سے سُنا ہے نقل فرماتے تھے کہ مَیں ایک دفعہ فارسکو کی جامع مسجد کے منارہ میں تھا کہ کچھ ہوا میں آنے والے درویشوں کی ایک جماعت گزری تو مجھے بھی اُڑنے کی دعوت دی مَیں بھی اُن کے ساتھ اُڑنے لگا۔ مجھے اپنے حال پر عجب پیدا ہوا تو مَیں دمیاط کے دریا میں گر پڑا۔ اگر میں خشکی سے قریب نہ ہوتا تو غرق ہو گیا ہوتا وہ سب چلے گئے اور مجھے چھوڑ گئے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجلس ذکر میں جب اُن پر سخت حال کا غلبہ ہوتا تھا اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ دیواروں پر لاتیں مارنے لگتے تھے اور فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ یوسف الحریثی نے بیان کیا ہے کہ مَیں نے خود شیخ محمد السروی کو دیکھا ہے کہ فارسکو کی جامع مسجد میں اُن پر ایک حالت طاری ہوئی تو آپ نے پانی کا بھرا ہوا مٹکا جس میں تقریباً تین قنطار ﴿قنطار ایک ہزار اوقیہ اور اوقیہ سات مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے تو اَسّی (۸۰) کے سیر سے قنطار تیس سیر تیرہ چھٹانک ہوا اور تین قنطار دو من اٹھارہ سیر سات چھٹانک ہوا۔۱۲﴾ پانی تھا۔ ایک ہاتھ پر اُٹھا لیا اور مسجد میں لئے لئے پھرتے گئے۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ بڑے عالی ہمت اور بڑے ہوا میں اُڑنے والے تھے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر میں اُڑ کر چلے جاتے تھے۔

شب میں ان پر حال کا غلبہ ہوتا تھا۔ تو غیر عربی عجمی ہندوستانی اور توبہ وغیرہ زبانوں پر تکلم فرماتے اور کبھی ساری رات قاق قاق کہتے رہتے اور کچھ ایسے لوگوں سے جو نظر نہیں آتے تھے باتیں کیا کرتے تھے اور غلبہ حال کے وقت جو کچھ کہہ دیتے تھے ایسے ہی ہو جاتا تھا۔ مصر میں تشریف لائے اور زاویۃ الحمرا اور پھر زاویہ ابراہیم المواہبی میں سکونت رکھی اور وہیں انتقال فرمایا۔

ایک حاکم نے اصرار کر کے آپ کو بلایا اور اپنی جگہ بٹھایا۔ آپ نے چھت بند کی طرف دیکھا تو فرمایا یہ چھت بند ہماری خانقاہ کے مناسب ہے اور اس وقت تک تو خانقاہ تعمیر نہیں کرائی تھی۔ جب تعمیر کرائی اور کسی کو چھت بند خریدنے کے لئے بھیجا تو اُس نے بازار میں وہی چھت بند بکتے پایا وہ خرید لایا۔ وہی چھت بند اَب تک ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب درویش پر حال کا غلبہ ہوتا ہے پھر فرو ہو جاتا ہے تو جس وقت وہ فرو ہو جاتا ہے اس کی حالت شیر کی سی ہو جاتی ہے۔

وہ ہر شئے کو پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے حتیٰ کہ بیوی بچوں تک کو (یعنی اس حالت کے لُطف کے جاتے رہنے سے اس کے ہوش و حواس بحال نہیں رہتے اور آپ مریدوں کے لئے دلائل الخیرات کی منزلوں کو ناپسند فرماتے تھے۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ اس سے دِلوں کا انجلاء لا اِلٰہ الا اللہ جیسا نہیں ہوتا اور فرماتے ہم نے کسی غالب کو نہیں دیکھا جو دلائل الخیرات کی منزلوں کے پڑھنے سے رجال متقبولین کے مقام کو پہنچ گیا ہو﴿یعنی جو صرف منزلیں پڑھ لیتا ہو اور ذکر کی کثرت نہ رکھتا ہو وہ مقبولین کے پایہ کو نہیں پہنچتا۔ لا اِلٰہ الا اللہ اَفضل ترین ذکر ہے جو حدیث میں ثابت ہے اور دلائل ماثور نہیں ہے گو ثواب درود شریف کا ملے گا۔۱۲﴾ ایک شہر والوں نے آپ سے خربوزوں کے کھیت میں چوہوں کی کثرت کی شکایت کی۔ فرمایا اس کے نشیب میں یہ ندا دے دو کہ محمد بن ابی الحمائل کا حکم ہے کہ تم لَوٹ جاؤ تو اس کھیت میں ایک بھی چوہا نہ رہا۔ ان کے شہر والوں نے سُنا تو اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا اصل اجازت ہے وہ نہیں ہوئی (یعنی کوئی ذرّہ بغیر حق تعالیٰ کی اجازت کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا۔ یہ چوہے بھی جازت سے کرتے تھے جو کچھ کرتے تھے مَیں نے دُعا کی اور وہ اجازت نہ رہی تو یہ زآ گئے۔ یہ بزرگ ہوا میں اُڑتے تھے اور پانی کے مٹکے اُٹھا لیتے تھے اور کُھلم کُھلا پانی کے اُوپر ایسے چلے جاتے تھے کہ نظروں سے غائب ہو جاتے تھے۔ پھر دونوں ہاتھ ن سے تر بتر کئے ہوئے واپس آتے اور فرماتے کہ ہم ایک شخص کے لئے گئے تھے

جس کو دریائے شور میں گرفتار کر رکھا تھا ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور کافروں کی ایک جماعت کو قتل کرڈالا ہے۔ آپ کی وفات مصر میں ۹۲۳ھ میں ہوئی ہے اور اپنی خانقاہ میں دونوں شہر پناہوں کے درمیان دفن ہوئے ہیں۔

محمد الشناوی

بڑے عارفین اور کامل و مکمل مرشدین میں سے تھے۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ نے میلہ کو جو حجاج بن یوسف کے شہروں میں ہوتا تھا باطل کردیا کیونکہ اُس میں ایک بڑی مخلوق مرجاتی تھی اس لئے کہ حجاج بڑا دشمن اور ظالم تھا۔ ان شہروں پر مسلط تھا سلطنت کی باگ ڈور اور میلہ کے تمام لشکر اُس کے ہاتھ میں تھے۔ اُس پر کسی کا رُعب نہیں تھا تمام شہروں سے لوگوں کو زبردستی لے لیتا تھا کہ وہ پیاس سے مرجائیں۔

شیخ شناوی رحمۃ اللہ علیہ نے فقراء و مساکین پر ترس کھا کر اُس کا مقابلہ کیا۔ حجاج کے دل پر ان کا اثر ہوا اور اُسے خیال ہوگیا کہ شیخ ان شہروں میں اس کا جو کچھ معمول ہے اُس کو باطل کردیں گے تو اُس نے ایک کھانا زہر ملا کر تیار کرایا اور شیخ اور اُن کی جماعت کے سامنے پیش کیا جب سب لوگ کھانا کھانے بیٹھ گئے تو وہ کھانا شیخ کی برکت سے کیڑے ہی کیڑے بن گیا۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب مَیں نے آپ کو سیدی محمد بن ابی حمائل کی خانقاہ میں رخصت کیا تو فرمایا یہ آخری ملاقات نہیں ہے۔ ایک مرتبہ ملاقات اور ضرور ہوگی۔ جب آپ کی وفات قریب ہوئی تو مجھ کو رویاء سے علم ہوا کہ میرے دل میں ایک وارد نے وِرد کیا اور یہ کہا کہ محلہ رُوح کو چلو۔ مَیں اپنے دل کو اس خیال پر عمل کرنے سے روک نہ سکا۔ آخر شیخ کے اس فرمانے کی تصدیق کے لئے ایک مرتبہ اور ملاقات ضرور ہوگی، چل دیا۔ مَیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نزع کی حالت شروع ہوچکی تھی۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

تم کو اپنی توجہ اور عنایت سے پلک جھپکنے کی مقدار بھی خالی نہ چھوڑیں اور اپنے سامنے تمہاری ستاری فرمائیں۔ پھر اسی رات آپ کی وفات ہوگئی۔ اس کو تو طبقات میں فرمایا ہے اور کتاب المنن میں فرمایا ہے کہ آپ کے پاس چند مہمان پچاس شخص کے قریب ریف سے آگئے پھر اس کو جامع ازہر کے آس پاس کے لوگوں نے سُن لیا تو وہ بھی آگئے یہاں تک کہ آپ کے شیخ شیخ محمد السروی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ بھر گئی پھر گلیوں میں لوگوں کے واسطے بوریئے بچھائے گئے اور گلیاں بھی پُر ہوگئیں۔ آپ نے اپنے شیخ کے خادم سے فرمایا تمہارے پاس کچھ کھانا بھی ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ میرا اور میری بیوی کا کھانا ہے۔ فرمایا تم اس میں سے جب تک مَیں نہ جاؤں پیالہ میں نہ نکالنا۔ پھر آپ نے اپنی چادر اس برتن پر ڈھک دی جس میں کھانا تھا اور چمچے سے نکالنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ تمام حاضرین خانقاہ اور تمام باہر کے لوگوں کو وہ کھانا کافی ہوگیا۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ مَیں نے بچشم خود دیکھا ہے۔

غزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کو حضرت احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ عقیدت تھی اور اُن سے نسبت تامہ حاصل تھی۔ یہ بارہا اُن سے گفتگو کیا کرتے تھے اور وہ قبر کے اندر سے جواب دیا کرتے تھے۔ شعراوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مَیں نے خود سُنا ہے کہ یہ حضرت احمد سے باتیں کرتے تھے اور وہ قبر کے اندر سے جواب دے رہے تھے۔

طبقات وسطیٰ میں بیان ہے کہ مَیں نے ایک مرتبہ خود سُنا ہے کہ یہ حضرت احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی مصر کی ضرورت میں مشورہ کر رہے تھے اور شیخ احمد نے قبر کے اندر سے جواب دیا کہ سفر کر جاؤ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔ آپ کی وفات ۹۳۲ھ میں ہوئی اور محلہ روح میں اپنی خانقاہ میں دفن ہوئے ہیں۔ آپ کی قبر معلوم ہے اس کی زیارت کی جاتی ہے۔

یادِ یاراں

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

اس میں رأس المحققین، تاج المحدثین، قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح اور حالات درج فرمائے ہیں اور ان کے تبحر علمی اور اسوۂ حسنہ کو نہایت خوبی سے تحریر فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنصلی علی رسوله الکریم

باز گو از نجد واز یارانِ نجد یاد یاراں یار را میمون بود
تا در و دِیوار را آری بہ وجد خاصہ کان لیلیٰ وایں مجنوں بود

تمہید

یہ چند سطورِ بے سروپا حضرت قطب العارفین، کہف الطالبین مولانا رشید احمد المحدث الفقیہ الصوفی قدس اللہ سرہ السامی کے تذکرے میں ہیں، جو بے خوض وتأمل اس ناکارہ سیہ نامہ کے ذہن میں بے تکلف حاضر ہوا۔ منشا اس کا صرف "من احب شیئا اکثر ذکرہ" ہے اور غایت اس کی طالبِ سبیلِ حق کو ایک نمونہ اِہتدا و اِقتدا کے لئے دکھلانا ہے وبس! اس لئے اُمید ہے کہ عنوان کی بے ربطی پر التفات نہ فرما کر اصل معنون سے منتفع ہونے پر نظر رکھی جائے گی۔

پہلی زیارت اور اُس کا اثر

تذکرہ نمبر۱: سب سے اول اس نااہل کو اُس مرکزِ دائرۂ ارشاد کی زیارت اُس وقت ہوئی جب میں مدرسۂ دیوبند میں پڑھتا تھا اور ہاں حضرتؒ اپنی تشریف آوری سے اہل مدرسہ واہل شہر کو گاہ گاہ مشرف فرمایا کرتے تھے۔ سن یاد نہیں رہا۔ دیکھنے سے میرے قلب میں جو عقیدت ومحبت پیدا ہوئی وہ میرے لئے باعث اس کی ہوئی کہ باوجود حقیقت وغایت بیعت کی نہ سمجھنے کے میں نے بیعت کی درخواست کی۔ چوں کہ طبیب حاذق کو مریض کی رائے کا اتباع ضروری نہیں، بلکہ اگر ایسا کیا جائے تو مریض

کے لئے مضر بھی ہے، اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ

''جب تک علم سے فراغ نہ ہو جائے اُس وقت تک ایسا خیال وسوسۂ شیطانی ہے۔''

اُس وقت میری سمجھ میں اس جواب کی حقیقت اور عظمت اور حکمت مطلق نہ آئی اور غلط فہمی سے اس کو دفع الوقتی پر محمول کیا، لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب حضرتؒ کے اعلیٰ درجے کی شانِ اِرشاد و تربیت کی دلیل ہے۔

زمانۂ طالب علمی میں بیعت کے نقصانات

تفصیل اس کی یہ ہے کہ شیطان کا اصل مقصود انسان کو ضرر پہنچانا ہے، اور ضرر کچھ معصیت ہی میں منحصر نہیں، اگر چہ وہ اعلیٰ درجے کا ضرر ہے لیکن ایک فردِ ضرر کی یہ بھی ہے کہ کسی طاعت سے اور اُس کے ثواب سے محروم کر دے، گو اس سے کم درجہ طاعت میں مشغول کر دینے ہی سے کیوں نہ ہو۔ پس ضرر قسم اول کا ادراک تو اکثر صلحا بلکہ عامۂ مسلمین کو بھی ہو جاتا ہے، لیکن دوسری قسم کے ضرر کا ادراک کرنا مخصوص ہے محققین بلکہ صدیقین کے ساتھ۔ اسی لئے حدیث میں ہے:

''فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد'' (مشکوٰۃ ص ۳۴)

''فقیہ'' ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں جو حقائق وعلل خفیہ ودقیقہ کو سمجھ سکے۔ پس شیطان اس طریقۂ اغوا کو بڑی گہری نظر کے بعد تجویز کرتا ہے، اور واقع میں ہے بھی گہری بات، کیوں کہ جہاں گناہ کرا سکنے پر قادر ہونے میں کامیابی کی اُمید نہ ہو وہاں نقص ثواب ہی کو غنیمت سمجھنا نہایت گہرے درجے کی عداوت ہے، اور یہ فقیہ مبصر نورِ وَہبی سے اس کا ادراک کر کے اس کی قلعی کھول دیتا ہے اور اس کا بنا بنایا منصوبہ ایک دم میں غلط کرتا ہے۔ پس اس پر نہایت درجے شاق ہوتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ تحصیل علومِ دینیہ بہ وجہ اس کے کہ خود بھی انسان کے لئے بہت مواقع زلت میں آلۂ ہدایت ہے، و نیز اس وجہ سے کہ اس کا نفع متعدی بھی ہے۔ لا ریب! کثرتِ اَوراد و نوافل ونحوہا سے افضل ہے، اور تجربے سے یہ بات بھی تقریباً

متیقن ہے کہ بیعت کے خواصِ لازمہ عادیہ سے ہے کہ اس کے بعد ان امور کی طرف میلان ورغبت کی زیادتی ہوتی ہے، اور عقلی مسئلہ ہے کہ

''النفس لاتتوجه الى شيئين فى آن واحد''

پس اس مجموعے کا لازمی نتیجہ علومِ دینیہ سے بے رغبتی ہوتا ہے، اور کسی اَمر کی تکمیل بلا رغبت ہوتی نہیں۔ پس ضرور ایسی حالت میں علم ناقص رہے گا جس پر کبھی تو بوجہ جہل بعض امورِ ضروریہ کے ضررِ اعتقادی یا عملی مرتب ہوجاتا ہے، جو ضرر قسم اول ہے، اور اقل درجے طاعت اعظم سے حرمان تو ضرور ہی ہوتا ہے، جو ضرر قسم دوم ہے۔

اس مضمون کی بعضی مثالیں حضرت قطب الوقت ابن عطا اسکندریؒ نے اپنے رسالے ''تنویر'' میں خوب لکھیں، اور اسی مضمون میں حضرت عارف مسعود بکؒ فرماتے ہیں:

اے قوم بہ حج رفتہ کجاید کجاید معشوق دریں جاست بہ یاید بہ یاید

سو اس میں خطاب عام نہیں ہے بلکہ صرف خاص ان کو ہے جن پر حج فرض نہیں، اور اس سے زیادہ ضروری طاعت اصلاح نفس کو چھوڑ کر حج کو جاتے ہیں یہ حقیقت ہے حضرت قدس سرہ کے جوابِ باصواب کی۔ فللہ درہ وللہ برہ!

باوقعت شخصیت

تذکرہ نمبر۲: جب اس احقر کا گنگوہ نکاح ہوا، غالباً ۱۲۹۸ھ (۱۸۸۱ء) تھا، والد صاحب مرحوم کی درخواست پر شیخ غلام محی الدین مرحوم ابن عالی جناب حافظ عبدالکریم رئیس اعظم چھاؤنی میرٹھ، کہ والد مرحوم اُن کی ریاست میں مختار تھے، شادی میں شامل ہونے کے لئے میرٹھ سے تشریف لائے تھے اور گنگوہ بھی تشریف لے گئے تھے۔ نکاح حضرت قدس اللہ سرہٗ نے پڑھا تھا، جب حضرت مجلس نکاح سے تشریف لے گئے تو شیخ غلام محی الدین صاحب مرحوم بھی ساتھ ہو لئے۔ ایک موقع پر خود احقر سے بیان فرمایا کہ

''میں نے بہت سے بزرگ دیکھے، بڑے بڑے حکام سے ملا اور بات چیت کی، لیکن جو رُعب و ہیبت حضرت کی دیکھی، کسی میں نہیں دیکھی۔ یہ حالت تھی کہ بات کرنا

چاہتا تھا مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ بڑی مشکل سے اتنی جرأت ہوئی کہ نذر پیش کرسکا۔‘‘

یہ شیخ صاحب مردم شناسی و عالی حوصلگی میں مسلم ومعروف تھے۔ ان کی یہ شہادت ایک باوقعت شہادت ہے۔ اسی ہیبت کے باب میں کہا ہے: ع

ہیبت حق ست واین از خلق نیست

حق پرستی

تذکرہ نمبر۳: حق پرستی کی یہ شان تھی کہ ایک بار میرٹھ سے حضرت قدس اللہ سرہ کی خدمت میں ایک استفتا گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ حافظ محمد امیر دہلوی مرحوم، امام جامع مسجد لال کورتی، میرٹھ نے رمضان کے عشرۂ اخیرہ حالت اعتکاف میں میاں بھورے خزانچی کوٹھی جناب شیخ الٰہی بخش صاحب کو کچھ زیور نونگہ یا جوش بلوانے کے واسطے دیا، وہ مسجد میں وضو کرنے کے سائبان میں ایک الماری میں رکھ کر وضو کرنے لگے، اور وضو کرکے اس کو بھول کر چلے گئے، پھر جو آکر دیکھا تو نہ دارد۔ امام صاحب اور خزانچی صاحب میں اختلاف ہوا، حضرتؒ کے یہاں سوال بھیجا گیا، حضرتؒ نے قاعدۂ کلیہ سے جواب تحریر فرمادیا کہ یہ شخص امین ہے اور کوئی تعدی اُنہوں نے امانت میں نہیں کی، اس لئے ضمان لازم نہ آئے گا۔

اتفاق سے یہ احقر کان پور جاتا ہوا میرٹھ اُترا، ان صاحبوں نے مجھ سے بھی سوال کیا، میں نے کتاب نہ ہونے کا عذر کیا اور صرف سوال کی نقل لے کر کان پور چلا گیا، اور وہاں طحطاوی میں ایک جزئیہ ملا کہ اگر امین رکھ کر بھول کر کھڑا ہوجائے تو یہ نسیان عذر نہیں۔ میں نے اِس جزیے کے موافق جواب لکھ کر بھیج دیا۔ پھر جو ان صاحبوں سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے وہ جواب حضرت قدس اللہ سرہٗ کے ملاحظے کے لئے بھیجا تھا، حضرتؒ نے اس کی تصحیح اور جوابِ سابق سے رُجوع کی تصریح تحریر فرمادی۔ سبحان اللہ! حق پرستی کی کیا شان تھی۔

تذکرہ نمبر۴: میں نے دیوبند میں مولوی ضیاء الحق مرحوم، داماد حضرت مولانا

رفیع الدین مرحوم مہتمم مدرسہ کے پاس چند سوالات کے جواب حضرت قدس اللہ سرہ کے لکھے ہوئے دیکھے۔ ایک سوال یہ بھی تھا کہ بچے کو نزع کی تکلیف کیوں ہوتی ہے؟ اس پر حضرتؒ کا یہ جواب لکھا ہوا تھا کہ ''مجھ کو تحقیق نہیں'' سبحان اللہ! وما انا من المتکلفین O (سورۂ ص:۸۶) پر عمل اس کو کہتے ہیں۔

دین کے لئے شفقت

تذکرہ نمبر ۵: جب والد مرحوم کا ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۸ء) میں انتقال ہوا، میں نے کچھ سوالات متعلقہ جائیداد ترکہ کے حجام کے ہاتھ حضرت قدس اللہ سرہٗ کی حضور میں بھیجے اور جلدی جواب عطا فرمانے کیلئے عرض کر دیا۔

سوال بہت سے تھے، اور اتفاق سے اس وقت حضرتؒ کو آشوبِ چشم کی تکلیف تھی مگر اللہ رے دین کی خدمت اور احکام کی اشاعت کہ اس حالت میں سب جواب تحریر فرما دیئے، اور اختصار اجوبہ کی وجہ میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ

''آشوبِ چشم میں مبتلا ہوں، چنانچہ چشم بند کردہ جواب لکھ رہا ہوں۔''

دین کے لئے ایسی شفقت گوارا کرنا، اللہ و رسول کی سچی محبت یہ ہے۔

کرامتِ عظمیٰ

تذکرہ نمبر ۶: میں نے اُسی واقعے کے متعلق یہ رائے بھی لی تھی کہ اگر جائیداد نہ رکھوں تو کیسا ہے؟ حضرت قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ

''اگر رکھو رُخصت ہے، اور اگر نہ رکھو جب بھی حق تعالیٰ روزی سے تم کو کبھی پریشان نہ کرے گا۔''

چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ اب تک جس آرام سے یہ نالائق بسر کر رہا ہے ہرگز اس لائق نہ تھا۔ یہ حضرتؒ کی صریح کرامت ہے، خواہ حسیہ: اگر کہا جائے کہ آپ کو کشف ہوا تھا، یا معنویہ: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کامل کر کے فرما دیا تھا۔ ایسا اعتماد کشف سے ہزارہا درجے بڑھ کر کرامت عظمیٰ ہے۔

کامل اتباعِ سنت

تذکرہ نمبر ۷: میں جب ۱۳۱۰ھ یا ۱۳۱۱ھ (۹۳-۱۸۹۲ء) میں عازم سفر حجاز ہوا تو ایک بار حاضری کے بعد مکرر عین وقت پر عریضے کے ذریعے سے حضرت قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں اپنی تیاریٔ سفر کی اطلاع کی، حضرتؒ کا جو جواب آیا اُس میں لکھا تھا کہ

''وہاں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ کر مجھ کو بھی یاد رکھنا!''

اور یہ شعر تحریر فرمایا:

چو با حبیب نشینی و بادۂ پیمائی ۔۔۔ بہ یاد آر حریفاں بادہ پیما را

اس سے حضرت قدس اللہ سرہٗ کا کمالِ تواضع ظاہر ہے کہ ایسے نااہل سے ایسی فرمائش۔ یہ قصہ بعینہٖ مشابہ اُس کے ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت عمرے کی مانگی، آپ نے ارشاد فرمایا:

''اے میرے بھائی! ہم کو بھی دُعا میں شریک کرنا بھولنا مت۔''

پس تواضع کے ساتھ کمالِ اتباعِ سنت بھی اس قصے سے ثابت ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کے متعلق حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد

تذکرہ نمبر ۸: جب میں مکہ معظمہ سے چلنے لگا تو حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ

''مولانا رشید احمد صاحب سے کہہ دینا کہ آپ کے مخالف لوگ یہاں آکر طرح طرح کی باتیں لگاتے ہیں، مگر آپ اطمینان رکھیں، یہاں ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ہماری آپ کی محبت اللہ کے واسطے ہے اور جب اللہ باقی ہے اسی طرح جو محبت اللہ کے لئے ہوتی ہے وہ بھی باقی ہوتی ہے، اور میں نے جو 'ضیاء القلوب' میں آپ کی نسبت کچھ لکھا ہے وہ الہام سے لکھا ہے۔ کیا میرا وہ علم اب بدل جائے گا؟'' (یہاں مخالفین سے مبتدعین مراد ہیں۔ مولانا عبدالسمیع صاحب مرحوم جو اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ بھی تھے، انہوں نے ''انوار ساطعہ'' نامی کتاب لکھ کر حضرت گنگوہیؒ

کے بعض عقائد سے اختلاف کیا تھا۔ اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ نے انہیں منع بھی فرمایا تھا، لیکن مولانا عبدالسمیع صاحب اپنے من کے آدمی تھے۔ (اعجاز)

چنانچہ احقر نے واپس آ کر سب ملفوظات عرض کر دیئے۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا:

''بھائی! ہم تو توکل کیے بیٹھے ہیں!''

اس سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں جو گنجائش حضرت مولاناؒ کی تھی اور جو اس شہادت سے ظاہر ہوتا ہے ظاہر ہے، اور ایسے شیخ کامل کی شہادت ظاہر ہے کیا وقعت رکھتی ہے۔

فقاہت اور قوت استنباط

تذکرہ نمبر ۹: پیشاب کر کے جو کلوخ سے استنجا خشک کرتے ہیں، میں یہ سمجھتا تھا کہ کسی حدیث مرفوع سے اس کا ثبوت نہیں۔ ایک بار حضرتؒ سے دریافت کیا، آپ نے فوراً استدلال میں یہ حدیث مرفوع پڑھ دی:

''استنزھوا من البول''

اور کلوخ لینا یقیناً استنزاہ میں داخل ہے، پس بالکل اطمینان ہو گیا۔ اس واقعے سے حضرت قدس اللہ سرہٗ کی فقاہت اور قوت استنباط اظہر من الشمس ہے۔

تذکرہ نمبر ۱۰: ایک بار میں نے، یا میرے سامنے کسی اور نے یہ پوچھا کہ ''یاجوج و ماجوج اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں یا نہیں؟'' فوراً ارشاد فرمایا کہ ''جانتے ہیں''، اور استنباط میں وہ حدیث ارشاد فرما دی کہ جب نکلنے کا وقت مقدر آئے گا تو دیوار کھود کر کہیں گے کہ ''ان شاء اللہ تعالیٰ کل یہاں سے نکل جائیں گے۔'' اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اللہ کو جانتے ہیں۔

تذکرہ نمبر ۱۱: تشہد میں جو رفع سبابہ (اشھد ان لا الٰہ الا اللہ) پر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا اور حلقہ بنا کر رکھنا۔ (اعجاز) کیا جاتا ہے، اس میں تردد تھا کہ اس اشارے کا بقا کس وقت تک کسی حدیث میں منقول ہے یا نہیں؟ حضرت قدس اللہ سرہٗ

کی حضور میں پیش کیا گیا، فوراً ارشاد فرمایا کہ

''ترمذی کی کتاب الدعوات میں حدیث ہے کہ آپ نے تشہد کے بعد فلاں دُعا پڑھی، اور اُس میں سبابہ سے اشارہ فرمار ہے تھے اور ظاہر ہے کہ دُعا قریب سلام کے پڑھی جاتی ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اَخیر تک اُس کا باقی رکھنا حدیث میں منقول ہے۔''

اس سے بھی سرعتِ انتقالِ ذہنی اور ملکہٗ استنباط بہ خوبی روشن ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ

''لوگ اس مسئلے کو باب التشہد میں ڈھونڈتے ہیں اور وہاں ملتا نہیں، اس سے سمجھتے ہیں کہ حدیث میں نہیں ہے۔''

جنگل میں رہنا پسندیدہ نہیں!

تذکرہ نمبر۱۲: ایک بار بعض وجوہِ خاصہ سے آبادی سے الگ خلوت اختیار کرنے کی پسندیدگی حضرت قدس سرہٗ کی حضور میں عرض کی گئی، فرمایا کہ

''ہمارے بزرگوں نے جنگل میں رہنا پسند نہیں کیا۔''

اس میں اِرشاد ہے مصلحت کی طرف، اور تنبیہ ہے کیدِ نفس پر۔ کیوں کہ بعض اوقات نفس کو ایسے خیالات سے وہی اُمور مقصود ہوتے ہیں جو اَحیاناً ایسے افعال پر از قبیل مفاسد مرتب ہو جاتے ہیں، یعنی شہرت و عجب و تحقیرِ خلق۔ اس سے شانِ ارشاد اور تربیت کی عیاں ہے اور اس عنوان سے کہ: ''ہمارے بزرگوں نے ...... الخ'' کس قدر تأدب و تواضع مترشح ہے کہ اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا۔

حضرت گنگوہیؒ کے دو احسان

تذکرہ نمبر۱۳: (متضمن بعض احساناتِ عظیمہ بریں آلودۂ ادناس ذمیمہ حسبِ ارشادِ نبوی: ''من لم یشکر الناس، لم یشکر اللہ''.

یوں تو ہر صحبت اور ہر مخاطبت میں کچھ نہ کچھ فیض و احسان فائض رہتا تھا لیکن خصوصیت کے ساتھ دو احسان زیادہ قابلِ ذکر ہیں:

ایک علم ظاہری کے متعلق، دوسرا باطن کے متعلق۔

اوّل کا مختصر بیان یہ ہے کہ میں مدت تک مسائل اختلافیہ میں اہل الحق و اہل البدعۃ کے متعلق باوجود صحت عقیدہ کے (والحمدللہ!) ایک غلطی میں مبتلا رہا، اور اس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال متفرع رہے، یعنی بعض اعمال رسمیہ مثل مجلس متعارف میلادشریف وامثالہ سے جو محققین بعض مفاسد کی وجہ سے عوام الناس کو مطلقاً اور ان عوام الناس کے ساتھ خواص کو بھی روکتے ہیں۔ ان مفاسد کو تو میں ہمیشہ مذموم اور ان کے مباشر کو ہمیشہ ملوم سمجھتا تھا، اور یہ صحت عقیدے کی تھی، اور عوام الناس کو ہمیشہ اُن مفاسد پر متنبہ اور مطلع کرتا رہتا تھا، لیکن یہ بات میرے خیال میں جم رہی تھی کہ علت نہی کی وہ مفاسد ہیں، جہاں علت نہ ہوگی معلول بھی نہ ہوگا۔ پس خواص جو کہ ان مفاسد سے مبرا ہیں ان کو روکنے کی ضرورت نہیں، اور اسی طرح عوام کو بھی علی الاطلاق روکنے کی حاجت نہیں، بلکہ اُن کو نفسِ اعمال کی اجازت دے کر اُن کے اُن مفاسد کی اصلاح کردینا چاہیے، بلکہ اس اجازت دینے میں یہ ترجیح اور مصلحت سمجھتا تھا کہ اس طریق سے تو عقیدے کی بھی اصلاح ہوجائے گی، جس کا فساد مدارِ نہی ہے، اور بالکل منع کردینے میں عوام مخالف سمجھیں گے اور عقیدے کی اصلاح بھی نہ ہوگی۔

ایک مدت اس حالت میں گزر گئی اور باوجود دائمی درس وتدریس، فقہ وحدیث وغیرہما کے کبھی ذہن کو اس کے خلاف کی طرف انتقال والتفات نہیں ہوا۔ حضرت قدس اللہ سرہٗ کا شکر یہ کس زبان سے ادا کروں کہ خود ہی غایت رافت وشفقت سے مولوی منور علی صاحب دربھنگوی مرحوم سے اس امر میں میری نسبت تأسف ظاہر فرمایا۔

اور اُسی غلطی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی واقع ہوا تھا کہ بعضے درویشوں سے جن کی حالت کا انطباق شریعت پر تکلف سے خالی نہ تھا، میں نے بہ خیال خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدَرَ بعض اَذکار واَشغال کی تلقین بھی حاصل کرلی تھی، اور آمدورفت اور صحبت کا بھی اتفاق ہوتا تھا، اور لزومِ مفاسد کی نسبت وہی خیال تھا کہ خواص کے عقائد خود دُرست ہوتے ہیں، وہاں مفسدہ لازم نہیں، اور عوام کو حق و باطل

پر تقریراً متنبہ کرتے رہنا دفعِ مفسدہ کے لئے کافی ہے۔ سو حضرتؒ نے خصوصیت کے ساتھ اس پر بھی تاسف ظاہر فرمایا، اور غایت کرم یہ قابل ملاحظہ ہے کہ جیسا حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غایت کرم و حیا سے بالمشافہ کسی پر عتاب نہ فرماتے تھے، اسی طرح حضرت قدس سرہٗ نے باوجود حاضری کرۃً بعد مرۃ کے بالمشافہ کبھی اس سے تعرض نہیں فرمایا، اور اس سے زیادہ لطف و کرم یہ کہ اگر کبھی کسی نے اعتراض کیا تو میرے فعل کی تاویل اور اُس کو محملِ حسن پر محمول فرمایا۔

اور اُسی غلطی کی ایک فرع یہ تھی کہ حضرت پیر و مرشد قبلہ و کعبہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریر در باب ممانعت تنازع و اختلاف مسائل معہودہ میں اجمالاً ارشاد فرمائی اور مجھ کو اُس کی تفصیل کا حکم دیا۔ چوں کہ میرے ذہن میں وہی خیال جما ہوا تھا، اس کی تفصیل بھی اسی کے موافق عنوان سے حیز تحریر میں لایا اور حضرت حاجی صاحبؒ کی حضور میں اس کو سنایا۔

چوں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بوجہ لزوم خلوت و قلت اختلاط مع العوام و بنا بر غلبۂ حسن ظن عوام کے حالت اور جہالت اور ضلالت پر پورا التفات نہ تھا، لامحالہ اُس مفصل تقریر کو پسند فرمایا، اور کہیں کہیں اُس میں اصلاح اور کمی بیشی بھی فرمائی، اور ہر چند کہ وہ عنوان میرا تھا مگر چوں کہ اصل معنون حضرتؒ نے از خود ارشاد فرما کر قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا، لہٰذا حضرتؒ نے اُس تقریر کو اپنی طرف سے لکھوایا اور خود اپنے دستخط و مہر سے مزین فرمایا اور اپنی ہی طرف سے اشاعت کی اجازت دی، جو بہ عنوان ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' شائع کر دیا گیا۔ جس کو بعضے کم سمجھوں (بریلوی کتب فکر مراد ہے۔ (اعجاز) نے اپنی بدعات کا موید سمجھا۔ وَاَنّٰی لَهُمْ ذٰلِكَ!

کیوں کہ ان مفاسد کا اُس میں بھی صراحتاً رد ہے۔ صرف خوش عقیدہ، خوش فہم لوگوں کو البتہ رخصت و وسعت اس میں مذکور ہے، جس کا مبنیٰ وہی خیال مذکور ہے کہ عوام کے مفاسد کا خواص پر کیوں اثر پڑے؟

غرض حضرت قدس اللہ سرہٗ نے اس سب کے متعلق مولوی منور علی صاحب سے تذکرہ فرمایا۔ مولوی صاحب نے احقر سے ذکر کیا تو حضرتؒ کے قوت فیضان سے اجمالاً تو مجھ کو فوراً اپنی غلطی پر تنبہ ہوگیا، لیکن زیادہ بصیرت کے لئے میں نے اس بارے میں مکاتبت کی بھی ضرورت سمجھی، چنانچہ چند بار جانبین سے تحریرات ہوئیں، اور وہ تحریرات سوانح (تذکرۃ الرشید) میں چھپ چکی ہیں۔ بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ کو بصیرت و تحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہٖ تعالیٰ اطلاع ہوگئی، اور اس پر اطلاع ہونے سے ایک باب عظیم علم کا جو کہ مدت تک مغلق تھا، مفتوح ہوگیا۔

جس کا ملخص یہ ہے کہ مدارِ نہی فی الواقع فسادِ عقیدہ ہی ہے، لیکن فسادِ عقیدہ عام ہے، خواہ فاعل اُس کا مباشر ہو خواہ اُس کا سبب ہو۔ پس فاعل اگر جاہل عامی ہے تو خود اُسی کا عقیدہ فاسد ہوگا، اور اگر وہ خواص میں سے ہے تو گو وہ خود صحیح العقیدہ ہو مگر اس کے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہوگا اور فساد کا سبب بننا بھی ممنوع ہے، اور گو تقریر سے اس فساد پر تنبیہ عوام کی ممکن ہے مگر کُل عوام کی اس سے اصلاح نہیں ہوتی، اور نہ سب تک اس کی تقریر پہنچتی ہے۔ پس اگر کسی عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا تو سنا اور اصلاح کا مضمون اس تک نہ پہنچا تو یہ شخص اس عامی کے ضلال کا سبب بن گیا، اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بن جائے تو برا ہے، اور ہر چند کہ بعض مصلحتیں بھی فعل میں ہوں۔

لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل میں مصلحت اور مفسدہ دونوں مجتمع ہوں اور وہ فعل شرعاً مطلوب بالذات نہ ہو، وہاں اس فعل ہی کو ترک کردیا جائے گا۔ پس اس قاعدے کی بنا پر ان مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نہ کریں گے بلکہ ان مفاسد سے احتراز کے لئے اس فعل کو ترک کردیں گے۔ البتہ جو فعل ضروری ہے اور اس میں مفاسد پیش آئیں، وہاں اس فعل کو ترک نہ کریں گے بلکہ حتی الامکان ان مفاسد کی اصلاح کی جائے گی۔ چنانچہ احادیث نبویہ و مسائل فقہیہ سے یہ سب احکام و قواعد ظاہر ہیں۔ ماہر پر مخفی نہیں۔

ان میں سے کسی قدر رسالہ ''اصلاح الرسوم'' میں بندے نے لکھ بھی دیا ہے۔

جب میرے اِس خیال کی اصلاح ہوگئی تو اس کے سب فروع و آثار کی اصلاح بفضلہٖ تعالیٰ ہوگئی۔ چنانچہ خلاف شریعت درویشوں کی صحبت و تلقی سے بھی نجات ہوئی، اور ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کے متعلق بھی ایک ضروری ضمیمہ لکھ کر شائع کر دیا گیا، جس سے اُس کے متعلق اہلِ افراط وتفریط کے سب اوہام کو رفع کر دیا گیا۔

اور دوسرا احسان متعلق باطن کے، سو اس کی تفصیل میں چوں کہ مخفیات کا اظہار بھی ہے، اور نیز وہ قصہ بھی نہایت دردناک اور ناگوار ہے، اس لئے محض اس اجمال پر اکتفا کرتا ہوں کہ میری شامتِ اعمال وکثرتِ معاصی سے مجھ پر ایسی ایک حالتِ شدید طاری ہوئی تھی کہ باوجود صحت بدنی کے زندگی سے مایوسی تھی، بلکہ موت کو ہزار ہا درجے حیات پر ترجیح دیتا تھا، اور اس کو اس سے زیادہ عنوان سے تعبیر نہیں کر سکتا کہ

دو گونہ رنج وعذاب ست جان مجنوں را بلائے فرقت لیلیٰ ووصلت لیلیٰ

اس وقت حضرت قدس سرہٗ نے دعا و تعلیم و ہمت سے خاص توجہ فرمائی، جس سے ہوش وحواس دُرست ہوئے اور جان میں جان آئی، اور اس حالت کے طریان کے اور پھر اس کے زوال کے منافع بحمد اللہ محسوس ہوئے۔ ان دونوں احسانوں کو اُمید ہے کہ عمر بھر نہ بھولوں گا، اور حکم بھی یہی ہے: من لم یشکر الناس، لم یشکر اللہ!

ہنسی کی کیفیت

تذکرہ نمبر ۱۴: ایک دقیق کمال حضرت قدس سرہٗ میں یہ پایا کہ کبھی ہنسنے کی آواز نہیں سنی گئی، یا زیادہ کھل کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔

غصے میں سنت

تذکرہ نمبر ۱۵: اسی طرح کبھی مغلوب الغضب نہیں پائے گئے، اور یہ دونوں امر شعبے ہیں اتباعِ سنت کے طبعی ہو جانے کا۔

دیہاتیوں کے ساتھ برتاؤ

تذکرہ نمبر ۱۶: حدیثوں میں جیسا برتاؤ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیہاتیوں کے ساتھ آیا ہے، اس کا نمونہ حضرت قدس اللہ سرہٗ میں دیکھا کرتے تھے۔

ذِکر زیادہ باتیں کم

تذکرہ نمبر ۱۷: قلتِ کلام اور کثرتِ ذکر کے مفہوم کا مصداق اتباعِ سنت کے حدود کے ساتھ کسی نے حضرت قدس سرہٗ کے برابر کہیں کم دیکھا ہوگا۔

تذکرہ نمبر ۱۸: خوش مزاجی وقار کے ساتھ حضرت قدس سرہٗ میں عجیب لطافت کے ساتھ پائی جاتی تھی۔

دل جوئی کرنا اور تسلی دینا

تذکرہ نمبر ۱۹: دل جوئی اور تسلی جس بلیغ اور سلیس طرز پر حضرت قدس سرہٗ میں دیکھی، بہت کم اس کی نظیر پائی جاسکتی ہے۔ ایک بار ایک شخص نے اپنا خواب عرض کیا تھا کہ گویا آپ کی وفات ہوگئی ہے اور اس خواب نے اس کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ آپ نے نہایت بے ساختگی سے ارشاد فرمایا کہ "بھائی! تمہارے سامنے زندہ تو بیٹھا ہوں، اور آخر کبھی تو مروں ہی گا، مگر یہ کیا ضرور ہے کہ خواب کے ساتھ ساتھ تعبیر بھی واقع ہوجائے؟"

ذِکر کی کثرت کا نتیجہ

تذکرہ نمبر ۲۰: قدرتی طور پر، اور میرا گمان یہ ہے کہ کچھ کثرتِ ذکر سے مزاج میں لطافت اور ذکائے حس اس درجے تھی کہ ادنیٰ اَمرِ موذی سے متاذی ہوتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ضبط اس کمال کا تھا کہ جہاں اظہار سے کسی کی تاذی کا احتمال ہوتا تحمل فرماتے تھے۔

خدام میں اتحاد پسند تھا

تذکرہ نمبر ۲۱: اپنے خدام اور منتسبین میں اتفاق کو بہت محبوب رکھتے اور کبھی

کسی کی شکر رنجی کی اطلاع ہوتی تو توافق میں سعی فرماتے۔

تذکرہ نمبر۲۲: اپنے مخلصین کے ساتھ حسن ظن نہایت درجے رکھتے۔

تذکرہ نمبر۲۳: استقلال اس درجے تھا کہ بڑے بڑے حوادث سے از جارفتہ نہ ہوتے۔

ہیبت خداداد

تذکرہ نمبر۲۴: ہیبت خداداد اس درجے تھی کہ باوجود آپ کی غایت خوش اخلاقی ونرم مزاجی کے بڑے بڑے ہمت وجرأت والوں کا حوصلہ نہ ہوتا تھا کہ آپ کے سامنے زیادہ کلام کرسکیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی صحبت کی برکات

تذکرہ نمبر۲۵: آپ کی صحبت میں یہ اثر تھا کہ کیسی ہی پریشانی یا وساوس کی کثرت ہو، جوں ہی آپ کی صحبت میں بیٹھے اور قلب میں ایک خاص قسم کا سکینہ اور جمعیت حاصل ہوئی، جس سے سب کدورات رفع ہوگئیں، اور قریب قریب آپ کے کل مریدوں میں عقائد کی درستی، دین کی پختگی خصوص حب فی اللہ و بغض فی اللہ بہ درجۂ کمال مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ یہ سب برکت آپ کی صحبت کی ہے، اور ان کمالات کی شہادت میں بے شمار واقعات موجود ومشہور ہیں۔

''رحمۃ اللہ علیہ'' اور ''قدس سرہٗ'' کی عجیب تفسیر

تذکرہ نمبر۲۶: یہ بعض واقعات وکمالات حضرت قدس سرہٗ کے متعلق عالم یقظہ کے ہیں، اور عالم رُویا میں بھی بعض اُمورِ مبشرہ معلوم ہوئے۔ گو اس احقر کا ذب الاقوال وکاذب الاحوال کے اکثر خواب بھی میرے قال وحال ہی کے مثل ہیں، اور وہ کسی طرح استناد واعتماد کے قابل نہیں، مگر محض دوستوں کے جی خوش کرنے کے لئے حضرتؒ کے متعلق اپنے دو خواب ذکر کرتا ہوں۔ ایک حضرتؒ کی

حیات میں دیکھا تھا اور ایک بعد وفات!

خوابِ اول یہ ہے کہ کوئی مجھ سے کہتا ہے کہ ''حضرت مولانا رشید احمد صاحب قطب ہیں''، یا یوں کہا: ''قطب الارشاد ہیں۔''

دوسرا جو بعد وفات دیکھا یہ ہے کہ میں نے حضرتؒ کے نام کے ساتھ ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہا تو کسی نے یوں کہا کہ ''نہیں! قدس سرہٗ قدس اللہ سرہٗ کہو۔''

خوابِ اوّل تو محتاجِ تعبیر نہیں، اس لئے صرف دُوسرے خواب کے معنی حسب اپنے فہم کے لکھتا ہوں کہ اس خواب کا یہ مطلب نہیں کہ ''رحمۃ اللہ علیہ کہنا ممنوع ہے، یا یہ کہ ''رحمۃ اللہ علیہ'' اپنے مفہوم میں ''قدس سرہٗ'' سے گھٹا ہوا ہے، بلکہ اصل یہ ہے کہ بعض اوقات الفاظ وعبارات متحدۃ المعنی میں حسب عرف کچھ تمائز اور تغائر بھی ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' بجز انبیا کے کسی کے لئے اطلاق نہیں کیا جاتا۔ ''رضی اللہ عنہ'' اس وقت بجز سلف کے کسی کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ پس اسی طرح اس وقت عرفاً ''رحمۃ اللہ علیہ'' عموماً صلحا کے لئے بولا جاتا ہے اور ''قدس سرہٗ'' خاص اکابر اولیا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس مقصود اس سے تنبیہ ہے کہ حضرتؒ اس درجے کے اکابر میں سے ہیں۔ واللہ اعلم!

تذکرہ نمبر ۲۷: حضرت قدس سرہٗ کی بعض تحریرات عام اور خاص مضامین کی بھی میرے پاس تھیں، جو میں نے مکرمی مولانا محمد یحییٰ صاحب (شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے والد گرامی۔ (اعجاز) کو دے دی تھیں، جن میں بعضی خاص دستِ مبارک کی لکھی ہوئی ہیں، اور بعضی بعد معذوریٔ بصر کے دیگر خواص معتمدین سے لکھوائی ہوئی ہیں۔ چوں کہ مولوی صاحب بہ شرط مصلحت اُن کی اشاعت فرما سکتے ہیں، لہٰذا میں نے ان اوراق میں اُس کو شامل کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

تذکرہ نمبر ۲۸: اخیر میں یہ بات بھی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتی ہے کہ بعض حضرات کو قلت فہم یا غلبۂ حسد کی وجہ سے حضرتؒ پر کچھ اعتراضات بھی ہیں (وہی

بریلوی مکتبِ فکر مراد ہے) مگر اُن سب اعتراضات کے مبادی اور مناشی اعلیٰ درجے کے کمالات ہیں، جو حسبِ قولِ سعدیؒ: ع

عیب نماید ہنرش در نظر!

بعض کو بہ شکل اعتراض نظر آتے ہیں۔ اُن سب کا جواب یہ ہے:

ولا عیب فیهم غیر ان سیوفهم　　بهن فلولٌ منْ قراعِ الکتائب

مادۂ تاریخِ وفات

تذکرہ نمبر۲۹: حضرت قدس سرہٗ کی وفات کا تاریخی مادہ احقر کے خیال میں یہ آیا تھا: **مولانا عاش حمیدًا مات شهیدًا.** جس سے ۱۳۲۳ھ نکلتا ہے۔

تذکرہ نمبر۳۰: چوں کہ حضرت قدس سرہٗ کے خواص اور اَخص الخواص سوانح مبارکہ لکھنے پر متوجہ ہیں، جو علم میں، اطلاع میں، فہم میں، تحقیق میں درجۂ علیا رکھتے ہیں اور جن کے ساتھ خود اس ناکارہ کو نسبتِ خادمیت و نیازمندی ہے، اس لئے اس قدر لکھنا بھی اگر بعض خُلص (مراد اس سے مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی ہیں۔ مولانا موصوف نے "تذکرۃ الرشید" کے نام سے نہایت تفصیلی حالات لکھے ہیں) احباب کی حکم برداری اور خود بھی شمولِ برکت کی اُمید نہ ہوتی تو غیر ضروری اور خلافِ ادب تھا۔

یکم ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (۱۶ جنوری ۱۹۰۷ء)

آج چراغِ دین بجھ گیا

قطعۂ تاریخ رحلت رأس المحدثین، سلطان العارفین

حضرت جناب مولانا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ

حامیٔ دینِ احمدِ مرسل — واقفِ رمزِ قادرِ مطلق
ہادیٔ اہلِ شرع واہلِ ورَع — رہبرِ دِین و ملتِ برحق
عالمِ علمِ ظاہر و باطن — جن سے لیتی تھی عقلِ کل بھی سبق
اہلِ ہوش آپ کی ہدایت سے — کرتے تھے امتیازِ باطل و حق
حل کیے مسئلے وہ حضرتؒ نے — علما جن کو جانتے تھے ادق
کشورِ زہد و ملکِ عرفاں کا — آپؒ کی ذات سے تھا نظم ونسق
آپؒ کے فیض اور افادت سے — ہوئے مطلوب تھے جو طالبِ حق
کبھی ساکت مراقبے میں مرید — کبھی مستانہ نعرۂ ہو حق
حضرتِ مولوی رشید احمد — حق تھا اُن کی طرف وہ جانبِ حق
گئے دُنیا سے سوئے دارِ بقا — اُن کی رحلت کا ہے جہاں کو قلق
خاک سر پر اُڑا رہی ہے صبا — رنگ چہرے کا ہے گاون کے فق
آنکھیں ہیں قدسیوں کی بھی خوں بار — کہہ رہی ہے یہ آسمان کی شفق
مثلِ برگِ گلِ خزاں دیدہ — ہیں پریشان کتابِ دِل کے ورق
صیغۂ آہ و صیغۂ فریاد — مصدرِ غم سے دونوں ہیں مشتق
کیا کرے کوئی شرح اس غم کی — سینۂ کلک و زبان بھی ہے شق
سال رحلت میں فکر کشتہ کا — تھا بہت بے قرار مستغرق
بول اُٹھا دِل زروئے حزن و الم — ہوئے مرشدِ رشید واصلِ حق

۱۳۲۳ھ

راقم کشتہ دیوبندی..... مقیم فتح گڑھ

ضمیمہ۔۱

تمہید

از: حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھیؒ

سب سے مقدم اس مراسلے کا ہدیہ ناظرین کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اور مولانا الحافظ الحاج قاری شاہ اشرف علی تھانوی مدظلہٗ کے مابین ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۷ء) میں پیش آیا۔ چوں کہ علامہٗ زمن مولانا اشرف علی صاحب زید مجدہٗ کا تبحر علمی ہندوستان کے ہر ہر عالم کو تسلیم ہے، اس لئے شکوک وشبہات کی تقویت اسی سے اندازہ ہوسکتی ہے، اوراس کے ساتھ ہی مولانا تھانوی دام ظلہٗ کا وہ طبعی خداداد جوہر قابل لحاظ ہے جس کو سلامتیٔ قلب، اطاعت حق، فروتنی وہیچ مدانی اور سچا اسلام یعنی گردن نہادن بہ طاعت کہا جاتا ہے۔ آپ کا رجوع الی الحق جو تکبر ونخوت علمی سے بےلوثی کی علامت اور برحق علم کے سچے اثر کا ثمرہ ہے، آپ کے کمال کو اس حد تک پہنچا رہا ہے کہ واللہ العظیم! مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں دھو کر پینا نجات اخروی کا سبب ہے۔ یہ امتثال واذعان کی مثال علمائے زمانہ کے لئے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ پائیدار یادگار ہے جو مردہ سنت کے زندہ کرنے میں اس چودھویں صدی کے اندر سب سے پہلے مولانا کے ہاتھوں ظاہر ہوئی۔ چوں کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ میرے عقیدے میں سرتاج علما ہونے کے علاوہ خود میرے محترم پیشوا اور دینی آقا ہیں، اس لئے اس پاکیزہ تحریر کو جوان شاء اللہ قیامت کے ہولناک دن میں مغفرت کی دستاویز اور قلبی سلامتی وایمان کی مہری سند بنا کر علی رؤس الاشہاد مولانا کے

ہاتھ میں دی جائے گی، سوانح میں شائع کرتا ہوں، تاکہ احیائے سنت میتہ کی کسی درجے میں تائید کا حصہ مجھ ناکارہ کو بھی مل جائے اور تھانوی آقا کی کسی ادنی مرتبے میں حشر کے دن مجھے بھی معیت نصیب ہو جائے۔

پہلا مکتوب از حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

نظر و فکر کا اظہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ تعالیٰ والسلام علی رسوله الافضل الا علی، اما بعد من العبد الذليل الى المخدوم المطاع الجليل!

السلام عليكم ورحمة الله واليكم يشتاق قلبى الاواه وبعد فقد اجتمعت فى هذا الايام بالمولوى منور على فقال ان حضرت مولانا ساخطون عليك لاختيارك طريق بعض اقاربك الذى بغائر طريقهم فعليك ان تعتذر اليهم وترضيهم فتوجعت بهذا الخبر توجعا فظيعا وتالمت تالما وجيعا لكن مالمت الانفسى ومارايت شيئا غير الصدق ينجى فيا مولانا والله انى كنت فى ذلك الزمان غريقا فى بحار الحيرت والطلب واتطلع الى من يخلصنى من ذاك الوصب والنصب واتطلع الى من يخلصنى من ذاك الوصب والنصب اذ نادى مناد من قريب من غير ارادتى وقصدى هات يدك بيدى انجيك من هذا البحر اللجى وان الغريق يتثبت بكل حشيش لما هو فيه من التهويش والتشويش وقد كنت من وراء البحار من حبيبى ومغيثى وطبيبى ومع هذا ما تركت بحمدالله يوما العمل بقول الا كابر خذما صفا ودع ما كدر ثم كما ساعدنى الجد بلثم تراب نعليه وحضرت لديه جدت

الارادة ليكون علما عسى ان يكون فات اعاده فلما رجعت ازددت ظما و اكادا حسب السراب ماورايتنى لا ازداد الاحيرة ووحشة وضيقا دهشة كتبت الى حبيبى ماوقع من الحال وناديت بالبلبال:

یا مرشدی یا موئلی یا مغزعی   یا ملجائی فی مبدئی ومعادی
ارحم علی یا غیاث فلیس لی   کهفی سوی حبیبکم من زاد
فاز الانام بکم وانی هائم   فانظر الی برحمة یاهاذ
یاسیدی لله شیئا انه   انتم لی المجدی وانی جادی

فعذرنی ونصرنی وقال حبا و کرامه واقمنی علی ساحل السلامة فرنمت شوقا وتبنیت ذوقا:

دوش وقت سحر از غصه بہ خاتم دادند   واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند
کیمیائی ست عجب بندگی پیر مغاں!   خاک او گشتم وچندیں در جاتم دادند

قد لسعت حية الهوى كبدى   فلا طبيب لها ولا راقى
الا الحبيب الذى شغفت به   فعنده رقيتى وترياقى

وانی والله قد رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا وبشیخی امداد الله للعالمین مرشدا وولیا وبکم یا مولانا هادیا مهدیا فهذا الذی ذکر کان من خبری وحقیقة امری فبالله هو عین الصدق ومحض الحق ماکان فیه من کذب ولا شعر ولا خداع ولا سحر فیا سیدی لله ان تقبلوا عذری بخلقکم العظیم ولا تصغوا الی کل هماز لماز مشاء بنمیم ولا تخرجونی من الجماعة فانی ارجوا ان اکون معکم یوم تاتی الساعة لکن لا تطیق همتی ان انا هذبا لمخالفته مع الاعلان عسی ان یکون من الله تعالٰی مکان فایذاوه یوجب الهوان

والخسران فانی احسبه من فرقة اهل الملامة ولكن ليس بمنصب الامامة نعم التزمت على نفسی انكار طريق يخالف السنة والكتاب على راس المنبر والمحراب وان من مصلحتی ان يكتم هذا السر لئلا يلحقنی الضر والشر وهو المامول من جنابكم ومن قاری كتابكم ولعل الله يحدث بعد ذلك امرا ويكون هذا السر جهرا وها انا قد اشتد الانتظار منی ان تبشرونی برضاكم عنی رضی الله عنا وعنكم وعن جميع المسلمين، بحق سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم ابد الابدين.

۲۹ ذوالقعدہ ۱۳۱۴ھ

(یکم مئی ۱۸۹۷ء)

ترجمہ: ''اللہ کے لئے ہے سب تعریف اور سلام اس کے افضل واعلیٰ پیغمبر پر۔

اس کے بعد از بندۂ ذلیل بہ خدمت مخدوم و مطاع جلیل! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

اور مشتاق دل کے اظہار شوق کے بعد عرض ہے کہ دریں ایام مولوی منور علی صاحب سے ملنے کا بندے کو اتفاق ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت مولانا تم سے ناراض ہیں، کیوں کہ تم نے اپنے بعض اقارب کا وہ طرز عمل اختیار کرلیا ہے جو حضرت کے طریق عمل کے خلاف ہے۔ پس ضرور ہے کہ آپ معذرت کریں اور مولانا کو راضی کریں۔ یہ خبر سن کر مجھے نہایت صدمہ اور بہت رنج ہوا۔ اپنے آپ کو میں نے ملامت کی اور سچ کے سوائے کسی شئے کو نجات دینے والا نہ سمجھا۔

پس اے ہمارے آقا! میں اس وقت حیرت اور طلب کے دریا میں ڈوبا ہوا تھا اور اس بات کا متجسس تھا کہ کوئی مجھ کو اس رنج و فکر سے چھڑا لے۔ ناگاہ میرے قصد اور ارادے کے بغیر قریب سے ایک منادی نے مجھے پکارا کہ لا اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے، تجھے اس گہرے سمندر سے نجات دوں گا۔

اور ظاہر ہے کہ ڈوبتا ہوا شخص تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے، کیوں کہ وہ پریشانی و

تشویش میں مبتلا ہے، اور میرا تو یہ حال تھا کہ اپنے پیارے فریاد رس طبیب (اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ) سے کئی دریار پار پڑا تھا (پس اس ندا کی طرف جھک گیا) مگر باوجود اس کے میں نے بزرگوں کی اس نصیحت کو ایک دن بھی نہ چھوڑا کہ صفا صفا لے لو گدلا گدلا چھوڑ دو۔ پھر جب میری سعی نے ندا کنندہ کی خاک بوسی نعلین تک مجھ کو پہنچادیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے بیعت کی تجدید کر لی، اس امید پر کہ شاید مافات کی مکافات ہو جائے۔ جب واپس ہوا ہوں تو پیاس بڑھی ہوئی پائی اور قریب تھا کہ (دھوکہ کھاؤں) سپید ریت کو رکا ہوا پانی سمجھ جاؤں، اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ سوائے حیرت وتوحش کی زیادتی اور تنگ دلی ودہشت کی ترقی کے کچھ نہ پایا، تب میں نے اپنے محبوب کو سارا حال لکھ بھیجا۔ دل سے یوں عرض کیا: میرے مرشد، میرے مولیٰ، میری وحشت کے انیس، میری دنیا کے میرے دین کے جائے پناہ! میرے فریاد رسا مجھ پر ترس کھاؤ کہ میں آپ کی حب کے سوا رکھتا نہیں توشۂ راہ۔ خلق فائز ہو آپ سے اور میں حیران۔ رحم کی ہادی سن اب تو ادھر کو بھی نگاہ میرے سردار! خدا واسطے کچھ تو دیجیے۔ آپ معطی ہیں میرے میں ہوں سوالی اللہ!

پس اعلیٰ حضرت نے میری معذرت قبول فرمائی اور مدد کی اور محبت و بزرگی کے ساتھ لیا اور سلامتی کے کنارے پر لا کھڑا کیا، جس کے سبب بہ شوق میں نے اس طرح نغمہ سرائی کی اور بہ ذوق یہ ابیات پڑھے:

دوش وقت سحر از غصہ بہ خاتم دادند
واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند
کیمیائی ست عجب بندگی پیر مغاں
خاک او گشتم وچندیں در جاتم دادند

❁❁❁

ڈس لیا عشق کی ناگن نے کلیجہ میرا
کون منتر پڑھے اور کس سے رکھوں جان کی آس
ہاں وہ جاناں کہ مری جان ہے جس پر قرباں
جھاڑنا جانتا ہے رکھتا ہے تریاق کو پاس

اور میں بہ خدا راضی ہوا۔ اللہ کو رب سمجھنے سے اور اسلام کو دین بنانے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے اور اپنے شیخ حضرت امداد اللہؒ کو عالم کا مرشد اور ولی اور آپ کو اے ہمارے آقا: رہبر اور ہدایت یاب سمجھنے سے، سو جو کچھ عرض ہوا یہ ہے میرا قصہ اور حقیقت الامر جو بہ خدا عین صدق اور محض حق ہے، جس میں نہ جھوٹ ہے نہ افترا، اور نہ دھوکہ ہے نہ مزاح۔ پس اے میرے سردار! اللہ واسطے میرا اعذر اپنے اخلاق سے قبول فرما اور کان بھی نہ لگایئے کسی بدگو عیب چیں چغل خور کی طرف۔ مجھے اپنی جماعت سے ہرگز خارج نہ سمجھئے، میں تو واقعی امید رکھتا ہوں کہ آپ کے ساتھ محشور رہوں گا قیامت کے دن، ولیکن میری ہمت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی کہ کھلم کھلا (ندا کنندہ) کی مخالفت کرنے لگوں۔ کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارتبہ ہو؟ پس اس کو ایذا پہنچانی موجب ذلت وخسارہ بن جائے۔ اس میں شک نہیں کہ میں اس کو مستحق ملامت گروہ میں سمجھتا ہوں ولیکن امامت کا منصب نہیں (کہ روک سکوں) ہاں اپنے نفس پر میں نے لازم سمجھ لیا ہے کہ جو طریق سنت وکتاب اللہ کے مخالف ہو اس کا انکار بالائے ممبر اور اندرون محراب کرتا رہوں، اور میری مصلحت اس کی مقتضی ہے کہ یہ راز مخفی رہے تاکہ مجھے کوئی ضرر یا شر نہ پہنچے، اور اسی کی آپ کی جناب سے اور نیز خطوط کے پڑھنے والے سے امید بھی ہے۔ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا فرمادیں اور یہ راز آشکارا ہوجائے۔ مجھے سرتاپا انتظار تصور فرمائیں اس کا کہ آں حضرت کے مجھ سے راضی ہوجانے کا مژدہ مجھ تک پہنچے۔ حق تعالیٰ سدا راضی رہیں ہم سے اور آپ سے اور تمام مسلمانوں سے طفیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے"۔

جواب اوّل از حضرت گنگوہیؒ

طریق بزرگان سے روگردانی کرنے والا خلف رشید نہیں ہے:

اما بعد حمد الله علی نواله والصلوة علی رسوله محمد واله وقد وصلت صحیفتکم الی وقرات رقیمتکم علی حتی تبینت معذرتکم لدی فحبالکم ان اجبتم طریق السنة ولا شقاق بیننا بعد ذاک ولا ظنه غیر انی اسمع منکم ترتکبون اموراهی عندی بدعة ولعلکم لم تظنوها داخلة فی تلک الشرعة لکن هذا من مثلکم بعید ولیس المعرض عن سبل الاسلاف برشید واما بادرة البیعة ثم التدارک عنها بالرجعة فما احمد هذا العود واحسن لولا انکم تبتم سرا واتیتم الذنب بالعلن مع ان التوبة علی حسب الحوبة کیف وانتم ممن یقتدی به فی دیارة حتی ان بیعتکم هذه زادته بهجة فی امصاره وقد قال النبی صلی الله علیه وسلم من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الی یوم القیٰمة ومن سن سنة سیئة فعلیه وزرها و وزر من عمل بها الی یوم القیامة وقال من وقر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ هدم الدین فاخاف ان یول الیکم وزر هذا التضلیل هذا وانتم اعلم بکم والله علی مانقول وکیل۔

۵/ذوالحجة ۱۳۱۴ھ

(۷مئی ۱۸۹۷ء)

ترجمہ: ''اللہ کی عطاؤں پر اس کی حمد، اور اسکے رسول اور آل رسول پر صلوٰۃ کے بعد مطالعہ فرمائیں۔ آپ کا خط پہنچا، مضمون پڑھا، آپ کی معذرت ظاہر ہوئی۔ مجھے آپ سے محبت ہوئی کہ آپ نے طریق سنت کو محبوب سمجھا۔ اب تو مجھ میں آپ میں

کوئی امر خلاف اور بدگمانی کا رہا ہی نہیں بہ جز اس کے کہ میں سنتا ہوں آپ چند اُمور ایسے اختیار کیے ہوئے ہیں کہ جو میرے نزدیک درست نہیں اور شاید آپ بھی ان کو شریعت میں داخل تو نہ سمجھتے ہوں گے، تاہم آپ جیسے شخص سے اتنا بھی بعید ہے۔ اپنے بزرگوں کے طریق سے روگردانی کرنے والا صاحب رشد وخلف رشید نہیں ہے۔

اب رہا (اس شخص سے) بیعت میں جلدی کرنا اور پھر اس سے رجوع کے ساتھ اس کی تلافی، سو اس کو میں پسند نہیں کرتا کہ گناہ تو اعلانیہ ہوا اور توبہ خفیہ؟ یہ ظاہر ہے کہ توبہ حسب گناہ ہونی چاہئے۔ بھلا یہ پوشیدہ توبہ کیوں کر کافی ہوسکتی ہے؟ حالانکہ اس شخص کے اطراف بلاد میں لوگ آپ کا اقتدا کرتے ہیں حتیٰ کہ آپ کی بیعت نے ان اطراف میں اس شخص کی رونق بڑھا دی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں:

"جس نے کسی طریق مستحسن کی بنا ڈالی تو اس کو اس کا بھی اجر ملے گا، اور جو بھی اس طریق پر عمل کرے گا سب کا اجر اس کو حاصل ہوگا، اور جس نے کسی برے طریق کی ڈگر ڈالی تو اس پر اس کا بھی گناہ ہے اور ان سب کا وبال اس کی گردن پر ہے جو آئندہ اس پر عمل کریں گے۔"

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جس شخص نے بدعتی کی توقیر کی اس نے دین کے منہدم کرنے میں اعانت کی، پس مجھے تو اس کا اندیشہ ہے کہ دوسروں کو گم راہ بنانے کا گناہ آپ پر نہ ہو۔ بہ غور سوچئے اور آئندہ آپ اپنے حال سے زیادہ واقف ہیں۔ وَاللہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ!

دوسرا مکتوب از حضرت تھانویؒ، خیالات کا اظہار

بہ حضور لامع النور مخدوم ومطاع نیازمندان دامت فیوضہم وبرکاتہم

بعد تسلیم خادمانہ عرض ہے: والا نامہ ۸/ ذوالحج (۱۳۱۴ھ/ ۱۰ مئی ۱۸۹۷ء) کو شرف صدور لایا، معزز وممتاز فرمایا۔ قلب حزیں کو تسلی ہوئی۔ اب تک اس سوچ میں کہ

کیا عرض کروں؟ جواب میں تاخیر ہوئی، مگر چوں کہ اظہار مرض میں شرم کرنے سے معالجہ بگڑتا ہے، اس لئے کچھ عرض کرنا ضروری معلوم ہوا۔

جن دو امروں کی نسبت حضور نے ارشاد فرمایا وہ بہت صحیح اور بجا ہے۔ فی الواقع مجھ کو ان میں ابتلا ہوا، اب حضور کے الطاف و اخلاق کے وثوق پر دونوں امر کی نسبت بے تکلف اپنے خیالات ظاہر کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ اس میں غور فرما کر جو حکم میری حالت کے مناسب ہو صادر فرمایا جائے۔ خدا کی قسم! میں جو کچھ لکھتا ہوں محض استشارہ واسترشاداً لکھتا ہوں۔ نعوذ باللہ طالب علمانہ قیل و قال مقصود نہیں، اور میں سچے دل سے پکا وعدہ کرتا ہوں کہ بعد حصول شفائے قلب جس طرح حکم ہوگا اس میں ہرگز حیلہ وعذر نہ ہوگا۔ امید ہے کہ میری بے تکلفی کو معاف فرمایا جائے کیوں کہ بدوں (بلا) اظہار اپنے جمیع مافی الضمیر کے جواب شافی نہیں ہوتا:

چنداں کہ گفتیم غم باطبیباں　　در ماں نہ کردند مسکین غریباں
ما حال دل را بایار گفتیم　　نہ تو ان نہ ہفتن درد از طبیبان

امر اوّل شرکت بعض مجالس کی، الحمد للہ مجھ کو نہ غلو وافراط ہے نہ اس کو موجب قرب سمجھتا ہوں مگر توسع کسی قدر ضرور ہے اور منشا اس توسع کا حضرت قبلہ و کعبہ کا قول و فعل ہے، مگر اس کو حجۃ شرعیہ نہیں سمجھتا، بلکہ بعد ارشاد اعلیٰ حضرت کے خود بھی میں نے جہاں تک غور کیا اپنے فہم ناقص کے موافق یوں سمجھ میں آیا کہ اصل عمل تو محل کلام نہیں ہے، البتہ تقییدات و تخصیصات بلاشبہ محدث ہیں۔ سو اس کی نسبت یوں خیال میں آیا کہ ان تخصیصات کو اگر قربت وعبادت مقصودہ سمجھا جائے تو بلاشک بدعت ہیں اور اگر محض امور عادیہ مبنی بر مصالح سمجھا جائے تو بدعت نہیں بلکہ مباح ہیں، گو مباح کبھی بہ وجہ واسطہ عبادت بن جائے کے لغیرہ عبادت سمجھ لیا جائے۔ چناں چہ بہت سے مباحات کی یہی شان ہے، اور میرے فہم ناقص میں تخصیصات طرق اذکار واشغال اسی قبیل سے معلوم ہوئی، جو کہ اہل حق میں بلا نکیر جاری ہیں۔ کوئی معتد بہ فرق تامل

سے بھی نہ معلوم ہوا۔ ہاں ان تخصیصات کو کوئی مقصود بالذات سمجھنے لگے تو ان کے بدعت ہونے میں بھی کلام نہ ہوگا۔

اس کے ساتھ ایک اور خیال بھی آیا کہ گو اس صورت میں یہ بدعت اعتقادی نہ ہوگا مگر اس کا اہتمام والتزام بدعت عملی تو ہوگا، لیکن خصوصیات طرق ذکر اس میں بھی ہم پلہ معلوم ہوئے۔

تیسرا اور خیال ہوا کہ گو ایسے فہیم آدمی کے حق میں بدعت نہ ہوگا مگر چوں کہ عوام کو اس سے شبہ اس کی ضرورت یا قربت کا ہوتا ہے ان کے حفظ عقیدہ کے لئے یہ واجب الاجتناب ہوگا مگر اس کے ساتھ ہی یہ احتمال ان تخصیصات اذکار میں بھی نظر آیا کہ اکثر عوام اس طریق کی خصوصیات کو بہت ضروری سمجھتے ہیں اور علماً وعملاً ان کا پورا التزام کرتے ہیں مگر ان کا خیال خواص کے فعل میں موثر نہیں سمجھا جاتا۔

چوتھا خیال ایک اور پیدا ہوا کہ سب کچھ سہی مگر یہ خصوصیات بعض قواعد واصول فقہ حنفی کے خلاف معلوم ہوتے ہیں مگر یہی امر ان خصوصیات اعمال واشغال میں بھی معلوم ہوا، بلکہ ذکر جہر وغیرہ تو امام صاحبؒ کے قول کے صریح خلاف ہے، مگر باوجود ان سب قصوں کے جب خصوصیات طرق سلوک شائع وذائع ہیں تو اس سے یوں سمجھ میں آیا کہ تخصیص وہی بدعت ہوگی جو عقیدتاً ہو اور التزام بھی وہی ممنوع ہوگا جس کے ترک پر شرعی حیثیت سے ملامت ہو اور عوام کا شبہ خواص کے حق میں اس عمل کو بدعت نہ بنادے گا، اور بعض اصول حنفیہ کی مخالفت شرع کی مخالفت نہ سمجھی جائے گی۔

ان خیالات کے ذہن نشین ہونے سے ان خصوصیات کے انکار میں کمی پیدا ہوئی۔ اس کا مرتبہ فروع ومسائل اختلافیہ کا سا آنے لگا، مگر اس کے ساتھ ہی نہ کسی دن ان اعمال کی وقعت ذہن میں آئی نہ خود رغبت ہوئی نہ اوروں کو ترغیب دی، بلکہ اگر کبھی اس قسم کا تذکرہ آیا تو یہی کہا گیا کہ اولیٰ یہی ہے کہ خلافیات سے بالکل اجتناب کیا جائے، مگر جس جگہ میرا قیام ہے وہاں ان مجالس کی کثرت تھی، اور بے شک ان لوگوں کو غلو بھی تھا،

چنانچہ ابتدائی حالت میں اس انکار پر میرے ساتھ بھی لوگوں نے مخالفت کی مگر میں نے اس کی کچھ پروانہ کی۔ تین چار ماہ گزرے تھے کہ حجاز کا اول سفر ہوا تو حضرت قبلہ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ اس قدر تشدد وانکار مناسب نہیں ہے۔ جہاں ہوتا ہوا نکار نہ کرو، جہاں نہ ہوتا ہو ایجاد نہ کرو، اور اس کے بعد جب میں ہند کو واپس آیا تو طلب کرنے پر شریک ہونے لگا، اور عزم رکھا کہ ان لوگوں کے عقائد کی اصلاح کی جائے۔ چنانچہ مختلف مواقع و مجالس میں ہمیشہ اس کے متعلق گفتگو کرتا رہا، اور جتنے اُمور اصل عمل سے زیادہ تھے سب کا غیر ضروری ہونا اور ان کی ضرورت کے اعتقاد کا بدعت ہونا صاف صاف بیان کرتا رہا، حتیٰ کہ اس وقت میری رائے میں ان کا عقیدہ بعض کا عین توسط پر بعض کا قریب توسط کے آپہنچا، مگر بہ وجہ قدامت عادت کے عمل کے ارتفاع کی امید نہیں ہے۔ عدم شرکت میں اس اصلاح کی ہرگز توقع نہ تھی۔ ایک غرض تو شرکت سے میری یہ تھی۔

دوسرے میں نے وہاں دیکھا کہ وعظ میں لوگ کم آتے ہیں اور ان مجالس میں زیادہ اور ہر مذاق اور ہر جنس کے۔ چنانچہ ان مجالس میں مواقع ان کے پند ونصائح اور اصلاح عقائد واعمال کا بہ خوبی ملا اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی اپنے عقائد فاسدہ واعمال سیئہ سے تائب وصالح ہو گئے۔ بہت روافض سنی ہو گئے۔ بہت سے سودخوار وشرابی و بے نماز وغیرہم درست ہو گئے۔ غرض اکثر حصہ وعظ ہوتا تھا، دوسرا بیان برائے نام۔

تیسرے میں نے دیکھا کہ وہاں بدوں (بلا) شرکت ان مجالس کے کسی طرح قیام ممکن نہیں۔ ذرا انکار کرنے سے وہابی کہہ دیا، درپئے تذلیل وتوہین زبانی وجسمانی کے ہو گئے اور حیلہ وبہانہ ہر وقت ممکن نہیں۔ یہ تو ممکن ہے اور کرتا بھی ہوں کہ فیصدی نوے موقع پر عذر کر دیا اور دس جگہ شرکت کر لی، اور شرکت بھی اس نظر سے کہ ان لوگوں کو ہدایت ہوگی، اور یوں خیال ہوتا ہے کہ اگر خود ایک مکروہ کے ارتکاب سے دوسرے مسلمانوں کے فرائض وواجبات کی حفاظت ہو تو اللہ تعالیٰ سے امید تسامح ہے۔

بہر حال وہاں بدوں (بلا) شرکت قیام کرنا قریب بہ محال دیکھا، اور منظور تھا وہاں رہنا، کیوں کہ دنیوی منفعت بھی ہے کہ مدرسے سے تنخواہ ملتی ہے، اور بفضلہٖ تعالیٰ وعظ وغیرہ کے بعد تو لینے کی مطلقاً عادت نہیں ہے، باوجود اصرار کے صاف انکار کر دیتا ہوں، مگر تنخواہ ضرور لیتا ہوں، اور دینی منفعت بھی میرے زعم میں تھی اور اب بھی ہے بلکہ روز افزوں ہے، کیوں کہ تعلیم وتدریس و وعظ وغیرہ کا سلسلہ جاری ہے۔ ان منافع کی تحصیل کی غرض سے منظور تھا کہ قیام کروں اور بدوں (بلا) شرکت قیام دشوار تھا۔ اس ضرورت سے بھی شرکت اختیار کی، لیکن ان سب اسباب وضرورت کے ساتھ بھی اگر کسی دلیل صحیح وصریح سے مجھ کو ثابت ہو جاتا ہے کہ اس کی شرکت موجب ناراضی اللہ ورسول کی ہے تو لاکھ ضرورتیں بھی ہوتیں سب پر خاک ڈالتا۔ بفضلہٖ تعالیٰ بہت سے منافع مالیہ کو اسی وجہ سے خیر باد کہہ چکا ہوں توسع رائے کے اسباب اوپر معروض ہو چکے ہیں۔ بہر حال میرے خیال میں یہ امور خلاف اولیٰ ضرور ہیں مگر بہ مصالح دینیہ ان کے فعل میں گنجائش نظر آتی ہے، اور عوام کی اصلاح بھی ساتھ ساتھ واجب سمجھتا ہوں اور اپنی وسعت کے موافق کرتا بھی رہتا ہوں۔

اور اس کے ساتھ ایک خیال اور بھی ہوا اور وہ بہت نازک بات ہے وہ یہ کہ اگر یہ شرکت بالکل اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہے تو حضرت قبلہ کے صریح ارشاد کی کیا تاویل کی جائے؟ بلکہ اہل علم کے اعتقاد و تعظیم وتعلق وارادت سے عوام کا ایہام ہے۔ اس سے ہنڈ پھر کر یہی اطمینان ہوتا ہے کہ شرعاً گنجائش ضرور ہے۔

یہ خلاصہ میرے خیالات وحالات کا تھا۔ اب حضور جیسا ارشاد فرمائیں۔ اگر اس میں بالکل گنجائش نہیں ہے تو میں آج ہی تعلق ملازمت کو قطع کر دوں گا۔ رزاق حقیقی حق سبحانہ وتعالیٰ ہے، قیامت میں کوئی کام نہ آئے گا، مگر اس صورت میں حضرت قبلہ و کعبہ کے ساتھ شرعاً کیا تعلق رکھنا چاہیے؟ اور حضرت کے قول وفعل کو کیا سمجھنا چاہیے؟ اور اگر تھوڑی بہت گنجائش ہو خواہ عموماً یا خاص، میری حالت جزئی کی مصلحت سے تو اس

گنجائش سے تجاوز نہ کیا جائے گا، اور اس کے کتمان کا حکم ہوگا تو ان شاء اللہ تعالیٰ عمر بھر اس کا انتساب حضور حضرت کی طرف میری زبان وقلم سے نہ نکلے گا۔ غرض جس طرح حضور کا ارشاد ہوگا ان شاء اللہ بہ سروچشم منظور ہوگا اور شاید کچھ شبہ پیدا ہو تو بے تکلف اس کے مکرر پیش کر دینے کی اجازت کا خواہاں ہوں۔

امر دوم: میرے تعلق سے عوام کا معتقد ہو جانا مجھ کو چند بار اس امر میں اندیشہ سخت ہوا مگر جہاں تک میں نے سوچا شاید بہ مشکل دو تین آدمی ایسے نکلیں گے جن کو اس وجہ سے اعتقاد ہوا، ورنہ خود اپنی رائے سے بعض عوام معتقد ہو گئے۔ قبل میرے تعلق کے جن لوگوں کو مجھ سے حسن ظن تھا انہوں نے اس روایت ہی کی تکذیب کی، اور جن کو کچھ احتمال سا ہوا بھی سو وہ مجھ سے بدگمان ہوئے، ان سے نیک گمان نہیں ہوئے اور زیادہ وہی لوگ معتقد ہیں جن کو عمر بھر بھی مجھ سے کچھ تعلق عمومی یا خصوصی نہیں ہوا۔ اب جہاں تک غور کرتا ہوں بالتعیین عدم قابلیت کے اعلان میں بہت سے مفاسد نظر آتے ہیں۔ اولاً اب تک اکثر لوگ اس تعلق کی تکذیب کرتے ہیں، کیوں کہ ان لوگوں نے نہ اس کا مشاہدہ کیا نہ معتبر ناقل سے ان کو یہ خبر پہنچی۔ ایک آدھ غیر معتبر عامی اس کے ناقل ہیں، جن کی اکثر لوگ تکذیب کرتے ہیں، اور میں نے ہمیشہ اس کا کتمان کیا۔ اگر اعلان رجوع کا کیا جائے تو مرجوع عنہ کا اقرار لازم آتا ہے۔

دوسرے چوں کہ اس اعلان میں صورتاً ان کی اعانت ہے، اس لئے اندیشہ ہے کہ اس میں زیادہ شوروشر پھیل جائے، جس کا اثر معلوم نہیں اجانب واقارب میں کہاں تک پہنچے۔ اس لئے یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک خط تو بے تعلقی کی اطلاع کا ان کو لکھ دیا جائے، وہ خود اگر اس کا اظہار کر دیں تو اس میں کوئی فتنہ نہ ہوگا، کیوں کہ اگر اظہار کیا جائے گا تو اس عنوان میں میری اہانت کی جائے گی، اور فتنے کا احتمال ان کی اہانت میں ہے، اور دوسرے لوگوں کے اطلاع کا یہ طریق ہو کہ تعیین بلا

اعلان ہو جائے اور اعلان بلاتعیین خفیتاً اطلاع کر دی جائے اور عام مجمع میں بہ طور قاعدۂ کلیہ کے شرائط اہلیت بیعت کے بیان کر دیئے جائیں کہ جس شخص میں فلاں فلاں امور پائے جائیں وہ قابل بیعت ہے ورنہ نہیں۔ چنانچہ بندہ نے دونوں امر کا اہتمام کیا ہے اور بھی زیادہ کرنے کا ارادہ ہے۔

چنانچہ جمعہ گزشتہ میں بندہ نے یہ مضمون بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور شرائط بیعت کو بتلا کر تمثیلاً حضور والا کا اسم گرامی بھی بتلا دیا کہ جس شیخ کی ایسی شان ہو اس کا غلام بننا چاہئے ورنہ اجتناب چاہئے۔

اس مضمون کو مکرر بھی بیان کرنے کا ارادہ ہے، اور خاص طور پر بالتعیین بعض سے کہا جاتا ہے، بعض سے کہنا باقی ہے بلکہ یہ فکر ہے کہ جو لوگ اپنی رائے سے بھی معتقد ہو گئے ہیں ان کو بھی جہاں تک قدرت ہو سمجھایا جائے، چنانچہ بعض مواقع پر کامیابی ہوئی، بلکہ یوں خیال ہے کہ خود صاحب تعلق کو بھی بہ ذریعہ خط امور حقہ پہنچائے جائیں اور دعا بھی کی جائے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح یہ تعلق سرا ہوا ہے قطع تعلق بھی سرا ہو جائے اور جس قدر اس میں جہر و اعلان ہوا ہے قطع تعلق میں بھی جہر و اعلان ہو جائے، بلکہ طریق مذکور میں جہر و اعلان کسی قدر زیادہ ہی ہے۔ اس صورت میں مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور فتنہ بھی نہ ہوگا، ورنہ بہت سے خلجانات معلوم ہوتے ہیں۔

لیکن اگر شرعاً یہ طریق کافی نہ ہو اور مشاق و متاعب کا برداشت کرنا ضروری ہو تو بفضلہٖ تعالیٰ اللہ تعالیٰ و رسول کی تحصیل رضا میں مجھ کو یہ سب کچھ گوارا ہے۔ اگر اللہ و رسول ناراض رہے تو جان و مال آبرو کو کیا چولھے میں ڈالوں گا؟

احقر نے بلاتکلف اپنا مافی الضمیر پورا پورا حضور میں عرض کر دیا، اب حضور ان مضامین میں اور میرے مصالح دینویہ و اخرویہ میں خوب غور فرما کر ارشاد فرمائیں۔

میں ہندوستان میں بہ جز حضور والا کے کسی عالم یا درویش پر اطمینان کامل

نہیں رکھتا نہ کسی کو اپنا خیر خواہ سمجھتا ہوں نہ کسی سے اس قدر عقیدت و محبت ہے۔ حضور کی سختی کو اوروں کے لطف پر ترجیح دیتا ہوں۔

گو ان اُمور کا عرض کرنا گستاخی سے خالی نہیں، مگر اللہ جانے ولولۂ قلبی اس عرض کا باعث ہے۔ آج کل بہ حصول رخصت وطن میں ہوں، بہ وجہ حجاب اور نیز بہ ایں خیال کہ مشافہتاً اس قدر انبساط ممکن نہ تھا، حاضری سے قاصر رہا۔ ۲۲/ تاریخ کو اپنے مدرسے چلے جانے کا ارادہ ہے۔ اگر ۱۹ کو بھی جواب تحریر فرمایا جائے تو یہاں مل سکتا ہے ورنہ مدرسے میں۔

اب آخر عرض ہے کہ اگر کوئی مضمون خلاف مزاج والا معروض ہوا ہو تو معاف فرمایا جائے۔ دوسرے توقف جواب سے شاید حضور کو انتظار کی تکلیف ہوئی ہو، اس کو عفو فرمایا جائے۔ زیادہ حد ادب، والسلام خیر ختام۔ فقط!

۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ (۱۵ مئی ۱۸۹۷ء)

جواب ثانی از حضرت گنگوہی رحمہ اللہ

آپ نے بدعت کو اب تک سمجھا ہی نہیں

از بندہ رشید احمد گنگوہی عفا عنہ

بہ عنایت فرمائے بندہ مولوی محمد اشرف علی صاحب دام مجدہم

بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند!

آپ کا عنایت نامہ بہ جواب نیاز نامہ بندے کے پہنچا۔ اس وقت میرے پاس کوئی سنانے والا نہ تھا اور ہر کسی کو اس کا دکھانا مناسب نہ جانا۔ بعد مدت کے مولوی محمد صدیق گنگوہی گڑھی سے یہاں آئے، اس خط کے سرنامہ کو دیکھ کر انہوں نے اس کے دیکھنے کی خواہش کی، چوں کہ وہ بھی محرم راز تھے، ان سے بندے نے پڑھوا کر سنا، مگر موقع جواب کا اس وقت نہ ملا، بہ انتظار مولوی محمد یحییٰ صاحب کہ وہ اس وقت اپنے

گھر گئے ہوئے تھے، اس خط کو اٹھا رکھا، جب وہ گنگوہ آئے تو آج دوسری محرم کو اس کا جواب لکھواتا ہوں۔ (یہ جواب ۲محرم ۱۳۱۵ھ/۳ جون ۱۸۹۷ءکو لکھوانا شروع کیا۔ خط کے آخر میں ۵محرم/ ۶ جون کی تاریخ تحریر ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تین دن میں اس خط کی تحریر پوری ہوئی۔)

مکر ما! امر اول کے باب میں آپ کو جو کچھ اشتباہ واقع ہوا ہے وہ دو امر ہیں:

امر اول اشغال طرق مشائخ علیہم الرضوان،

امر ثانی اشارہ جناب مرشد طال بقاؤہ۔

لہٰذا ہر دو امر کے باب میں بندہ کچھ لکھتا ہے، سو آپ بہ غور ملاحظہ کریں کہ اشغال مشائخ کی قیود تخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں۔ اس کو مقیس علیہ ٹھہرانا سخت حیرانی کا موجب ہے۔ خاص کر تم جیسے فہمیدہ آدمی سے؟ کیوں کہ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ مامور من اللہ تعالیٰ ہے۔ اگرچہ یہ کلی مشکک ہے کہ ادنی اس کا فرض اور اعلیٰ اس کا مندوب اور صدہا آیات واحادیث سے مامور ہونا اس کا ثابت ہے اور طرح طرح کے طرق واوضاع سے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ خاص حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ گویا ساری شریعت اجمالاً وہ وہی ہے کہ جس کا بسط بہ وجہ طول ناممکن ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت وہر حدیث سے وہی ثابت ہوتا ہے۔ پس جس چیز کا مامور بہ ہونا اس درجے کو ثابت ہے اس کی تحصیل کے واسطے جو طریقہ مشخص کیا جائے گا، وہ بھی مامور بہ ہوگا اور ہر زمانے اور ہر وقت میں بعض موکد ہو جائے گا اور بعض غیر موکد۔ لہٰذا ایک زمانے میں یہ صوم وصلوٰۃ و قرآن واذکار مذکورۂ احادیث اس مامور بہ کی تحصیل کے واسطے کافی ووافی تھے۔ اس زمانے میں یہ اشغال بہ ایں قیود اگرچہ جائز تھے مگر ان کی حاجت نہ تھی۔ بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح پر بدلا اور طبائع اس اہل طبقے کی بہ سبب بعد زمان خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آگئیں تو یہ اور اداس زمانے کے اگرچہ

تحصیل مقصود کر سکتے تھے مگر بہ دقت و دشواری لہٰذا طبیبان باطن نے کچھ اس میں قیود بڑھائیں اور کمی وزیادتی اذکار کی کی۔ گویا کہ حصول مقصد ان قیود پر موقوف ہو گیا تھا۔ لہٰذا ایجاد بدعت نہ ہوا، بلکہ اگر کوئی ضروری کہہ دے تو بجا ہے، کیوں کہ حصول مقصود بغیر اس کے دشوار ہوا اور وہ مقصود مامور بہ تھا، اس کا حاصل کرنا بہ مرتبہ خود ضروری تھا۔ پس گویا قیود مامور بہ ہوئیں نہ بدعت۔

بعد اس کے دوسرے طبقے میں اسی طرح دوسرا رنگ بدلا اور وہاں بھی دوبارہ تجدید کی حاجت ہوئی، ثم وثم۔ جیسا کہ طبیب موسم سرما میں ایک علاج کرتا ہے کہ وہ علاج موسم گرما میں مفید نہیں ہوتا، بلکہ حصول صحت کو بعض اوقات مضر ہو جاتا ہے، اور بہ اعتبار اختلاف زمانہ کے تدبیر علاج اول دوسرے وقت میں بدلی جاتی ہے، جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو مطلب کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں، ان کا بدل ڈالنا کتب طب کے اصل قواعد کے موافق ہے، اگرچہ علاج جزوی کے مخالف ہو۔ پس اس کو فی الحقیقت ایجاد نہ کہا جائے گا بلکہ تعمیل اصل اصول کی قرار دی جائے گی۔

دوسری نظیر اعلائے کلمۃ اللہ ہے، جس کو جہاد کہتے ہیں۔ بہ تأمل دیکھو کہ طبقۂ اولیٰ میں تیر اور نیزہ اور سیف (تلوار) بلکہ پتھر بھی کافی تھا۔ ملاحظہ احادیث سے۔ آپ کو معلوم ہے اور اس زمانے میں استعمال ان آلات کا سراسر مضر اور ایجاد توپ اور بندوق اور تارپیٹر کا واجب ہو گیا ہے، کیوں کہ تحصیل اعلائے کلمۃ اللہ بدوں (بغیر) اس کے محال اب ان ایجادات کو نہ کوئی بدعت کہہ سکے اور نہ تشبہ بہ کفار کہہ کر حرام بنا سکے، بلکہ اس کو فرض اور واجب اور مامور بہ کہنا ہوگا، کیوں کہ تحصیل مقصود اس پر موقوف سی ہو گئی ہے۔ پس یہ بھی مامور بہ ہو گیا۔ علی القیاس اشغال کا حال ہے۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ نے اشغال کو کیسے مقیس علیہ بنا لیا؟ اس واسطے کہ مقیس علیہ ضروری اور مامور بہ اور مقیس نہایت سے

نہایت مباح اور کسی وجہ سے موقوف علیہ کسی امر مندوب کا بھی نہیں۔

بلکہ بعض امور اس میں حرام اور مکروہ، پھر اس کو اس پر قیاس کرنا آپ جیسے آدمی سے کسی طرح موجب حیرانی نہ ہو لہٰذا اس آپ کے قیام کو اس پر حمل کیا جائے کہ آپ نے بدعت کے مفہوم کو ہنوز سمجھا ہی نہیں۔ کاش ''ایضاح الحق الصریح'' آپ دیکھ لیتے یا ''براہین قاطعہ'' کو ملاحظہ فرماتے، یا یہ کہ تسویل نفس و شیطان ہوئی، اس پر آپ بدوں (بلا) غور عامل ہو گئے۔ اب امید کرتا ہوں کہ اگر آپ غور فرمائیں گے تو اپنی غلطی پر مطلع و متنبہ ہو جائیں گے۔

اور امر ثانی کے باب میں اگر چہ سر دست آپ کو بہ وجہ فرط عقیدت و محبت کے ناگوار گزرے اور اس بندے کو گستاخ و بے ادب تصور کرو، مگر حق کہہ دینے سے مجھے یہ امر مانع نہیں، وہ یہ ہے کہ بندہ جو حضرت شیخ سے بیعت ہوا ہے اور جتنے اہل علم ذی فہم قدیم سے بیعت ہوتے رہتے تھے اور ہوتے رہے ہیں تو باوجود علم غیر عالم سے جو بیعت ہوئے تو اس خیال سے بیعت ہوئے اور ہوتے ہیں کہ جو کچھ استادوں سے دینی کتب میں انہوں نے پڑھا اور علم حاصل کیا کسی شیخ عارف سے اس علم کو علم الیقین بنالیں تا کہ عمل کرنا نفس کو اس علم پر سہل ہو جائے، اور معلوم مشہود بن جائے علی حسب استعداد، اس واسطے کوئی بیعت نہیں ہوا اور ہوتا کہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اس کے صحت و سقم کو کسی شیخ غیر عالم سے پڑتال لیں اور احکام محققہ قرآن و حدیث کو اس کے قول سے مطابق کرلیں کہ جس کو وہ غلط فرمائیں اس کو آپ غلط مان لیں اور جس کو صحیح کہیں اس کو صحیح رکھیں، کہ یہ خیال سراسر باطل ہے۔ پس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر شرع کے فرمائے گا تو اس کا تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہوگا، کیوں کہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے، اور شیوخ معصوم نہیں ہوتے اور جب تک شیخ کسی مسئلے کو جو بہ ظاہر خلاف شرع ہو بہ دلائل شرعیہ قطعیہ ذہن نشین نہ کر دے مرید کو اس کا قبول کرنا ہرگز روا نہیں۔ اس کی نظیریں

احادیث سے بہ کثرت ملتی ہیں۔ ایک نظیر بیان کرتا ہوں اس پر غور کیجئے۔
جب واقعہ مسیلمہ میں قراء بہت سے شہید ہوگئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ذہاب کثیر من القرآن کا ہوا، انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد مباحثہ بسیار قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبول فرمایا۔
اور اس کا استحسان ان کے ذہن نشین ہوگیا اور دونوں کی رائے متفق ہوگئی اور سنیت بلکہ وجوب مقرر ہوگیا اور پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس امر کے واسطے فرمایا تو باوجود اس بات کے کہ شیخین رضی اللہ عنہما زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے علم و فضل میں بہت زیادہ تھے اور صحبت ان کی بہ نسبت زیدؓ کے طویل تھی اور ان کے باب میں حکم عام شارح علیہ السلام سے ہو چکا تھا کہ

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (رواہ البخاری)

''اقتدا کیجیو ان کا جو میرے بعد (جانشین) ہوں گے یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ کا۔''

مع ہذا زید رضی اللہ عنہ نے چوں کہ اس امر کو محدث سمجھا تو یہی فرمایا:

کیف تفعلون شیئا لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؟

''کیوں کر کرو گے ایسا کام جو کہ نہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟''

اور ان کے کہنے کو ہرگز تسلیم نہ کیا، کیوں کہ ایجاد بدعت ان کے نزدیک سخت معیوب تھا اور شیخین کو معصوم نہ جانتے تھے، لہٰذا مناظرہ شروع کر دیا، مگر جس وقت حضرات شیخینؓ نے ان کو سمجھا دیا اور سنیت اس فعل کی زید رضی اللہ عنہ کو ثابت ہوگئی تو اس وقت بہ دل و جان قبول کر کے اس کی تعمیل میں مصروف ہوگئے۔ بخاری کو تم نے خود پڑھا پڑھایا اور دیکھا ہے، زیادہ کیا لکھوں؟ پس ایسا بہ دست شیخ ہو جانا کہ مامور و منہی کی کچھ تمیز نہ رہے، یہ اہل علم کا کام نہیں۔ **لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق** یہ امر بھی عام ہے، اس سے کوئی مخصوص نہیں اور اگر کسی عالم نے اس کے

خلاف کیا ہے تو یہ سبب فرط محبت کے اور جنون عشقیہ کے کیا ہے، سو وہ قابل اعتبار کے نہیں، اور ہم لوگ اپنے آپ کو اس درجے کا نہیں سمجھتے: ع

بمی سجادہ رنگیں کن اگر پیر مغاں گوید

انہی لوگوں کی شان میں ہے۔

اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ کہ مجلس سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے مجتنب رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ "فعل مشائخ سنت نہ باشد"۔ آپ نے سنا ہوگا؟ اور حضرت سلطان المشائخ کا اس پر یہ فرمانا کہ نصیر الدین درست کہتا ہے۔ تصدیق تحریر بندے کی کرتا ہے۔ وہ امر بہت باریک ہے جو آپ نے لکھا ہے، اس کے جواب میں اسی قدر کافی ہے۔

اسی واسطے مشائخ اپنے مریدین علماء سے مسائل دین کی تحقیق کرتے رہتے تھے اور کرتے رہتے ہیں اور اپنی معلومات مخالفہ سے تائب ہو جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت نے غذائے روح میں قصہ اس عارف کا جو غار میں رہتا تھا اور تکیہ موم کی آنکھ میں اور بتی نجاست کی ناک میں رکھتا تھا، لکھا ہے کہ انہوں نے مرید کے اس کہنے سے کہ اس صورت میں نماز نہیں ہوتی، اپنی نمازوں کا اعادہ کیا اور اس مسئلے کو قبول کیا۔

اور خود بندے کو یہ واقعات پیش آئے ہیں کہ جناب حضرت حاجی صاحبؒ وحضرت حافظ صاحبؒ جو پہلے سے مولوی شیخ محمد صاحب سے مسائل دریافت کر کے ان پر عامل تھے، بندے کے کہنے سے کتنے مسائل کے تارک ہو گئے، اور واللہ کہ حافظ صاحبؒ نے یہ کلمہ میرے سامنے فرمایا کہ "ہم کو بہت سے مسائل میں ہمیشہ دھوکہ رہا"۔

پس چوں کہ بندہ ابتدائے صحبت سے خوکردہ ایسی عادات کا ہے اور فرط محبت وعقیدت سے عاری حضرت کے ارشاد کو جو بہ سبب تصدیق کرنے قول بعض مریدین بدفہم یا کم فہم کے اور مریدین خودغرض بدنام کنندہ پیران کے بہ حسن ظن خود صحیح سمجھ گئے ہیں، سر دست قبول نہیں کرتا، بلکہ حضرت کو معذور جان کر خطا سے بری سمجھتا ہوں۔ قال علیہ السلام:

من افتی بغیر علم فاثمه علی من افتاه

''جس نے فتویٰ دیا بلا علم کے پس اس کا گناہ اس شخص پر ہے جس نے فتویٰ دیا تھا۔'' (مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہ ایں وجہ معذور اور خطا سے بری تھے کہ کسی دوسرے مفتی کے فتوے پر عمل فرماتے تھے۔ پس اس کا گناہ تو مفتی مولوی پر ہوا نہ کہ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر (عاشق)

لہٰذا حضرت کو معذور و بری جان کر ان خود غرضوں کو آثم اور ضال و مضل و مکتسب امتعہ دنیویہ در پردہ یقین کرتا ہوں، اور واللہ باللہ کہ تم پر خاصتاً ہرگز مجھے یہ گمان نہیں ہے، بلکہ تم کو جو کچھ پیش آیا ہے بہ فرط عقیدت واقع ہوا ہے۔ میں تم کو بھی اس امر میں معذور سمجھتا ہوں اور تمہارے واسطے دعائے خیر کرتا ہوں اگرچہ میں تمہارا شاکی بھی ہوں، مگر یہ شکوہ میرا بہ وجہ محبت کے ہے، کیوں کہ شکوہ اپنوں کا ہی ہوتا ہے، غیروں سے کسی کو شکوہ نہیں ہوتا امر اول کا جواب تمام ہو چکا۔

امر ثانی کے باب میں جو کچھ آپ نے تدبیریں لکھی ہیں اس میں بندہ کچھ دخل نہیں دیتا۔ جس طرح مناسب جانو اور مصلحت سمجھو اس کی تدبیر کرو۔ غرض خلق خدا کو مبتدع کے پنجے سے چھڑانا منظور ہے، جس طرح حاصل ہو اور جو تشدد کہ موجب فساد ہو اس سے بچنا مناسب ہے۔

اس مرتبے کے مواعظ و بیانات آپ کے جو تھانہ بھون ہوئے ان کو سن سن کر بندہ بہت خوش ہوا اور تمہارے واسطے دعائے خیر کرتا ہوں۔ فقط۔

اس تحریر میں اگر کوئی آپ کو شبہ ہو تو اس کے اظہار کی اجازت ہے ہرگز شرم نہ کریں، بندہ ہرگز ناخوش نہ ہوگا۔ اگر مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہوگی تو بہ شرط فہم اس کے قبول کرنے میں دریغ نہ ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

۵/محرم الحرام ۱۳۱۵ھ/ ۶ جون ۱۸۹۷ء

تیسرا خط از تھانوی، اب تک بات پوری طرح سمجھ نہ سکا

از کمترین خدام محمد اشرف علی

بہ عالی خدمت سراپا برکت دستگیر درماندگان رہنمائے راہ گم گشتگان حضرت مولانا الحاج الحافظ المولوی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم!

بعد تسلیم نیاز خادمانہ التماس ہے کہ والا نامہ عین انتظار میں شرف صدور لایا۔ حضور نے جو اس نادان ناکارہ کی دستگیری فرمائی اگر ہر بن مو سے اس کا شکر ادا کروں تو محال ہے، پس بہ جز اس کے کیا عرض کروں۔ع

شکر نعمت ہائے تو چناں کہ نعمت ہائے تو

بالخصوص کلمات محبت وشفقت آمیز سے جو کچھ مسرت وطمانیت ہوئی شاید عمر بھر بھی کبھی مجھ کو میسر نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ حضور کی ذات اقدس کو بہ ایں افادہ ہم نیاز مندوں کے سر پر سلامت رکھے۔ چوں کہ حضور کے دربار سے مکرر استفسار کی اجازت عطا ہوئی ہے، اس لئے بہت ادب سے پھر اپنے بعض خیالات بہ غرض استشفا عرض کرتا ہوں۔

امر اوّل میں ارشاد عالی اچھی طرح سمجھ میں آ گیا، مگر ابھی اس قدر شبہ باقی ہے کہ مقیس کو اگر ذریعۂ حصول ایک امر مامور بہ کا کہا جائے تو ممکن ہے، یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف کرنا اور آپ کی محبت وعظمت کا دل میں جگہ دینا ضرور مامور بہ ہے۔ زمان سابق میں بہ وجہ شدت ولہ وولع خود جا بجا چرچا بھی رہتا تھا اور عظمت ومحبت سے قلوب بھی لبریز تھے، بعد چندے لوگوں کو ذہول ہوا۔

محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق وشمائل ومعجزات وفضائل جداگانہ مدون کئے، تا کہ اس کے مطالعے سے وہ غرض حاصل ہو، پھر یہی مضامین بہ ہیئت اجتماعیہ منابر (منبر کی جمع) پر بیان کئے جانے لگے۔ پھر اہل ذوق نے اور کچھ قیود تخصیصات جن میں بعض سے سہولت عمل مقصود تھے، بعض سے ترغیب سامعین، بعض

سے اظہار فرح و سرور، بعض سے توقیر و تعظیم اس ذکر و صاحب ذکر کی منظور تھی، بڑھالی مگر مطمح نظر وہی حصول حب و تعظیم نبوی رہا، گو کہ حصول حب و عظمت کا توقف اس ہیئت خاصہ پر بہ معنی لولاہ لامتنع عقلاً ثابت نہیں، مگر یہ توقف مقیس علیہ میں بھی نہیں، وہاں بھی توقف بہ معنی ترتب ہے یا لولاہ لامتنع عادتاً۔

سو اس کی گنجائش مقیس میں بھی ہے، کیوں کہ ترتب تو ظاہر ہے اور عند التأمل امتناع عادی ہی ہے، گو اس قدر فرق بھی ہے کہ یہ امتناع مقیس علیہ میں بہ اعتبار اکثر طبائع کے ہے اور مقیس میں بہ اعتبار بعض طبائع کے۔ چنانچہ دیار و امصار شرقیہ میں بہ وجہ غلبۂ الحاد و دہریت یا کثرت جہل و غفلت یہ حال ہے کہ وعظ کے نام سے کوسوں بھاگتے ہیں اور ان محافل میں یا بہ وجاہت میزبان یا اور کسی وجہ سے آ کر فضائل وشمائل نبویہ اور اس ضمن میں عقائد و مسائل شرعیہ سن لیتے ہیں، اس ذریعے سے میرے مشاہدے میں بہت سے لوگ راہ حق پر آ گئے، ورنہ شاید ان کی عمر گزر جاتی کہ کبھی اسلام کے اصول و فروع ان کے کان میں بھی نہ پڑتے اور اگر توقف سے قطع نظر کیا جائے تب بھی ترتب یقیناً ثابت ہے، سو جواز کے لئے یہ بھی کافی معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ حضور کا ارشاد ہے کہ اس زمانے میں یہ اشغال بہ ایں قیود اگر چہ جائز تھے مگر ان کی حاجت نہ تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ذریعہ تحصیل مامور بہ کا ہو خواہ وہ محتاج الیہ ہو یا نہ ہو، جائز ہے۔ سو ذریعہ ہونا اس کا تو بہت ظاہر ہے۔

سامعین کے قلوب اس وقت آپ کے احترام و عظمت و شوق و عشق و ادب و توقیر سے مملو و مشحون ضرور نظر آتے ہیں، البتہ اس میں جو امور مکروہ و حرام مخلوط ہو گئے ہیں وہ واجب الترک ہیں۔ چنانچہ احقر ہمیشہ سے اس میں ساعی ہے اور رہا۔ بعض اصلاحیں جو کئی ماہ وعظ میں تفصیلاً بیان کی گئی تھیں بعض لوگوں نے اختصار کے ساتھ اسے چھاپ کر شائع بھی کر دیا تھا۔ ملاحظے کیلئے مرسل ہیں۔

بفضلہٖ تعالیٰ سب نے اس کو تسلیم کیا اور اکثروں نے عمل بھی کیا۔ سو ایسے امور

مکروہہ مقیس علیہ میں بھی بہت سے شامل ہو گئے ہیں، جن کی اصلاح واجب ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے متعلق بھی ایک رسالہ عن قریب لکھ کر حضور کے ملاحظے میں بہ نظر اصلاح پیش کروں گا۔

دُعا کا امیدوار ہوں، کیوں کہ جہلا و صوفیا کے سبب زندقہ کی بہت ترقی ہو رہی ہے، سو اب تک مقیس و مقیس علیہ میں اچھی طرح سے فرق سمجھ میں نہیں آیا۔ ''براہین'' میں بدعت کی تعریف دیکھ لی۔ وہ ماشاء اللہ بالکل مقبول و صحیح ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تمام معروضات میں وہ پیش نظر رہا کرے گی۔

دوسرا امر جو متعلق اتباع شیوخ کے ارشاد ہوا ہے، الحمد للہ کہ میرا اعتقاد کبھی اس کے برخلاف نہیں ہوا۔ امر ناجائز شیخ کے فرمانے سے کبھی جائز نہیں ہوسکتا۔ **لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔** پر ایمان و ایقان ہے مگر اتنا ضرور میرے خیال میں ہے کہ اگر مختلف فیہ مسئلے میں شیخ کامل کسی شق کا حکم کریں اس کا اتباع اقل درجے جائز ہے، تین شرط سے:

اوّل یہ کہ اس مسئلے میں دلائل و قواعد شرعیہ سے اختلاف کی گنجائش ہو۔

دوسرے یہ کہ شیخ کو حاکم اصطلاحی نہ ہو، مگر نورانیت قلب و شرح صدور و سلامت فہم رکھتا ہو، جس سے یہ توقع ہو کہ اس میں ایک شق کے ترجیح دینے کی قابلیت ہے، بالخصوص جب کہ شیخ کے مسئلے کے متعلق دونوں حکم متعارض پیش کیے جائیں اور دلائل جانبین کے بھی ذکر کر دیے جائیں، اور پھر وہ ایک شق کو ترجیح دیں۔

تیسرے یہ کہ مرید کو بھی خواہ دلیل سے یا تصرف شیخ سے شرح صدر ہو جائے، سو احقر کے نزدیک مسئلہ متکلم فیہا میں یہ سب امور موجود ہیں۔ یعنی بہ وجہ اس کے کہ ایک جم غفیر اس کے جواز کی طرف گئے ہیں، مختلف فیہ و مجتہد فیہ معلوم ہوتا ہے، اور حضرت شیخ مدظلہ کے فہم میں اس قدر قوت ضرور سمجھ رہا ہوں کہ قولین متعارضین کے پیش ہونے کے بعد ایک جانب کو ترجیح دے سکیں اور مجوزین سے حضرت صاحب

مدظلہٗ کو گو حسن ظن ہے، مگر میں تو خود مشاہدہ کر آیا ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی حضرت شیخ کی نظر میں خدام والا کی برابر مقبول منظور و مبصر و محقق نہیں۔ بار ہا اس قسم کے تذکرے آئے۔ حضرت صاحب خدام والا کے نسبت ''نعمت عظمٰی وغنیمت کبریٰ اور ہندوستان میں عدیم النظیر'' وغیرہ وغیرہ الفاظ ارشاد فرماتے ہیں، اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''خدام والا کے جمیع احکام وفتاوے محض للّٰہیت پر مبنی ہیں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو خود اس مسئلے میں شرح صدر ہے اور اس کو بہ اصرار فرماتے ہیں اور دوسرے قول پر انکار بھی نہیں فرماتے ہیں، اور مخاطب کو حضرت'' کے ارشاد سے اطمینان بھی ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اتباع کو اب تک جائز سمجھا ہوا ہوں۔ یہ اظہار تھا مافی الضمیر کا۔

احقر نے بہت کوشش کی ہے کہ تمام عریضے میں کسی مضمون میں مناظرے کا رنگ نہ آنے پائے، محض استفادہ واستشارہ مقصود ہے۔ شاید بلا قصد کہیں ایسا ہو گیا ہو تو حضور کے مکارم اخلاق اور مراحم اشفاق سے امید ہے کہ

انما الاعمال بالنیات. ''اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔''

پر نظر فرما کر معاف فرمایا جائے۔

حضور نے جو محبت کے ساتھ شکوہ فرمایا ہے اس پر اسی قدر مسرور ہوں جیسے کہ بنی مسلمہ و بنی حارثہ آیت:

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا.

کے نزول پر۔ اللہ تعالیٰ حضور کی برکت سے ہم بے راہوں کو راہ پر لگا دے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ دوسرے باب میں خصوصاً وعموماً سعی کی جائے گی، دعا سے مدد فرمائیے۔ مواعظ پر حضور نے اپنی خوشنودی کا مژدہ ارشاد فرمایا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ حضور کی رضا کو دلیل قبول و وسیلۂ نجات سمجھتا ہوں۔ خدا کرے صدور خطا پر بھی حضور ہم خدام سے کبھی ناخوش نہ ہوں بلکہ تنبیہ فرمائیں۔

بہ خدمت جناب کاتب صاحب کہ غالبًا مولوی محمد یحییٰ صاحب ہیں، سلام شوق قبول ہو۔ اگر کوئی اور صاحب ہوں تو اسم گرامی سے مطلع فرمائیں۔ میں خط سے نہیں پہچان سکا۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام مع الاکرام، از کان پور۔

۸/محرم الحرام (یوم الخمیس) ۱۳۶۵ھ

(۶ جون ۱۸۹۷ء

جواب ثالث از حضرت گنگوہیؒ

ہم نے اہل مولود میں سے آج تک کسی کو متبع سنت نہیں دیکھا

از بندہ رشید احمد عفی عنہ

بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند!

آپ کا خط آیا، آپ نے جو شبہ مساوات مقیس ومقیس علیہ میں لکھا ہے موجب تعجب ہے مگر بہ مقتضائے حبک الشی یعمی ویصم۔ ایسے شبہات کا ورود عجیب نہیں، دیکھو کہ مقیس علیہ خود ذکر ہے کہ مطلق ذکر مامور بہ کا فرد ہے، اور اس کے ملاحظات وہیأت یا ذکر ہیں یا وہ امور ہیں کہ نص سے ان کی اصل ثابت ہے۔

پس وہ ملحق بالسنۃ ہیں، اور بہ ضرورت موقوف علیہ مقصود کے تخصیص اور تعیین ان کی کی گئی، اور عوام تو کیا خواص میں بھی صدہا معدود شخص عامل ہیں لہٰذا عوام کے ضرور سمجھ جانے کا وہاں محل نہیں، اور مقیس میں جو قیود مجلس ہیں بعض موہم شرک ہیں اور بعض امور دراصل مباح، مگر بہ سبب اشاعت ہر خاص وعام کے ملوث بہ بدعت ہوکر ممنوع ہوگئے کہ عوام ان کو ضروری بلکہ واجب جانتے ہیں، اور مجالس مولود میں جس قدر عوام کو دخل ہے خواص کو نہیں، اور یہ قیود مذکورہ غیر مشروعہ موقوف علیہ محبت کے ہرگز نہیں، آپ خود معترف ہیں۔ پس اس کو مقیس علیہ کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ اور داعی عوام کو سماع ذکر کی طرف ہونا اس وقت تک جائز ہے کہ کوئی منع شرعی اس کے ساتھ لاحق نہ ہو، ورنہ رقص

وسرود زیادہ تر دواعی ہیں اور روایات موضوعہ زیادہ تر موجب محبت گمان کی جاتی ہیں۔

پس کون ذی فہم بہ علت دعوت عوام ان کا مجوز ہو جائے گا، یہ جواب آپ کی تقریر کا ہے کہ سماع ذکر ولادت بہ ہیئت کذائیہ کو آپ موجب ازدیاد محبت تصور کر رہے اور بہ ذریعہ غیر مشروع کے تحصیل محبت کی اجازت دیتے ہیں ورنہ فی الحقیقت جوامر خیر کہ بہ ذریعہ نامشروعہ حاصل ہو وہ خود ناجائز ہے اور جو کچھ بندے کا مشاہدہ ہے وہ یہ ہے کہ مولود کے سننے والے اور مشغوف (منہمک) مجالس مولود صدہا ہوتے ہیں کہ ان میں ایک بھی سنت کا متبع اور محب نہیں ہوتا، اور عمر بھر مولود سننے سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومحبت سنت ذرہ بھر بھی ان کے دل میں پیدا نہیں ہوتی، بلکہ بے اعتنائی عبادت اور سنن سے بے حد ان کے جی میں آجاتی ہے، اور اگر تسلیم کیا جائے کہ آپ کی محفل میلاد خالی ہے جملہ منکرات سے اور کوئی امر نامشروع اس میں نہیں ہے تو دیگر مجالس تمام عالم کی تو سراسر منکر ہیں، اور یہ فعل آپ کا ان کے لئے موید ہے، اور یہ فعل مندوب آپ کا جب مغوی (گم راہ کنندہ) خلق ہوا تو اس کے جواز کا کیسے حکم کیا جائے گا؟ اگر حق تعالیٰ نے نظر انصاف بخشی تو سب واضح ہے ورنہ تاویل وشبہات کو بہت کچھ گنجائش ہے۔ مذاہب باطلہ کی اہل حق نے بہت کچھ تردید کی، مگر قیامت تک بھی ان کے شبہات تمام نہ ہوں گے۔ فقط

امر ثانی میں سنیے کہ حضرت اعلیٰ کا ارشاد پانچ چھ سال پہلے یہی تھا کہ ''نفس ذکر جائز اور قیود بدعت'' چناں چہ اس قسم کی تحریرات اب بھی موجود ہیں مگر بعد حضور مجوزین کے جو تحقیق ہوئی ہے خلاصہ اس کا ''ہفت مسئلہ'' میں آپ نے خود لکھا ہے کہ جناب حضرت مدظلہٗ مجوزین و مانعین ہر دو کی تصویب فرمارہے ہیں، حالانکہ ایک مسئلہ جزئیہ عملیہ جو مجتہدین میں مختلف فیہ ہے عنداللہ حق اس میں ایک ہی ہے اور دوسرا غلط، تو کشف سے اگر صاحب کشف حق ایک جانب کو لے تو دوسری جانب کو حق نہیں کہہ سکتا۔ کیوں کہ کشفاً ایک ہی حق ہوتا ہے۔ پس دونوں کی تصویب

اور ایک کے ترجیح کے کیا معنیٰ؟ سوائے اس کے کہ دونوں جانب علما تصور فرما کر اس مسئلے کو مختلف فیہ خیال فرمایا اور اس کو مسئلۂ فرعیہ تصور فرمایا۔ حالانکہ یہ مسئلہ اعتقادیہ ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں مسئلہ فرعیہ خیال کیا جاتا ہے، اور مسئلہ اعتقادیہ میں حق ایک ہی ہوتا ہے، ظاہر میں بھی مثل باطن کے اسی واسطے اہل اہوا اگرچہ صدہا علما ہیں، ان کی کثرت پر نظر نہیں ہوتی اور مسئلہ مختلف فیہا نہیں کہا جاتا، اور حضرت اعلیٰ وجۂ ترجیح کو خود ہی تحریر فرماتے ہیں۔ آپ نے اپنے قلم سے لکھا ہے کہ ان قیود کو بدعت ہی نہیں سمجھا، کیوں کہ فرماتے ہیں کہ ”بدعت وہ ہے کہ غیر دین کو دین میں داخل کیا جائے“، اور اس پر حدیث: من احدث فی امرنا ھذا الخ.

کو دلیل لائے ہیں۔ اس سے صاف واضح ہے کہ یہ ترجیح کشفی نہیں ہے۔

باقی یہ بات کہ ترجیح اعلیٰ حضرت کی صحیح نہیں، اس کو میں نہیں لکھتا۔ اگرچہ یہ اصل ان کی صحیح ہے مگر اندراج اس جزئیہ کا اصل میں صحیح نہیں ہے۔ آپ تأمل کریں گے تو واضح ہو جائے گا، اور اس مسئلے کو مختلف فیہا و مجتہد فیہا سمجھنا تم سے تعجب ہے، کیوں کہ وہ مسئلہ مختلف فیہا بہ ظاہر دونوں طرف صواب ہوتا ہے کہ مجتہد مطلق یا مقید یا علمائے راسخین ملحق بہم میں مختلف فیہ ہوا، اور عوام علماء کا اختلاف مسئلے کو مجتہد فیہ نہیں بناتا بلکہ اس میں ایک ہی جانب حق ہوتا ہے کہ جو موافق قانون شریعت کے ہو، اور دوسری رائے باطل ہوتی ہے۔ فقط۔

اور جو کچھ بندے نے لکھا ہے اگر میں بھی یہ کہنے لگوں کہ میں نے بھی کشفاً اس کو معلوم کر لیا ہے تو بجا ہے مگر میرا منہ اس کلمے کے کہنے کا نہیں ہے، اور چوں کہ آپ کو بہ حسن عقیدت اس کے خلاف شرح صدر ہو گیا ہے تو امید ہے کہ کسی کا لکھنا یا کہنا آپ کو مفید نہ ہوگا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ ہم نے اہل مولود میں سے آج تک کسی کو متبع سنت نہیں دیکھا۔ فقط والسلام۔

مورخہ ۱۲ محرم ۱۳۱۵ھ (۱۳ جون ۱۸۹۷ء)

چوتھا مکتوب از تھانوی رحمہ اللہ

ممنوع سے مشابہت کی حد کیا ہے؟

از احقر خلق محمد اشرف علی عفی عنہ!

بہ خدمت سراپا برکت حضرت مولانا مقتدانا سیدنا الحافظ الحاج المولوی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم!

پس از تسلیمات مقرون بالاف التکریم واصناف التعظیم معروض آں کہ والا نامہ موجب اعزاز وافتخار ہوا۔ اپنی کج فہمی پر حضور کے اشفاق کو کہ برابر تفہیم فرماتے ہیں، دیکھ کر نہایت شرماتا ہوں اور شرم سے دوبارہ عرض کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، مگر حضور کی اجازت پر اس سے پہلے عریضے میں اپنے شبہات کو پیش کیا تھا، لیکن اس والا نامے کا یہ مضمون (اور چوں کہ آپ کو بہ حسن عقیدت اس کے خلاف شرح صدر ہو گیا ہے تو امید ہے کہ کسی کی تحریر آپ کو کافی نہ ہوگی) کسی قدر موہوم تکدر خاطر خدام والا ہوا۔

اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسول اللہ

وغضب ورثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

اور اسی وجہ سے کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ کئی روز اسی شش وپنج میں گزر گئے، مگر آخر میں یہ رائے ہوئی انما شفاء العی السوال بے عرض کئے ہوئے کیسے دل صاف ہوگا؟ اور یہ خیال ہوا کہ اب تک اس شرم ہی شرم میں شبہات پیدا ہو گئے۔ اگر پہلے سے تھوڑی جرأت کی جاتی تو یہ نوبت کاہے کو آتی؟ اس وجہ سے پھر عرض کرنے کی ہمت ہوئی، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ التماس ہے کہ اگر میرا عرض کرنا خدام والا کو ذرہ بھر بھی موجب تکدر ہو تو بے تکلف صراحتاً فرما دیا جائے، میں ان شاء اللہ بلا حجت اتباع کروں گا۔ کیوں کہ احقر اپنی نسبت حضور سے ایسی سمجھتا ہے جیسے مقلد کی نسبت مجتہد سے، اور اگر اجازت ہوگی تو عرض کر سکوں گا۔

احقر کہتا ہے کہ میرے قلب میں تو نہ اس عمل کی محبت ہے نہ اس کے ساتھ شغف، بلکہ میں خود اس کے ترک کو افضل واولیٰ سمجھتا ہوں۔ چنانچہ اسی قسم کے امور کی بنا پر جلسہ ہائے دستار بندی کا اہتمام ترک کر دیا گیا اور اس مضمون کو چھاپ کر شائع بھی کر دیا، مگر یہاں کے مجموعی حالات کے مقتضی ایسے ہیں کہ مخالفت کرنا سخت دشوار و موجب فتنہ ہے اور اس موقع پر ہر قسم کے لوگ مواعظ بھی سن لیتے ہیں۔ منکرات کی اصلاح بھی اس طرح سے سہل ہے، شریک ہو جاتا تھا، مگر جب ہی تک کہ اس کو جائز سمجھا جائے۔ اسی واسطے جو شبہات دل میں آئے معروض ہوئے اور ان سے مقصود محض حصول شفا ہے کہ جس سے مجھ کو بفضلہٖ تعالیٰ جلد امید کامیابی کی ہے۔

اور متعصبین کو تو دل سے طلب حق مقصود نہیں ہوتی، اس لئے ان کو عمر بھر حق کا پتہ نہیں لگتا۔ میں تو ہر نماز کے بعد دل سے دعا مانگتا ہوں:

اِھْدِنَا الصراط المستقیم ۝ الخ......ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا الخ.........اللھم ارنا الحق حقا الخ.

تنہائی میں بیٹھ کر سوچا کرتا ہوں کہ حق کیا ہے؟ میرے اختیار میں بہ جز طلب و توجہ الی اللہ وسوال علمائے محققین اور کیا ہے؟ آئندہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اور توبہ توبہ! میں کیا میرا شرح کیا؟ اور حضور کے جن کمالات کا مجھے اعتقاد ہے ان کے روبرو کشف کیا چیز ہے جس کی تصدیق میں مجھ کو تردد ہو؟ آپ کے ارشاد کو بہ دل و جان تصدیق کرتا ہوں، مگر بہ مقتضائے حدیث:

انما شفاء العی السوال......اس وقت پھر کچھ عرض کرتا ہوں۔

امر ثانی میں تو مجھ کو اجمالاً یوں اطمینان وشفائے کامل ہوگئی کہ اعلیٰ حضرت مدظلہم کی معرفت جس قدر حضور کو ہے ہم لوگوں کو قیامت تک بھی نصیب نہ ہوگی۔ اس میں کلام طویل کرنا خدام والا کو پریشان کرنا ہے۔ اب صرف امر اول رہ گیا، سو مقیس و مقیس علیہ میں واقعی یہ فرق تو ہے کہ مقیس علیہ کے عامل خواص میں بھی کم ہیں۔ اگرچہ اس

وقت مدعیوں نے عوام جہلا میں بھی یہ قصہ پھیلا دیا ہے اور وہ بھی بڑے عقیدوں کے ساتھ، مگر پھر بھی مقیس کی برابر شیوع نہیں، اور یہ بات بھی ہے کہ عاملان مقیس میں متبعان سنت کم ہیں، اگر چہ اس کی وجہ سوئے تعلیم بیان کرنے والوں کی ہو، مگر خیر کچھ بھی قلت ضرور ہے، اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ جو امر خیر بہ ذریعہ غیر مشروع حاصل ہو وہ امر خیر نہیں ہے، اور جب قیود کا غیر مشروع ہونا ثابت ہو جائے تو اس کا ثمرہ کچھ ہی ہو جائز الحصول نہ ہوگا، اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ مجالس منکرہ بہ کثرت ہوتی ہیں، اور منکر کی تائید اگر غیر منکر سے ہو تو وہ بھی سزاوار ترک ہے، جب کہ عندالشرع فی نفسہ ضروری نہ ہو۔

اب اس وقت دو امر قابل عرض ہیں کہ تقیید مطلق کی آیا مطلقاً ممنوع ہے یا جب کہ اس قید کو مرتبہ مطلق میں سمجھا جائے، یعنی اگر مطلق واجب تھا تو قید کو بھی واجب سمجھا جائے اور اگر وہ مندوب و موجب قرب تھا تو قید کو بھی مندوب اور موجب قرب سمجھا جائے۔ درصورت اولیٰ تقییدات عادیہ میں شبہ ہوگا اور صورت ثانیہ میں جب مطلق کو عبادت سمجھا اور قید کو بناء **علی مصلحته ما عادت** سمجھا جائے تو فی نفسہ اس میں قبح نہ ہوگا۔ ہاں اگر مودی بہ فساد عقیدہ عوام ہو تو اس میں قبح لغیرہ ہوگا، لیکن اگر اس کا فاعل زبان سے اصلاح عقیدہ عوام کی بالا علان کرتا رہے اس وقت بھی یہ قبح رہے گا یا نہیں؟ اگر نہ رہے گا فبہا، اور اگر رہے گا تو اس صورت میں بعض اعمال میں جو عوام میں شائع ہو رہے ہیں اور ظاہراً ان کی عقیدت میں ان کی نسبت غلو و افراط بھی ہے، اور خواص کے فعل بلکہ حکم سے اور قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور اس کا وجوب شرعی بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا، اور عوام بلکہ بعض خواص میں اس پر مفاسد بھی مرتب ہو رہے ہیں، ایسے اعمال میں شبہ واقع ہوگا۔

مثلاً تقلید شخصی کہ عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً و عملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے گو اس کے تمام عقائد موافق کتاب و سنت کے ہوں، اس قدر بغض و نفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلوٰۃ، فساق و فجار سے بھی نہیں رکھتے، اور خواص کا عمل و

لتوائے وجوب اس کا موید ہے، گوخودان کوعلیٰ سبیل الفرض اتنا غلو نہ ہو، اور دلیل ثبوت اس کی یہ مشہور ہے کہ ترک تقلید سے مخاصمت ومنازعت ہوتی ہے جو کہ ممنوع ہے۔ سو مودی الی الممنوع ممنوع ہوگا پس اس کی ضد واجب ہوگی مگر دیکھا جاتا ہے کہ بہ وجہ اختلاف آرا علما و کثرت روایات مذہب واحد معین کے مقلدین میں بھی عوام کیا خواص میں مخاصمت و منازعت واقع ہے اور غیر مقلدین میں بھی اتفاق واتحاد پایا جاتا ہے۔

غرض اتفاق واختلاف دونوں جگہ ہے اور مفاسد کا ترتب یہ کہ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں انشراح وانبساط نہیں رہتا، بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے، پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے، خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو، بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلے میں بہ جز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو، بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو، مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں۔ دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کرلیں۔ بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آمین بالجہر وغیرہ پر حرب وضرب کی نوبت آجاتی ہے، اور قرون ثلاثہ میں اس کا شیوع بھی ہوا تھا، بلکہ کیف ما اتفق جس سے چاہا مسئلہ دریافت کرلیا۔ اگرچہ اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں، یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائر ومنحصر ان چار میں ہے، مگر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کیوں کہ اہل ظاہر ہر زمانے میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہوا ہی ہوں، وہ اس اتفاق سے علیحدہ رہے۔ دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جائے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہیں ہوا۔ البتہ ایک واقعے میں تلفیق کرنے کو منع لکھا ہے، تاکہ اجماع مرکب کے خلاف نہ ہو جائے، باوجود ان سب امور کے تقلید شخصی کا استحسان ووجوب مشہور و معمول ہے، سو اس کا قبح کس طرح مرفوع ہوگا؟ دوسرا امر یہ کہ مسئلہ متکلم فیہا کے

اعتقادی ہونے کی کیا صورت ہے؟ بادی النظر میں تو فرعی عملی معلوم ہوتا ہے۔

تتمیم فائدہ کے لئے دو امر کی تحقیق اور منظور ہے کہ تشبہ منہی عنہ کی حد جامع ومانع کیا ہے؟ بعض طرق ریاضت کے مثل حبس دم وغیرہ کے اہل ہند کے اعمال سے ہیں۔ انگرکھا اہل ہند کے لباس سے ہے۔ رجعت قہقری کعبہ سے وداع کے وقت اس میں تخصیص بھی ہے اور نسواں اہل ہند اپنے معابد کے ساتھ کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ التزام مالا یلزم اعتقاد وجوب سے ممنوع ہوتا ہے یا بلا ناغہ اس کے استمرار سے بھی؟ گو کسی قدر صلابت واہتمام کے ساتھ ہو، التزام ممنوع ہو جاتا ہے؟ صحابی ملتزم قراءت:

قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ ۝

سے **ما حملک علی لزوم هذه السورة** دریافت فرما کر نہی نہ فرمانا دلیل تقریری جواز لزوم عمل کی معلوم ہوتی ہے۔ ان شبہات کے صاف ہونے کے بعد امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ حضور کو تکلیف دینے کی نوبت نہ آئے گی۔

میں بہت ادب سے اس جرأت کی معافی چاہتا ہوں، مگر کیا کروں خدا جانے سب جگہ سے ناامید ہو کر خدام والا سے رجوع کیا ہے۔ اگر حضور بھی ناامید کر دیں گے تو پھر کہاں جاؤں گا؟ پھر شیطان بہکائے گا کہ اجتہاد کر، پھر خرابی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہ ایں فیوض وبرکات سلامت باکرامت رکھے۔ آمین!

تازہ خبر حسرت اثر یہ ہے کہ کل مکہ معظمہ سے میرے ایک ملاقاتی کا خط ایک حاجی صاحب لائے ہیں، لکھا ہے کہ حافظ حاجی احمد حسین صاحب امین الحجاج ۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ (۱۵ مئی ۱۸۹۷ء) کو رحلت فرمائے عالم بقا ہوئے۔

انا للہ وانا الیه راجعون، اللھم ارحمھم رحمة واسعة!

رنج ہے کئی طرح سے، اول خود ان کے انتقال کا رنج، دوسرے ان سے حجاج کو کس قدر نفع تھا؟ تیسرے حضرت صاحب کی تنہائی وتشویش کا، چوتھے چھوٹے چھوٹے بچوں کا خیال، پانچویں خدا کرے ردو دائع میں کوئی قصہ نہ ہو، اور اعلیٰ حضرت

بفضلہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ مد اللہ تعالیٰ ظلال فیوضہم!

زیادہ حد ادب۔ بہ خدمت مولوی محمد یحییٰ صاحب کاتب خطوط و مولوی صادق الیقین صاحب اگر حاضر ہو گئے ہوں سلام مسنون۔ از کان پور۔

۱۸ محرم ۱۳۱۵ھ (۸ جون ۱۸۹۸ء)

جواب رابع از حضرت گنگوہیؒ

عدم تقلید کے نقصانات

از بندہ رشید احمد عفی عنہٗ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند!

خط آپ کا آیا، بہ ظاہر آپ نے جملہ مقدمات محررہ بندے کو تسلیم کر لیا اور قبول فرمالیا، البتہ تقلید شخصی کے سبب کچھ تردد آپ کو باقی ہے، لہٰذا اس کا جواب لکھواتا ہوں۔

مقید بامر مباح میں اگر مباح اپنی حد سے نہ گزرے یا عوام کو خرابی میں نہ ڈالے تو جائز ہے، اور اگر ان دونوں سے کوئی امر واقع ہو جائے تو ناجائز ہوگا۔ اس مقدمے کو خود تسلیم کرتے ہو؟ اب تقلید کو سنو کہ مطلق تقلید مامور بہ ہے۔ لقولہ تعالیٰ:

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور بہ وجہ دیگر نصوص مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہوئے کہ آدمی بہ سبب اس کے لاابالی اپنے دین سے ہو جاتا ہے، اور اپنی ہوائے نفسانی کا اتباع اس میں گویا لازم ہے اور طعن علمائے مجتہدین و صحابۂ کرام اس کا ثمرہ ہے۔ ان امور کے سبب باہم نزاع بھی پیدا ہوتا ہے، اگر تم بہ غور دیکھو گے تو یہ سب امور تقلید غیر شخصی کے ثمرات نظر آئیں گے اور اس پر ان کا مرتب ہونا آپ پر واضح ہو جائے گا۔ لہٰذا تقلید غیر شخصی اس بدنظمی کے سبب گویا ممنوع من اللہ تعالیٰ ہو گئی۔ پس ایسی حالت میں تقلید شخصی گویا فرض ہو گئی، اس واسطے کہ تقلید مامور بہ کی دو نوع ہیں، شخصی و غیر شخصی، اور تقلید بہ منزلہ جنس ہے اور مطلق کا وجود خارج میں بدوں (بغیر) اپنے کسی فرد کے محال ہے۔

پس جب غیر شخصی حرام ہوئی بہ وجہ لزوم مفاسد تو اب شخصی معین مامور بہ ہوگئی، اور جو چیز کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوا گر اس میں کچھ مفاسد پیدا ہوں اور اس کا حصول بدوں (بغیر) اس ایک فرد کے ناممکن ہو تو وہ فرد حرام نہ ہوگا، بلکہ ازالہ ان مفاسد کا اس سے واجب ہوگا، اور اگر کسی مامور کی ایک نوع میں نقصان ہو اور دوسری نوع سالم، اس نقصان سے ہو تو وہی فرد خاصہ مامور بہ بن جاتا ہے، اور اس کے عوارض میں اگر کوئی نقصان ہو تو اس نقصان کا ترک کرنا لازم ہوگا نہ اس فرد کا۔

یہ حال وجوب تقلید شخصی کا ہے۔ اسی واسطے تقلید غیر شخصی کو فقہا نے کتابوں میں منع لکھا ہے مگر جو عالم غیر شخصی کے سبب مبتلا ان مفاسد مذکورہ کا نہ ہو اور نہ اس کے سبب سے عوام میں ہیجان ہو، اس کو تقلید غیر شخصی اب بھی جائز ہوگی، مگر اتنا دیکھنا چاہئے کہ تقلید شخصی وغیر شخصی دو نوع ہیں کہ شخصیت وغیر شخصیت دونوں فصل ہیں جنس تقلید کی، کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے، کیوں کہ یہ فصول ذاتیات میں داخل ہیں۔ پس اس کا حال قیود مجلس میلاد سے جدا ہے۔ بادی النظر میں یہ دونوں یک ساں معلوم ہوتے ہیں، ورنہ اگر غور کیا جائے تو واضح ہے کہ ذکر ولادت جدا شئے ہے اور فرش و فروش روشنی وغیرہ قیود مجوزہ کوئی فصل ذکر کی نہیں، بلکہ امور منضمہ ہیں کہ بدوں (بغیر) ان کے ذکر ولادت حاصل ہو سکتا ہے۔ سو ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔ مع ہذا اوپر کے کلیے سے مباح منضم کا حال معلوم ہو چکا کہ جب تک اپنی حد پر ہوگا جائز اور جب اپنی حد سے خارج ہوا تو ناجائز اور امور مرکبہ میں اگر کوئی ایک جز بھی ناجائز ہو جائے تو مجموعے پر حکم عدم جواز کا ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرکب حلال و حرام سے حرام ہوتا ہے؟ یہ کلیہ فقہ کا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس تقریر سے آپ کی اس طویل تقریر کا جواب حاصل ہو گیا ہوگا جو آپ نے دربارۂ تقلید لکھی ہے لہٰذا زیادہ بسط کی حاجت نہیں ہے، کیوں کہ تم خود فہیم ہو۔

اس مسئلے کے باب عقائد میں سے ہونے کا سبب دریافت فرمایا ہے۔ سو غور کیجئے

کہ جو امور مبتدع اور محدث ہیں ان سب کو ناجائز اور موجب ظلمت عقیدہ کرنا واجب ہے۔ پس یہ اعتقاد کلیات میں داخل ہے۔ اگرچہ عمل ان کا عملیات سے ہے۔ یہی وجہ ہے کتب کلام میں جواز مسح خف و جواز اقتدا فاسق و جواز صلوٰۃ علی الفاسق وغیرہ بھی لکھتے ہیں، کیونکہ گو یہ اعمال ہیں مگر اعتقاد جواز وعدم جواز اعتقادیات میں داخل ہیں۔

آپ نے تشبہ منہی عنہ کی تعریف دریافت کی ہے، سو تشبہ امر مذموم میں مطلقاً حرام ہے، اور جو امر غیر مذموم مباح ہے وہ اگر خاصہ کسی قوم کا ہو تو بھی ناجائز، اور اگر بہ قصد تشبہ کوئی فعل کیا جائے تو وہ مطلقاً درست ہے، سوائے اس کے اور سب درست ہے، اور یہ بحث ''براہین قاطعہ'' میں بسط سے لکھی گئی ہے۔ اس میں دیکھ لیں، اور یہ بھی استطر اداً لکھتا ہوں کہ شارح منیہ، شرح کبیری منیہ میں جو دہلی میں چھپ گئی ہے، صلوٰۃ الرغائب کی کراہت کے جو وجوہ لکھے ہیں ان کو آپ دیکھیں کہ مجلس مولود کا حال اس پر قیاس کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

رہا حبس دم سو وہ فی حد نفسہ مباح ہے، اور عقلاً اس میں چند منافع ہیں، جذب رطوبات اور جلب حرارت اور رفع تشتت خواطر۔ چنانچہ اطبا اس کو صراحتاً معالجہ رطوبت قلبیہ میں تحریر کرتے ہیں، اور ہر عاقل اس کو جان سکتا ہے، لہٰذا جوگیوں نے مورث صفائے باطن جان کر اس کو اختیار کیا، اور اسلامیین نے بھی اس وجہ سے اس کو اختیار کیا۔ جوگیوں کا فعل ہونے کی وجہ سے نہیں لیا، بلکہ عقلاً اس کو نافع سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ اسی واسطے قادریہ و چشتیہ کے یہاں چوں کہ حرارت کی ضرورت ہے۔

انہوں نے اس کو موکداً اپنے اعمال میں داخل کیا، اور نقش بندیہ کے یہاں استحساناً کہ وہ حرارت کو ضروری نہیں جانتے، اور بعض درجے میں بعض وجہ سے یعنی بہ وجہ استحکام ذکر اس کو مستحسن سمجھتے ہیں، اور سہروردیہ کے ہاں چوں کہ حرارت کی مطلقاً حاجت نہیں، لہٰذا ان کے ہاں ممنوع ہے، بلکہ وصول کے واسطے عدم حبس کو شرط کرتے ہیں۔ پس اس کا اختیار کرنا اس ضرورت کے واسطے ہے۔

اور جس خاصہ جوگ کا نہیں بلکہ یہ امر عقلی ہے کہ سب عقلاً اپنے اپنے موقع پر اس کو کرتے ہیں اور نظیر اس کی شروع میں موجود ہے کہ تشہد میں رفع سبابہ کر کے ادامۃ النظر الی السبابہ مشروع ہے، اور غض بصر تحصیل خشوع کے واسطے اور غض بصر غیر محارم سے رفع تشتت کے واسطے۔ پس اس میں تشبہ کا کیا امکان ہے۔ یہ کوئی امر حسی نہیں اور نہ خواص کفار سے، اور متضمن منافع ضروریہ کا، لہٰذا اس کے جواز میں کلام نہیں ہوسکتا، اور انگرکھا ہر دو فریق میں شائع ہے، اس میں تشبہ نہیں ہوسکتا، البتہ پردے کا فرق ہے سو اس میں تشبہ حرام ہے۔ علی ہذا۔ رجعت قہقری خاصہ کسی قوم کا نہیں ہے۔

التزام مالا یلزم بدوں (بلا) اعتقاد وجوب بھی ممنوع ہے۔ اگر بہ اصرار ہو، اور اگر امر مندوب پر دوام ہو بلا اصرار وہ جائز ہے اور مستحب ہے، بہ شرطیکہ عوام کو ضرر نہ کرے، اور اگر عوام کے اعتقاد میں نقصان ڈالے تو وہ بھی مکروہ۔ چنانچہ کتب فقہ میں سور مستحبہ کا التزام مکروہ لکھا ہے اور سورۂ قل ہو اللہ احد کی صورت میں جو آپ نے لکھا ہے خود ہی غور فرماؤ کہ جب اس صحابی نے اس پر التزام کیا اور جملہ صحابہؓ نے اس پر اعتراض کیا تو اعتراض صحابہؓ کا اس التزام پر بلا وجہ شرعی نہ تھا، اسی واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ امر پیش ہوا تو آپ نے صحابہؓ کو منع نہ فرمایا کہ اس پر کیوں اس کے ساتھ تکرار کرتے ہو؟ بلکہ خود ان کو بلا کر پوچھا کہ ان کا کہنا کیوں نہیں مانتے ہو۔ پس اگر یہ امر ناجائز وموہم نہ ہوتا تو آپ صحابہؓ کو ہی منع کر دیتے، اور جب اس شخص نے اپنی محبت کا حال بیان کیا تو اس وقت آپ نے ان کو اجازت دی کہ فی حد ذاتہ یہ امر جائز تھا اور فضل اس سورت کا محقق تھا، اور اس اجازت سے ایہام رفع ہوگیا تھا، کیوں کہ ایہام کا غیر مشروع ہونا سب صحابہؓ پر واضح ہوگیا، کیوں کہ اس وقت کے آدمی ایسے عوام کے درجے میں نہ تھے کہ باوجود اس واقعے کے پھر بھی اس کو واجب جانتے، اور پچھلوں کے واسطے یہ انکار صحابہؓ کا اور تقریر ان کے انکار کی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہونا حجت ہو گیا، تو اس واقعے سے کچھ شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس بحث کو ''براہین'' میں بسط سے لکھا ہے، مگر آپ نے اس کتاب کو دیکھا ہی نہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ''براہین'' کو اول سے آخر تک بہ تدبر دیکھے تو باب بدعات میں اس کو کوئی شبہ نہ ہو، کیوں کہ اس کے مولف نے اس باب میں سعی بلیغ کی ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء!

اگر آپ کو بھی کوئی شبہ ہو تو بندے کی طرف سے اجازت ہے آپ اس کو ظاہر کریں۔ اگر گنجائش جواب ہو گی تو ان شاء اللہ تعالیٰ جواب لکھوں گا، ورنہ خیر! مگر تحریرات بندہ کو تدبر سے محفوظ کر کے اس کے بعد شبہ کرنا چاہئے۔ عوام علماء کو جو جرأت ارتکاب بدعت کی ہوئی کلام اہل حق کے عدم فہم سے ہوئی۔ فقط۔

والسلام علیکم وعلی من لدیکم

۲۵ محرم ۱۳۱۵ (۱۸۹۷ء)

جواب از حضرت تھانوی رحمہ اللہ

رجوع

بہ والا خدمت بابرکت قدوۃ العرفاء زبدۃ الفضلا حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم۔ تسلیم بہ صد تعظیم قبول باد!

والا نامہ شرف صدور لایا، معزز فرمایا۔

حضرت عالی کے ارشادات سے اس عمل کے جو مفاسد علمیہ وعملیہ عوام میں غالب ہیں پیش نظر ہو گئے اور ارادہ کر لیا کہ ہرگز ایسی مجالس میں شرکت نہ ہو گی۔ اب یہاں کی حالت عرض کر کے حکم کا انتظار ہے۔

الحمدللہ! کہ میں یہاں نہ کسی کا محکوم ہوں نہ کسی سے مجبور، مگر پوری مخالفت کر کے قیام دشوار ہے گو اب بھی یہاں کے بعض علماء مجھ کو وہابی کہتے ہیں اور بعض بیرونی

علماء بھی یہاں آ کر لوگوں کو سمجھا گئے کہ یہ شخص وہابی ہے، اس کے دھوکے میں مت آنا، مگر چوں کہ من وجہ عوام سے موافقت عملی تھی، اس لئے کسی کی بات نہ چلی۔ اب چوں کہ شرکت عملی کا بھی ارادہ نہیں تو دقتیں ضرور پیش آئیں گی، اب تین صورتیں محتمل ہیں:

ایک یہ کہ ایسے مواقع پر کوئی حیلہ کر دیا کروں گا، مگر اس کا ہمیشہ چلنا محال ہے۔

دوسرے یہ کہ صاف مخالفت کی جائے مگر اس میں نہایت شور وفتنہ ہے، جس کی حد نہیں۔ دنیوی مضرت یہ ہے کہ اس میں جہلا عوام سے ایذا رسانی کا اندیشہ ہے۔ دینی مضرت یہ ہے کہ اب تک جو ان لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کی گئی سب بے اثر و بے وقعت ہو جائے گی۔ اس بدگمانی میں کہ یہ شخص تو وہابی ہے اب تک پوشیدہ رہا۔

تیسری صورت یہ کہ یہاں کا تعلق ملازمت ترک کر دیا جائے اور میں تو اس صورت کو بلا انتظار حکم عالی اختیار کر لیتا، مگر دو امر کا خیال ہوا۔ ایک یہ کہ خود سبب معیشت کو ترک کرنا اکثر موجب ابتلا و امتحان ہوتا ہے کہ خدا جانے اس کا تحمل ہو یا نہ ہو؟ اور اموال موروثہ کا تیا پانچا پہلے سے کر چکا ہوں، اور دوسری جگہ تعلق ملازمت سے اعلیٰ حضرت منع فرما چکے ہیں، اور میرا بھی دل نہیں چاہتا۔

دوسرا خیال یہ ہوا کہ بظاہر پھر بقائے مدرسہ کا دشوار ہے، اور یہاں دین کا چرچا عوام و طلبا میں اس مدرسے ہی کے سبب ہے، ورنہ عوام میں دہریت خواص میں فلسفیت کا بڑا زور تھا۔ حضور کے امر سے یہ دونوں اندیشے مرتفع ہو جائیں گے، یعنی ان شاء اللہ مجھ کو بھی دشواری پیش نہ آئے گی یا اگر آئے گی تو اس کی برداشت کی قوت ہو جائے گی، اور مدرسہ بھی حضور کی دعا سے چلتا رہے گا۔ اب جو ارشاد ہو عمل میں لاؤں۔

یہاں ربیع الاول والآخر میں ان مجالس کی زیادہ کثرت ہے، سو اگر شق ثالث کا حکم ہو تو اختتام صفر تک اس کا انتظام کرلوں۔ حقوق وغیرہ ادا کر دوں۔ مدرسے کا کوئی مناسب انتظام بہ تدریج کر دوں، اور اب سے ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی نیا کام بلا استجازہ حضرت والا کے وقوع میں نہ آئے گا، اور اگر غلطی سے کوئی امر

صادر ہو جائے تو بے تکلف احقر کو متنبہ فرما دیا جایا کرے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ امتثال امر میں کوتاہی نہ ہوگی۔ اب جواب عریضہ کے ساتھ امر سے بھی اطمینان فرما دیا جائے کہ اب تو حضور کو کسی قسم کی ناخوشی اس خادم سے نہیں ہے۔

زیادہ حد ادب! بہ خدمت مولوی محمد یحییٰ صاحب سلام مسنون۔

اشرف علی از کان پور

۲۹ محرم ۱۳۱۵ھ

(۳۰ جون ۱۸۹۷ء)

اس کے جواب میں حضرت قدس سرہٗ نے مولانا کے اس رجوع الی الحق کا شکریہ اور اس پر شاباش تحریر فرمائی، اور جواب الجواب میں مولانا مدظلہ کی طرف سے شکریہ آ کر کتابت ختم ہوئی۔ ختم اللہ لنا بالحسنیٰ۔ آمین!

(تذکرۃ الرشید: ج ۱، ص ۱۱۳ تا ۱۳۶)

ضمیمہ۔۲

وصل الحبیب

تالیف: حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی وفات کا اثر

قطب عالم، قدوۃ العلماء الراسخین، اُسوۃ الفقہاء والمحدثین، حضرت شیخ المشائخ مولانا ومرشدنا الحاج الحافظ المولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ایسی وفات نہ تھی جس کا اثر کسی خاص حصے یا مختص جمع تک قاصر رہا ہو۔ اس جاں کاہ وروح فرسا حادثے نے تقریباً تمام مسلمانانِ ہند کے دلوں کو علیٰ قدرِ المراتب صدمہ پہنچایا اور اُن مخالف فرق اسلامیہ کے قلوب پر بھی چوٹ لگائی ہے جن کی عناد پسند طبائع حضرت قدس سرہٗ کی مقدس حیات میں اس سچی نیابت رسالت کے فیضان سے محروم رہیں۔ عموماً حضراتِ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے لئے کچھ عادۃ اللہ اسی طرح جاری ہے کہ ان کی پاک زندگی اور برگزیدہ اوقات میں عام مخلوق خلل انداز نہ ہو، اس لئے بعد وصال ہر دل عزیز ہونے والے خاصانِ خدا کو کسی زمانے میں بھی اہل زمانہ نے متفقہ رائے سے پیشوا وامام نہیں سمجھا۔ ہاں! البتہ وہ قلبی کیفیت جس کو اسلام سے علاقہ ہے ہر مسلمان کے دل سے اس اَمر کا اقرار کراتی رہی کہ یہ تقویٰ وریاضت ہم

عصر ابنائے زمانہ میں مفقود ہے۔ چوں کہ حضرت محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مقدس ذات نے بھی اس پاکیزہ اُصول سے علیحدہ ہونا نہ چاہا اور زندگی میں تسخیر عام اور کافہ انام میں نیک نامی وشہرت تامہ کو پسند نہ کیا، اس لئے باوجود اس کمالِ ظاہر و باطنی کے جس کی نظیر دُنیا میں اس صدی کے اندر نظر نہیں آئی، اسلام کے متعدد فرقوں کی بدزبانی و ایذارسانی سے یکسو نہ رہے، اور تفسیق و تضلیل بلکہ تکفیر تک کے فتوے ہوئے۔

اس زمانے نے ایک جگہ کی دوسری جگہ، اور ایک ملک کی دوسرے ملک میں خبریں معلوم ہونے کے اس قدر وسائل و ذرائع مہیا کر دیئے ہیں کہ سطح زمین کا ہر آباد حصہ دنیا بھر کے بھلے برے حالات گھر بیٹھے معلوم کرسکتا ہے۔ پس ہمارا یہ دعویٰ بداہت کے باعث دلیل کا محتاج نہیں ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز کا توکل میں، صبر وقناعت میں، ریاضت وعبادت میں، تقویٰ وطہارت میں، مجاہدے میں، استقامت میں، استغنا میں، حب فی اللہ وبغض فی اللہ میں جس طرح کوئی مثیل نہ تھا۔ اسی طرح تبحر علمی میں، وسعت نظر میں، تفقہ میں، تحدیث میں، عدالت وثقاہت میں اور روایت ودرایت میں بھی کوئی عدیل نہ تھا۔ اسی دعوے کو بہ الفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ شریعت میں مرجع علما اور طریقت میں ملاذ الناس ہونے کی حیثیت سے دنیا میں بے نظیر یعنی عالم کے قطب الارشاد تھے۔

عوام مسلمین کے سمجھنے کے لئے یہ بات بھی کافی تھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ عام اہلِ اسلام کے نہیں بلکہ خاص اور ممتاز سردارانِ مذہب یعنی علما کے امام تھے۔ اس لئے کہ حضرتؒ کے متوسلین کی کثیر التعداد جماعت میں کوئی سو علماء وہ موجود ہیں جن کی قابلیت علمی کا فرداً فرداً بھی کسی جم غفیر کی لیاقت سے مقابلہ وموازنہ نہیں ہوسکتا۔ آخر وہ کیا خداداد خوبی تھی جس نے علماء جیسے دوربین اور وسیع النظر حضرات کو باوجود طلبِ جاہ وعلو اس عالی بارگاہ میں سر جھکانے اور گردن نیچی کر لینے پر مجبور کیا، اور مجبور نہیں بلکہ عوام سے زیادہ اس اَمر کا حریص بنا دیا کہ حضرتؒ کی مبارک جوتیاں سر پر اٹھائیں،

آنکھوں سے لگائیں، چومیں اور آخرت کے لئے ذخیر بنا کر رکھ چھوڑیں۔ ناظرین نظر اٹھائیں اور دیکھیں یا دکھائیں کہ پڑھے لکھے آنکھوں والے ذکی الطبع علمائے شریعت اور دیکھے بھالے واقف کارانِ رُموزِ طریقت کی اس بڑی جماعت نے جس مقدس فرشتہ سیرت ذات کو اپنا مقتدا و پیشوا بنایا تھا، کیا سمجھ کر بنایا تھا؟ اگر یہ مرتبہ انسانی تحصیل پر موقوف ہے تو کوئی حاصل کر کے دکھائے یا حاصل ہوا نمونہ پیش کرے۔ ہم دیکھنے کے منتظر اور منصفانہ موازنے کے لئے تیار ہیں۔

تبحرِ علمی میں یکتا

یہ بات مسلم ہے کہ سوائے اُن چند مسائل کے جن کو رُسوماتِ مروجہ اور آبائی قدیم خیالات سے علاقہ ہے، کسی شرعی مسئلے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کیا معنی، مساوی درجے پر بھی کسی عالم کا فتویٰ نہیں سمجھا گیا، اور عوام ہی نے نہیں بلکہ خواص نے بھی باوجود مخالفت و عناد اور حسد و عداوت اس سچی بات کو مان لیا کہ فی الواقع تبحرِ علمی اور وسعتِ نظر میں علوم دینیہ کے اندر حضرتؒ کا ہم پلہ ہندوستان میں یقیناً اور دیگر ممالک میں غالباً کوئی نہیں، اور نیز یہ استقامتِ کاملہ بھی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی، جس کا ظاہری ثمرہ یہ تھا کہ ابتدائے بلوغ اور آغازِ شباب سے اس عالم ضعیفی اور زمان پیری تک حضرتؒ کے معاملات میں ذرّہ برابر فرق نہیں آیا وہی سنن و مستحبات کی مداومت تھی اور وہی نوافل پر مواظبت۔ وہی تہجد و اوابین تھی اور وہی چاشت و اشراق۔ وہی تحیۃ الوضو کی حالت تھی اور وہی تحیۃ المسجد کی کیفیت۔ انسانی زندگی کے متعلق پیش آنے والے اُمور یعنی موت، حیات، صحت، مرض، رنج و غم، راحت و خوشی، ولادت، عقیقہ، ختنہ و نکاح، غرض کنبہ و برادری سے وابستہ جملہ ضرورتیں پیش آئیں، مگر کیا ممکن تھا کہ کبھی معمولاتِ ریاضت میں حبہ برابر فرق پیدا یا نوافل ترک ہوگئے ہوں؟ اس پُر آشوب زمانے میں فرائض و واجبات پر بھی اس قدر استقامت مشکل امر ہے کہ چالیس پچاس سال میں کسی ایک نماز کی قضا یا

جماعت کا چھوٹ جانا نہ پایا جائے، چہ جائے کہ نوافل و مستحبات۔ پس اگر اس کا نام محبت رسول اور اتباع نبی عربی نہیں تو پھر کس کا نام ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا فیض

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس روحانی سلسلے میں جو فیض حضرت محدث گنگوہی قدس سرہ العزیز کی متوکل وقانع اور مخلص و متواضع ذات سے جاری ہوا بہ ذاتِ خود ایک آیۃ من آیات اللہ ہے، چہ جائے کہ اُس پر بے نظیر کمال اور کمال پر لاثانی تکمیل، اور تکمیل بھی ایسی بابرکت جس کے فیض یافتہ دس بیس، سو دو سو نہیں بلکہ پچاس ساٹھ ہزار سے بھی زیادہ ہوں تو عجب نہیں۔

اللہ اللہ! وہ کیا غیبی کشش تھی جس نے گنگوہ جیسے قصبے کی صعوبت سفر کو شرفائے ہند کی کم زور اور پردہ نشین عورتوں تک کے لئے آسان کر دیا، اور اللہ عز اسمہ کی پاک باز مخلوق کو جوق جوق اس طرح کھینچ لیا جیسے مقناطیس آہن کو کھینچتا ہے۔ دنیاوی حیثیت سے تعجب ہے، اور بسا تعجب ہے کہ گنگوہ میں باوجود ہر قسم کی دنیاوی تکلیف مہیا ہونے کے کنارہائے ملک سے گروہا گروہ اہل اسلام سر اور آنکھوں کے بل اس جوش و خروش سے حاضر ہوتے دکھائی دیے، جو لذیذ سے لذیذ نعمت اور پسندیدہ آرام و راحت کے مقام پر جاتے وقت بھی نظر آنا دشوار ہے۔ قطع نظر اہل کشف کے مکاشفات اور صاحب دل سالکین کی غیبی مطلعات کے، خود یہ حالت قطبیت کا اظہار اور حرماں نصیب مسلمانوں کی بدقسمتی پر کف افسوس مل کر اس امر کا اعلان کر رہی تھی کہ خداوند تعالیٰ جلت قدرتہ کی عدم توفیق کا اندازہ کرو کہ بطحائی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سچی نیابت کے دریائے مواج اور بحر ذخار سے آس پاس کے لوگ محروم رہا کرتے اور کس خاص آنکھوں والے مسلمان موسلا دھار مینہ (بارش) کی طرح برسنے والی خداداد نعمت کے تقسیم ہوتے وقت دامن سمیٹتے اور روگردانی کیا کرتے ہیں۔ یضل من یشاء و یھدی من یشاءُ!

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے مخالفین تقوے کی لذت سے بے بہرہ

زیادہ قابل تعجب بلکہ لائق حسرت وافسوس جس کا قلق عمر بھر نہ جائے گا، یہ بات ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرنے والے مسلمان عموماً وہ حضرات تھے جو قطع نظر اپنی عملی حالت خراب اور تقویٰ وطہارت کی لذت سے بے بہرہ ہونے کے حضرت رحمہ اللہ کی مقدس صورت تک دیکھنے سے ناکام اور معمولات واوقات کی پابندی یا ریاضت ومجاہدے کی روزانہ کیفیت تک کا اندازہ کرنے سے قاصر تھے۔ خدا جانے اس اَن دیکھے تیر چلانے والی قوم کو بلا حالت معلوم کیے کسی ناشائستہ کلمے کے زبان سے نکالنے کی کیوں کر جرأت ہوئی؟ اور ایک ایسے شیخ وقت پر بدن کو لرزا دینے والا کفر کا فتویٰ گھر بیٹھے لگا دینے کی کس طرح ہمت ہوئی؟ جس کا تقدس وتورع اور مخلوق کی جفا شعاری وایذا رسانی پر صبر وتحمل کا نمونہ ڈھونڈے بھی نہیں ملتا!

ہائے افسوس! وہ نورانی صورت مادرِ گیتی کی گود کے حوالے ہوگئی اور وہ نحیف جسم روضۃ من ریاض الجنۃ یعنی پاک صاف لحد مسنونہ کے سپرد کر دیا گیا، جس نے ساٹھ سال سے زیادہ ریاضت ونفس کشی اور خوف وخشیت کے ساتھ کامل اتباع سنت محمدیہ میں صرف کیے، اور ہدایت ورہبری کے مہتم بالشان منصب کا بوجھ اٹھا کر انجام تک پہنچایا تھا۔

مؤلف کی حق گوئی

میں اس حیثیت سے کہ ایسے محلّہ وشہر اور اُس خاندان وقبیلے میں پیدا ہوا تھا جس کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اَن دیکھی عداوت تھی، نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اپنے آبائی خیالات کی اصلاح میں بڑی عرق ریزی وتفتیش اور اپنی پوری طاقت صَرف کرنے والی چھان بین سے کام لینا پڑا جس کا نتیجہ میں اس وقت تحریر میں لاتا اور اپنی قسمت پر فخر کر کے دعا مانگتا ہوں کہ بار الٰہ! اپنے بندۂ ناکارہ عاشق الٰہی کو اپنے پیارے اور مقبول ولی یعنی مرجع عالم، حضرت مرشدی مولانا المولوی ابو المسعود محدث

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں محشور فرمائیو، اور محض اپنے فضل سے جوڑے ہوئے علاقۂ مرضیہ پر دنیا سے اٹھائیو۔ آمین بحرمۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم!

پاک باز روح کی روانگی کا سماں

مجھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا وقت اور مقدس و پاک باز رُوح کی روانگی کا وہ نرالا سماں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، جس کی لذت تادم مرگ دل سے نہ نکلے گی۔ اس آخری زیارت کی مشتاق نگاہ پر ہزار جانیں قربان کرنے کو جی چاہتا ہے جو کفن کی گرہ لگانے سے ایک آن پہلے حاصل ہوئی تھی، اور اَب اُس کا حصول ممتنع ومحال ہے۔

جمادی الاولیٰ کی تیرہ یا بارہ تاریخ کی شب کو آخر شب میں خنکی کی وجہ سے حضرتؒ حجرے میں تشریف لے گئے اور حسب معمول صلوٰۃ تہجد میں اپنے اللہ سے راز و نیاز شروع ہوگیا، اسی حالت میں بائیں پاؤں کی دو انگلیوں یعنی خنصر بنصر میں ناخن سے، کچھ نیچے کسی زہریلے جانور نے کاٹا، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بالکل احساس نہیں ہوا، اور یہ عدم احساس اگر چہ میرے اور آپ کے نزدیک قابل تعجب ضرور ہے، مگر حالت میں محو و مستغرق ہوجانے والے اور کسی خاص حضوری کی مشغولیت کے وقت تن بدن سے مدہوش و بے خبر بن جانے والے شیخ کے لئے کچھ بھی قابل تعجب نہیں۔ اگر کسی شخص نے کوئی شیدائی جوان اپنی معشوقہ کے جمال کی زیارت کرتے وقت دیکھا ہوگا تو وہ اس فنائیت ومحویت کا اندازہ کر سکے گا۔ غرض حضرت رحمۃ اللہ علیہ صبح کی نماز کے لئے وقت مقررہ پر حجرے سے باہر تشریف لائے اور مسجد کی جانب روانہ ہوئے، صبح کا سہانا وقت تھا، جھٹ پٹا ہو چلا تھا، خالص حنفیت کے مطابق اسفار کی حالت میں نوری شعاعوں نے شب کی تاریکی مٹادی تھی، سفید کپڑوں پر خون کی سرخی ممتاز ہوکر نظر آرہی تھی،...... جو بہ حالت قعود پاؤں سے مس ہوتا ہے، خون آلودہ دیکھ کر ایک خادم نے جو باہر کھڑے تھے عرض کیا کہ حضرت! آپ کا کُرتا خون آلود ہے۔ چوں کہ نماز کو دیر ہوتی تھی، اس لئے کپڑے بدل کر حضرتؒ مسجد میں تشریف لے آئے اور نماز پڑھائی۔

بعد نماز جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حسب معمول چارپائی پر بیٹھنے کے لئے کھڑاؤں پاؤں سے علیحدہ کی تو اُن خدام کی نظر پاؤں کی انگلیوں پر گئی، جو اس اتفاقیہ واقعے سے سراسیمہ و پریشان سامنے کھڑے تھے۔ اس وقت نشانِ زخم سے معلوم ہوا کہ کسی جانور نے کاٹا ہے۔ حجرے سے وہ روئی مصلیٰ بھی باہر لایا گیا جس پر حضرتؒ نے شب کو نماز پڑھی تھی۔ دبیز مصلیٰ خون میں اس قدر آلودہ تھا کہ نیچے تک اثر پہنچ گیا تھا۔

اس اتفاقیہ قصے سے خدام کی طبائع پریشان اور رائیں مختلف قائم ہوئیں۔ بعض کا خیال ہوا کہ رگ کا منہ کھل کر خود بخود خون نکلا ہے، اور اکثر کا یہ گمان تھا کہ چوہیا نے کاٹا ہے، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب فرمایا یہی فرمایا کہ ''مجھے مطلق خبر نہیں، نہ کاٹتے وقت اور خون نکلتے وقت احساس ہوا نہ اب کچھ تکلیف یا درد ہے۔''

میں اُس وقت حضرتؒ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک شان خداوندی نظر آرہی تھی کہ خدام اس طرح متحیر و پریشان اور سبب خروج دم کے معلوم نہ ہونے سے متفکر و سراسیمہ ہیں، اور حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ پر ذرہ برابر بھی تفتیش و فکر کا اثر محسوس نہیں ہوتا۔ اس قصے کے بعد کئی دن میں گنگوہ حاضر رہا، مگر حضرتؒ کی زبان مبارک سے استنجا بایا تذکرۃً بھی اس قصے کا اعادہ نہیں ہوا۔

یہ بات یقینی ہے کہ حضرتؒ کے پاؤں سے چھٹانک بھر سے زیادہ خون نکل گیا تھا، اور اس واقعے کے اگلے ہی دن سے حضرتؒ پر ضعف وانکسار اور غنودگی ونوم کی حالت زیادہ طاری ہونی شروع ہوگئی، مگر بسا تعجب ہے کہ نماز کے اوقات اور اَوراد و وظائف یا مشاغل و معمولات کے اوان میں ذرہ برابر فرق نہ تھا۔ وہی دو ڈھائی بجے سے فجر تک اور صلوٰۃ صبح کے بعد سے تا فراغ ضحیٰ ایک حالت پر قعود اور مراقبہ و اوراد کا اہتمام تھا اور وہی چاشت وزوال کے نوافل اور بعد ظہر تلاوت قرآن اور خلوت کے خاص مشاغل کا التزام تھا۔ وہی صلوٰۃ الاوابین تک کا کھڑے ہوکر پڑھنا اور وہی دو دو گھنٹے ایک پہلو پر ذکر و فکر میں محویت واستغراق۔ اگر فرق تھا تو یہ تھا کہ مسجد سے اٹھتے وقت کبھی چکر آیا اور ایسا

ضعف غالب ہوا کہ خادم کو سنبھالنا پڑا، یا یہ کہ پلنگ تک پہنچتے ہی لیٹ گئے اور چند ہی منٹ میں نیند آ گئی۔ خلاصہ یہ کہ اُن اوقات کا اکثر حصہ جو بہ حالتِ جلوت خدام کے ساتھ تعلیم و ہدایت یا دنیاوی ضروریات کے متعلق باتوں میں صرف ہوتا تھا نیند میں گزرنے لگا، اور اذان کے وقت سے دو چار منٹ قبل معاً آنکھ کھل جاتی اور حسب معمولِ قدیمہ سب سے پہلے پہلا لفظ جو زبان سے نکلا کرتا تھا بے اختیار نکلتا تھا، یعنی:

اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له

یا. استعفر الله استغفر الله. یا صرف. وحده لاشریک له.

میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس حالت پر متعجب ہوتا اور سوچا کرتا تھا کہ خلاف عادت اس قدر نوم کا غلبہ کیوں ہے؟ مگر اس وقت سوائے اس کے کہ خون نکلنے کے باعث ضعف پر محمول کرتا اور کیا سمجھ سکتا تھا؟ اس جواب سے میرا نفس ساکت ضرور ہو جاتا تھا، لیکن تسلی نہ ہوتی تھی۔ اب اس کا نتیجہ ظاہر ہونے پر وہ صورت نظروں کے سامنے پھرتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ دنیاوی اسباب میں تو سمی اثر کی ابتدا اور زہریلے مادے کا صعود تھا، جس نے ظاہری مشغولیت خلق کے اوقات کو دُوسری جانب مصروف کر دیا تھا، اور دینی حیثیت سے لقائے خداوندی کا وقت قریب آ جانے کے باعث فرطِ اشتیاق اور جوشِ محبت نے استغراق وفنائیت میں مخلوق سے بالکل یک سو کر لیا تھا۔

اس حالت میں حضرتؒ کے وہ خاص الطاف جو عام خدام پر مبذول ہوئے تھے اب یاد آ کر بہت مضطرب کرتے ہیں۔ آہ! کیا خبر تھی کہ یہ معمول سے زیادہ عنایتیں اس لئے ہیں کہ مہربانیاں کرنے والا دینی باپ اپنی بے کس اولاد کو یتیم بنانا چاہتا ہے، اور یہ مخصوص توجہات اس لئے بڑھی ہوئی ہیں کہ آخری اور بہت جلد ختم ہونے والی ہیں۔

اسی حالت کے ایام میں ایک مرتبہ عصر کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ جلوت میں بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرتؒ کے قریبی رشتے دار شاہ جی مظہر حسین صاحب حاضرِ خدمت ہوئے اور سلام کر کے حسب معمول مونڈھے پر بیٹھ گئے، یکایک

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اثنائے گفتگو میں شاہ جی کی طرف توجہ کی اور یوں فرمایا کہ
"شاہ جی مظہر! آدمی کی زندگی کا اعتبار نہیں ہے، ذرا علیحدہ ہو کر میری ایک بات سن لو!"
چنانچہ سہ دری میں تشریف لے گئے اور خدا جانے کیا فرمایا۔ چند منٹ کے بعد پھر پلنگ پر تشریف لے آئے اور سابق کلام پر گفتگو جاری ہو گئی۔

اس بہ ظاہر بے محل اور بے موقع گفتگو سے سب کچھ ظاہر ہو چکا تھا مگر اس پیش آنے والے جاں کاہ حادثے سے چوں کہ تمام خدام کے خیالات فارغ اور خالی تھے اس لئے اس طرف توجہ بھی نہ ہوئی کہ کیا رمز واشارہ ہے؟

انگلیوں کے خفیف زخم کی جانب سے چوں کہ حضرتؒ نے خود اس قدر استغنا برتا کہ صرف مکھی بیٹھنے کی حفاظت کے لئے سوائے لعاب لگے ہوئے کاغذ کے کچھ دوا استعمال کرنے کا خیال بھی نہیں کیا، اس لئے خدام کو یہ بھی خیال نہ گزرا کہ یہ زخم اپنا اثر دکھانے والا اور وصال کا پیش خیمہ بننے والا ہے۔ یہاں تک کہ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ ہجری مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۰۵ء یوم دوشنبہ (پیر) کو بعد نماز عشا جس وقت حضرتؒ حسب معمول چارپائی پر لیٹے اور خدام بدن دبانے لگے، یکا یک تپ ولرزہ محسوس ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں بخار نے یہ شدت پکڑی کہ چادر کے اوپر ہاتھ رکھنا دشوار ہو گیا۔ سہ شنبہ (منگل) کا تمام دن شدت بخار میں گزرا، اور اتفاقی حالت سمجھ کر معمولی دوا استعمال میں آئی، لیکن چارشنبہ (بدھ) کو بھی جب بخار کی وہی شدت رہی تو جناب صاحب زادہ حکیم حافظ مولوی مسعود احمد صاحب نے نہایت مستعدی سے تدبیر شروع کی، اور گو کبھی کبھی گونہ خفت محسوس ہوئی مگر بخار کو نہ جانا تھا نہ گیا پر نہ گیا۔

پاؤں کی انگلیوں میں جہاں سولہ سترہ دن ہوئے زخم ہوا تھا، کاٹی ہوئی جگہ پر نیلگوں چھالے پڑ گئے، اور خنصر و بنصر پر وَرَم محسوس ہوا۔ اس کے بعد وَرَم بڑھتا اور اُوپر کو چڑھتا رہا، یہاں تک کہ زانو تک پہنچ گیا اور حرکت تک سے معذوری ہو گئی۔ پیر کی یہ حالت اور بخار کی یہ کیفیت دیکھ کر لوگوں کا خیال اس طرف منتقل ہوا کہ شاید

سانپ نے کاٹا ہو؟ اس لئے اس فن کے جاننے والے آدمی بھی بلائے گئے مگر پیر کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ اُس کو دیکھ کر پوری رائے قائم نہ ہوسکتی تھی۔

۴ اگست یعنی یوم جمعہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص عزیز جناب مولوی حکیم محمد اسماعیل صاحب اجمیری مقیم بمبئی نے علاج اپنے ہاتھ میں لیا، جو اتفاقاً بمبئی سے آ گئے تھے، اور حضرت ؒ کے مزاج دان ہونے کے اعتبار سے اطبا میں بھی ہر طرح قابل ترجیح سمجھے گئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ معالجہ وتدبیر اور خدمت وتیمارداری میں حتی الامکان کوئی امر فروگزاشت نہیں ہوا، مگر حضرت قدس سرہ العزیز سفرِ آخرت کا تہیہ فرما چکے تھے، اس لئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور جمعہ کے دن ساڑھے بارہ بجے کے بعد ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ ہجری مطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء کو بعد اذان جمعہ وہ وقت دیکھنا نصیب ہوا جس کا نقشہ مرتے دم تک قلب سے علیحدہ نہ ہوگا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مرض کی اطلاع اول دو چار دن تک تو سوائے مخصوص لوگوں کے قرب وجوار میں بھی کسی کو نہیں ہوئی، مگر جس وقت پھیلی تو متوسلین کی آنے والی جماعتوں کا یہ عالم تھا کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ خدام اس کثرت سے جوق جوق آئے کہ خانقاہ میں باوجود وسعت جگہ نہ ملی۔ اکثر مختلف جگہوں میں ٹھہرے، اور باوجود یہ کہ اکثر آدمی زیارت کر کے واپس چلے جاتے تھے مگر پھر بھی تقریباً چار سو، پانچ سو اشخاص کا ہجوم رہتا تھا۔ چوں کہ یہ مجمع اکثر علماء وصلحا اور حضرت ؒ کے مخلص خدام کا تھا، اس لئے روزمرہ متعدد ختم کلام مجید، بخاری شریف، آیت کریمہ اور سورۂ فاتحہ وغیرہ کے ہوئے، اور نہایت تضرع وزاری کے ساتھ دعائیں مانگی گئیں، مگر میں یہ بات یقینی کہہ سکتا ہوں کہ دل اندر سے بجھ چکا اور مایوس بن گیا تھا، جس کا خواص پر یہ اثر ہویدا تھا کہ عین حالت گریہ وبکا میں صبر کا وقت ہونے کی اطلاع دی جاتی تھی، اور عام پر یہ اثر ظاہر تھا کہ دل کی بند ہوئی کلی باوجود کوشش کے کھلنے اور کھلنے کا نام نہ لیتی تھی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حالت کرب وشدت مرض ایک جداگانہ کمال تام کی دلیل بنی ہوئی تھی، اس لئے کہ بجائے ہائے واویلا اور آہ ووائے کے ''اللہ'' نکلتا تھا، جسکی ''ہ'' میں کشش اور مدصوت نمایاں تھا۔

آثارِ مرض یہ بات ظاہر کررہے ہیں کہ غالباً حضرتؒ کے پاؤں میں سانپ نے کاٹا اور اُسی کے زہریلے اثر نے شانِ صدیقیت میں حظِ وافر عطا کرنے کے لئے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ حضرتؒ کو چندروز عالم دنیا سے کسی قسم کا بہ ہوش وحواس علاقہ نہیں رہا۔ زبان نے پوری طرح یاری نہیں دی۔ اگر کبھی کوئی بات فرمائی تو اچھی طرح سمجھ میں نہیں آئی، مگراس حالت میں بھی یہ بات ہر دیکھنے والا دیکھتا تھا کہ زبان پر ذکر الٰہی جاری اور قلب اپنے کام میں بہ دستور مشغول اور دونوں ہاتھ اکثر نماز کی نیت باندھنے کی طرح کانوں تک جاتے مگر ضعف کے باعث کپکپاتے ہوئے نیچے گرنا چاہتے تھے، جن کو اِدھر اُدھر بیٹھے ہوئے خادم تھام لیتے تھے۔

جمعہ کا انتظار

حضرتؒ کو شنبہ (ہفتہ) کے دن سے جمعہ کا انتظار تھا۔ وہ چند باتیں جو کبھی کبھی سمجھ میں آئیں یہی تھیں، مثلاً فرمایا: ''کیا آج جمعہ کا دن ہے؟'' یا ایک مرتبہ فرمایا کہ ''جو اللہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے۔'' ایک مرتبہ صاف الفاظ میں **''انا للہ وانا الیہ راجعون''** پڑھا۔ ایک دفعہ صاحب زادہ صاحب کو ارشاد فرمایا کہ ''میاں مسعود احمد! وضو کرادو''۔ یا یک شنبہ (اتوار) کے دن مولوی حبیب احمد صاحب خادم خاص سے فرمایا کہ ''پانچ روز اور خدمت کرنی ہے!'' اور آخری شب شب جمعہ میں اپنے جاں نثار خادم مولوی محمد یحییٰ صاحب کاتب خطوط وفتاوے کا خاص نام لے کر کچھ ارشاد فرمایا، مگر وہ نہ سمجھ سکے اور بے تابانہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھ لئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو چھ روز پہلے سے جمعہ کا انتظار تھا۔ بہ یومِ شنبہ (ہفتہ) دریافت فرمایا کہ ''آج جمعہ کا دن ہے؟'' خدام نے عرض کیا کہ حضرت! آج تو شنبہ

ہے۔اس کے بعد درمیان میں بھی کئی بار یوم جمعہ کو دریافت فرمایا، حتیٰ کہ جمعہ کے دن جس روز وصال ہوا، صبح کے وقت دریافت فرمایا کہ کیا دن ہے؟

جب معلوم ہوا کہ جمعہ ہے تو فرمایا: "انا للہ وانا الیہ راجعون ٥"

ایام مرض میں زبان بہت سرعت سے ذکر کے ساتھ جاری رہتی تھی۔ جو اوقات اورادِ معینہ کے تھے اس وقت خود بخود اس طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ ۴/ اگست کو جو جمعہ واقع ہوا، اس میں حسب معمول وقت مقررہ پر سورۂ کہف شروع کر دی۔

خصوصاً تہجد کے وقت زیادہ مشغولی اور توجہ معلوم ہوتی تھی۔ بعض دفعہ ذکر نفی اثبات جہر اور مدِ صوت کے ساتھ شروع فرما دیتے۔ ایک دفعہ بیٹھنے کی حالت میں حبس دم کی طرح سانس کو دیر تک روکے رکھا، جس سے طبیبوں کو دوسرا اندیشہ پیدا ہو گیا، مگر جب دیر کے بعد آہستہ آہستہ چھوڑا تو معلوم ہوا کہ صورت دوسری تھی۔ اکثر اوقات ہاتھ کو وہ حرکت پیدا ہوتی تھی جو تسبیح کو ہاتھ میں لے کر پڑھنے کے وقت ہوتی ہے۔

یہ حالت خاص کر ان اوقات میں جو درود شریف وغیرہ پڑھنے کے تھے، زیادہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ ہاتھ بڑھا کر تسبیح کی تلاش کی، خدام نے تسبیح ہاتھ میں دے دی، جس کو بالکل باقاعدہ دیر تک پڑھتے رہے۔

دنیا کا ہوش نہیں اور عالم بقا سے غفلت نہیں

الغرض! قلب و دماغ اور زبان و دیگر اعضا سب اسی طرف متوجہ تھے، اس عالم کا بالکل ہوش نہ تھا۔ اس وقت مجھ کو وہ مقولہ یاد آتا ہے جو حضرتؒ کے ایک جلیل القدر متوسل نے پاس بیٹھ کر دیر تک توجہ باطنی میں مشغولیت کے بعد آہِ سرد بھر کر شب جمعہ میں فرمایا تھا کہ "حضرت کو ذرہ برابر اس عالمِ فانی کا ہوش نہیں اور اس کے ساتھ ہی حبہ برابر اس عالم بقا سے غفلت نہیں۔"

اللہ! اللہ بخار کی اس شدت اور کرب کی اس زیادتی میں، جس کو دیکھ کر دیکھنے والوں کے قلوب مصدوم ہوتے تھے، ذکر و فکر کی یہ حالت تھی کہ بہ حالتِ مرض اکثر کسی

خادم کے سہارے کمر لگا کر بیٹھے تو اسی حالت پر بیٹھے جس طرح بہ حالت مراقبہ ساکت وصامت بیٹھنے کی عادت تھی۔ اس عالم محویت کے ان حرکات وسکنات سے ایک معمولی سے معمولی ظاہر بین شخص بھی کم سے کم یہ نتیجہ ضرور نکال سکتا ہے کہ اللہ عز اسمہ کی یاد اور اذکار کے معمولات حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بالکل عادت جاریہ اور طبیعت ثانیہ بن چکے تھے، جن کے لئے تکلف وتوجہ اور دنیاوی ہوش وحواس کی بھی حاجت نہ رہی تھی۔ کیوں کہ بلا قصد وبلا ارادہ بھی وہی بات پیدا ہوتی تھی جس کو مقصود بالذات بنانے کے لئے سیکڑوں برس کوشش اور مجاہدے یا ریاضتیں تجویز کی گئی ہیں۔

مشتاقانِ زیارت کے ہجوم کی کیفیت ایک جداگانہ شانِ قطبیت کا اظہار کر رہی تھی۔ صاحب زادہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے لئے مرجع عالم شیخ اور کئی ہزار مخلوق کے مشفق ومہربان باپ کا مرض ہی کیا کم پریشان کرنے والا تھا؟ پھر اس پر تیمارداری اور تیمارداری کے متعلق زائرین کے بے تابانہ ہجوم کا انتظام، بے چین خدام کی تسلی وتشفی، اور سب پر طرہ یہ کہ زیارت کے شوق میں کھنچے چلے آنے والے عشاق، متوسلین کی مہمان داری اور کھانے کا انصرام جس میں پانچ پانچ سو تک شمار پہنچتی تھی، یہ سب پریشانیاں بہ حیثیت مجموعی ایسی مہتم بالشان تھیں جن کی برداشت کے لئے بڑے دل جگرے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ کسی جان سے زیادہ عزیز کی بیماری میں ایک مہمان کو وقت پر کھانا پہنچانا بھی گراں گزرتا ہے، اور اسی تواتر تفکرات کو دیکھ کر اکثر خدام زیارت کر کر کے واپس ہو جاتے تھے مگر پھر بھی دن بہ دن مجمع بڑھتا گیا، اور یہ حالت ہوگئی کہ سہارن پور میں گنگوہ جانے کے لئے بہلی اور یکہ (گھوڑا گاڑی) یا ٹمٹم (دو پہیوں کی انگریزی گاڑی) اور ٹٹو (چھوٹے قد کا گھوڑا) تو کیا ملتا، چھکڑا بھی بارہ بارہ روپیہ پر کرایہ ہوا، اور آخر وہ بھی نہ مل سکا تو جاں باز عشاق کو پیدل مسافت طے کرنی پڑی۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا چیز تھی جوان ناز پروردہ جوانوں کو بیس بیس کوس پیدل بھگائے لیے جاتی تھی جن کو کبھی کوس بھر بھی پیدل چلنے کا اتفاق نہیں ہوا؟ اور وہ کیا جوش

تھا جس نے اس شوق میں کہ کسی طرح پَر لگ جائیں اور گنگوہ اُڑا لے جائیں؟ تاریک رات کے اندھیرے میں چل دینے پر ایسا مجبور کر دیا تھا کہ صبح ہونے کا انتظار گویا مہجور عاشق کو شب ہجر کی صبح کا انتظار تھا، جس کی برداشت آسان نہ تھی۔ ان نظارے کے محتاج دور دراز سے سمٹے چلے آنے والوں کو پردہ اُٹھا اُٹھا کر دُور سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرادی جاتی تھی مگر یہ پیاس وہ نہ تھی جو اس قلیل سیرابی سے بجھ جاتی، دل تھا کہ نکلا چلا جاتا تھا، آنکھیں تھیں کہ اُمڈی آتی تھیں۔ بے محابہ جی چاہتا تھا کہ نگاہ یا تو اس مقدس چہرے سے جدا نہ ہو جس کی زیارت کے شوق نے یہاں کھینچا ہے، اور یا ان مبارک تلوؤں سے مَل کر حسرت پوری کریں جس کی نورانی صورت پر دل لوٹا جاتا تھا۔

چہار شنبہ (بدھ) کی شام کو بعد صلوٰۃ عصر جس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے سے پردہ اٹھا ہے اور غلاموں کو زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے، حضرتؒ مراقبے کی طرح گردن جھکائے تکیے سے سہارا لگائے بیٹھے تھے۔ میں قسمیہ عرض کرتا ہوں کہ دل اس وقت کے رُوحی حظ کا اس وقت تک مزہ لے رہا ہے اور اگر کوئی شخص مبالغے کا جھوٹا الزام مجھ پر نہ لگائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ بے نظیر حالت صرف اُسی وقت کے لئے مخصوص تھی۔ عام طور پر معلوم ہو رہا تھا کہ رحمت خداوندی بارش کی پھوار کی طرح برس رہی، اور تجلیات کا اس طرح ورود ہو رہا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کسی محدود روشن دان میں ہو کر کسی حسین صورت پر پڑ کر چمک دمک دکھلایا کرتی ہے۔ اس عمر بھر یاد آنے والی حالت سے وہی دل خوب آگاہ ہیں جن کی آنکھوں نے یہ سماں دیکھا ہے اور اسی ربانی تجلیات کا ثمرہ تھا کہ باوجود اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سکون وطمانیت اور رفع کرب وشدت کے چھوٹے سے لے کر بڑے تک کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کا دل نہ بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو نہ ٹپک پڑے ہوں۔ کاش! کوئی پوچھتا کہ صاحبو! کیوں روتے ہو؟ حضرتؒ تو اس وقت تندرستوں کی طرح بالکل خاموش بہ حالت مراقبہ بیٹھے ہوئے ہیں؟

الغرض! وہ جمعہ کا دن آ پہنچا جس کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ہفتہ کے دن سے انتظار تھا۔ اس دن کوئی خاص تغیر ایسا نہیں پیدا ہوا جس سے کسی خادم کی طبیعت ہراساں ہو، بلکہ بہ نسبت ایام گزشتہ کے سکون زیادہ معلوم ہوتا تھا مگر اس دن کے صرف یوم جمعہ ہونے کی وجہ سے اکثر خدام کے دل دھڑک رہے تھے اور طبیعتیں کھٹک رہی تھیں، تاہم یہ کسی کو خیال نہ تھا کہ یہ طویل سفر اس عجلت کے ساتھ طے ہو جائے گا کہ اطبا کو بھی نبض کے تغیر دیکھنے کا موقع نہ ملے گا۔ بارہ بجے سے قبل خدام کے سارے مجمع نے بہ اطمینان کھانا کھایا اور واپس آ کر نماز کے تہیے میں مشغول ہوئے کہ یکا یک کلیجوں کو نکال لینے والی وحشت اثر خبر کانوں میں گونجی اور غلاموں کے منتشر مجمع میں ایک ہلچل اور بھاگا دوڑی مچ گئی۔ آگے پیچھے سراسیمہ و پریشان خدام حاضر ہوئے، دیکھا تو قبضِ رُوح شروع ہو لیا تھا۔ اللہ اللہ! کیا وقت تھا اور کیا سماں تھا۔ اس ہیبت و جلال والی بارگاہ میں جہاں پاؤں کی آہٹ کو دبا دبا کر حاضر ہونا اور ادب و نیاز کے ساتھ فاصلے پر ساکت و صامت کھڑا ہونا پڑتا تھا، کئی سو متوسلین کا اژدحام کچھ عجیب تغیر عظیم دکھا رہا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ چارپائی پر مستحضر للموت لیٹے اور قبلے کی جانب رخ کیے ہوئے مسکراہٹ کے ساتھ اسم ذات کے ذکر میں مشغول تھے، اور بے چارے بے کس و بے بس عشاق ارد گرد غٹ کے غٹ اور اوپر تلے ایک دوسرے پر بے تابانہ جھکے پڑتے تھے۔ صاحبزادہ صاحب اور بعض دوسرے خدام سورۂ یٰسٓ پڑھ رہے تھے۔ اور جملہ دین داروں کا مجمع بہ حالت بے تابی کلمہ واستغفار جو کچھ زبان پر آتا یا جو سورتِ قرآنیہ خیال میں آتی روتی ہوئی آواز سے تلاوت کر رہا تھا۔ قلم میں طاقت نہیں کہ وہ نقشہ کھینچ دکھائے، اور زبان کو یارا نہیں کہ اس حالت کو من وعن کہہ سنائے۔ جو آنکھ تھی وہ اَبر باراں بنی ہوئی تھی اور جو شخص موجود تھا وہ ششدر و حیران بنا کھڑا تھا۔ کتابوں میں پڑھے ہوئے قصے دل کی آنکھوں کے سامنے تھے، اور اولیائے کبار کی موت ووصال کے حالات آنکھوں سے دیکھ لینے کے منتظر، اور امیدوار اشخاص وہ حال مشاہدہ کر رہے تھے جس پر کروڑہا

زندگیاں قربان اور ہفت اقلیم کی سلطنت نچھاور! ادھر قبض رُوح شروع ہوا اور اُدھر متوسط آواز میں مزہ لینے والے لہجے میں حضرتؒ کی زبان سے نکلا:

"لا الٰه الا الله محمد رسول الله"

جس کو پاس کھڑے ہوئے خدام نے صاف سنا اور اس کے بعد متصل ہی گونہ کراہت، کے ساتھ چہرہ پھیر کر:

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ."

فرمایا۔ دیکھنے والے دیکھ رہے اور سننے والے سن رہے تھے۔ کسی پردے کے پیچھے کچھ ہونے والی حالت کا اس طرح اظہار ہو رہا تھا کہ گویا شیطان لعین اپنی انتہائی کوشش میں جی توڑ کر سرگرم ہے، اور فضل وکرم خداوندی اس کی کمر توڑنے کے لئے حضرتؒ کی مقدس زبان سے "لاحول" کے دُرے کی ضرب لگوا رہا ہے۔ اس کے بعد یا پاؤں میں دم تھا یا ناف میں آیا، اور یا ناف میں تھا یا سینے میں آیا، جس وقت سینے میں دَم آیا اس وقت کچھ نہیں تو سوسوا سو خدام کا غٹ ہولیا تھا۔ اُن سے پوچھیے کہ کیا حالت دیکھی؟ سانس جلدی جلدی آ رہا اور سینے سے واپس ہو جانے والا سانس بہت ہی عجلت کے ساتھ "اللہ، اللہ، اللہ، اللہ" کا مبارک لفظ زبان سے نکلوا رہا تھا۔

آہ! خدا جانے وہ ضعف اُس وقت کہاں گیا جس کے باعث ابھی چند منٹ ہوئے بات بھی نہیں ہوسکتی تھی، اور سمی اثر کے باعث پیدا ہونے والی زبان کی رکاوٹ کہاں چلی گئی جس نے حالت مرض میں خدام کو بات نہ سمجھنے دی تھی۔ کیسی صاف آواز تھی اور کیسا صاف لہجہ۔ غرض! کام کرنے والے مقدس فرشتے اپنے کام میں مشغول تھے اور دو منٹ کے بعد اللہ کی یاد کے ساتھ اطمینان حاصل کرنے والی رُوح گردن میں آ پہنچی تھی۔ اس وقت تو ڈھائی سو تین سو اشخاص کا مجمع ہولیا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آواز پست وکمزور ہو چکی تھی، سانس کی گزرگاہ صرف حلق کا حصہ باقی تھا، مگر اللہ کے ذکر کا تحرک بجنسہٖ قائم اور جلدی جلدی دہانے کی حرکت اور بہت ہی خفیف آواز میں ذکر اسم ذات جاری تھا، حتیٰ کہ اس مبارک نام کی

ہائے پر سانس کا اختتام ہو گیا، اور کھلی ہوئی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔ گویا یتیم بننے والے خدام سے رخصت کا اظہار صرف وہ آنکھیں بند کر لینے کے ساتھ تھا، جس کی محبت بھری نظروں کے کیمیائی اثر نے گنگوہ کو حجازِ اصغر بنا دیا تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون o!

روح کی روانگی اور خوشبو

سارا مجمع گواہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی روح مقدسہ کے عالم بالا کی جانب روانہ ہوتے وقت وہ قدرتی مہکی ہوئی خوشبو ساری خانقاہ میں یک دم دوڑی اور ہر چھوٹے بڑے کے سونگھنے میں آئی، جس کو دنیاوی خوشبوؤں سے کوئی مناسبت نہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھ کو یا میرے احباب کو اُس وقت اس کے سوا کچھ خیال نہ تھا کہ شاید سہ دری میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی چارپائی کے پاس بخورات سلگائی گئی ہیں، مگر جب دیکھا کہ وہاں کچھ بھی نہ تھا اور خیال کیا کہ حقیقت میں اس رواروی اور صرف پانچ منٹ کے نزع و تہیہ سفر کی عجلت میں کسی کو خوشبو سلگانے کا وقت ہی نہیں ملا تو بے اختیار یہ تمنا ہوئی کہ کاش! اس مرتبہ تقرب کے ناواقف معاند اصحاب اسی وقت حاضر ہوتے اور اس آخری لٹنے والی نعمت ہی سے دامن بھر لیتے؟ مجھے خیال تھا کہ اس حالت کو سننے والے حضرات شاید حسنِ ظن یا مدحِ مرشد پر محمول کر کے مبالغہ آمیزی کا الزام لگائیں گے، اس وجہ سے اظہار میں تأمل رہا، مگر مخالفین کے خیالات کے موافق جب اس کی تائید اس طرح ہاتھ آئی کہ اسی میرے وطن میں ''الٰہ بخش'' نامی جن کی زبان سے ان لوگوں کے سامنے جن کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عناد تھا، حضرت رحمہ اللہ علیہ کے کمال کا اقرار اور اس مہکنے والی خوشبو کا اظہار ہوا تو مجھ کو عام احباب میں اس کے تذکرے کی جرأت ہوگئی۔

الٰہ بخش نے اس مجمع میں بہ جواب دریافت حالِ وصال آں حضرت رحمہ اللہ یہ الفاظ کہے تھے:

''مجھے حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا بڑا صدمہ ہے۔ میں اُس وقت گنگوہ میں موجود تھا۔ وصال کا عجیب نظارہ میں نے خود دیکھا اور

قبضِ رُوح کے وقت ایک نفیس خوشبو سونگھی جو ساری خانقاہ میں مہکی تھی، اور جو آدمی وہاں موجود تھے، انہوں نے بھی سونگھی ہوگی۔"

مبتدعین کے الزامات اور حضرت گنگوہیؒ کی وفات کی کیفیت

خدا کی اس دُوسری مخلوق کے اظہارِ منقبت کے طویل قصے کا بہ قدرِ کفایت فقرہ اس محل پر میں نے ظاہر کردیا ہے، ورنہ مجھے اس کی حاجت نہیں، کیوں کہ اس مجمع حضار میں بعض لوگ وہ بھی موجود تھے جو محض امتحان و آزمائش اور اس آخری نازک حالت کی جانچ کے لئے آئے ہوئے موجود تھے۔ ان کے دل اور آنکھیں اس بات پر ایمان لے آئیں کہ اللہ کے مقرب بندوں اور بطحائی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار شہدا و صدیقین کا آخری وقت ایسا ہوا کرتا ہے، اور کیا عجب ہے کہ ان اُمورِ بدیہیہ کا اظہار صرف اسی لئے ہوا ہو کہ اب آخر میں معترضین کی زبانیں بند ہوجائیں، ورنہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فنائیت واستغراق اور رگ وپے میں ذکر الٰہی کی سرایت اظہارِ کمال کے لئے ہرگز ہرگز ذکر لسانی کی محتاج نہ تھی۔

پس! اگر ہم ان لوگوں سے یہ سوال کریں تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ کیوں صاحب! کیا پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق اور حق جل شانہٗ کی صفت ذاتی کے متعلق ایک گستاخ شخص کی موت ایسی ہوا کرتی ہے، جیسی آپ نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی دیکھی؟

اللہ اللہ! یہی شیخ تو تھے جن کی طرف یہ الزام لگائے گئے ہیں کہ

"خدا کو جھوٹا بتاتے ہیں۔"

"سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے برابر کا بھائی کہتے ہیں"

"تعظیم نبوی کو حرام بتاتے"

"کوے کو حلال کہہ کر حرام کو حلال کرتے۔"

اور طرح طرح کی بدذہنی اور گستاخی کے کلمات سے خلق خدا کو گمراہ کرتے

ہیں، یہ ان لوگوں کے خیالات کے موافق گم راہ کرنے والے شخص کی موت تھی، اور یہ مبتدعین کے بہتان کی بنا پر جہول زمانہ اور ضال مضل کے آخری وقت کا سماں تھا، جس پر اسلام کے جملہ فرقے متفقہ رائے سے ایک حکم لگا سکتے ہیں، مگر افسوس! ان اقوال کے قائلین میں سے جن کو یہ آخری سماں بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوا اور وہ دنیا میں اپنے سوا کسی مسلمان کو سچا سمجھتے ہی نہیں، پس اُن کے ماننے کی اُمید نہیں۔

مگر ہاں! "کل نفس ذآئقة الموت" کے ناطق حکم نے قائلین کے اس آخری وقت کا اُمیدوار ہمیں بنا رکھا ہے۔ آج حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے جو وقت تھا کل کو دوسروں کے لئے بھی وہی وقت درپیش ہے۔ یہاں کا تو جو کچھ تھا مخالف وموافق سب نے دیکھا اور سنا، اب دیکھئے اس موت کو بددین کی موت سمجھنے والے مسلمان اپنی موت کے وقت کیا سماں دکھاتے اور کس حال میں اپنی روح فرشتوں کے حوالے کرتے ہیں؟ فانتظروا انا منتظرون○

وصال کے بعد چہرۂ انور کی کیفیت

میں اپنے دلی جوش کو اس وقت ضبط نہیں کر سکتا۔ میں خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ وصال کے وقت یعنی رُوح کے پرواز کرتے ہی جو نوری شعاعیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر پڑ رہی تھیں، وہ میں نے کبھی حیات میں بھی نہیں دیکھیں۔ حالانکہ بارہا زندگی میں زیارت کا اتفاق ہوا، مگر بہ خدائے لایزال! وہ ملاحت وحسن اور وہ رُخساروں کی سرخی وچمک جو بعد وصال اس مکھڑے پر نظر آئی عمر بھر نظر نہیں آئی۔ باوجود اس شدتِ مرض اور کرب وتکلیف کے جو ضعیف ومسن شخص کو کیا معنی، زبردست سے زبردست جوان کے سرخ وسپید چہرے کو جھلسا دینے اور منہ پر ہوائیاں اُڑانے اور جھریاں ڈالنے کو کافی تھی۔ خصوصاً رُوح نکلنے کے بعد جس کا بھیانک اور خوفناک منظر پیاری اولاد کے چہرے کو بھی ڈراؤنا بنا دیتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جسم گویا وہ جسم ہی نہ تھا جو زندگی میں تھا۔ ایک جنتی گوری گوری رنگت والی حور تھی جو

خانقاہ کی سہ دری میں نہادھو کر پلنگ پر آلیٹی تھی۔

صاحبو! خدا کے واسطے مجھے فرطِ محبت میں ڈوبا ہوا مخبوط الحواس نہ سمجھنا جس کی بات کا اعتبار نہ رہے، اور اگر ایسا بھی سمجھو تو اس کی وجہ بتلانا کہ آخر زندگی میں اس صورت پر اتنا تعشق کیوں نہیں ہوا؟ مرنے کے بعد وہ کیا خوبی پیدا ہوئی تھی جو زندگی میں نہ تھی؟ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس وقت میری نگاہ نعشِ مبارک پر پڑی اور چہرے پر جا کر ٹھہری ہے ہٹانے کو جی نہیں چاہتا، اور بے اختیار دل ٹوٹتا تھا کہ کاش! کوئی روکنے والا یا بے صبرا بتانے والا نہ ہو اور میں اس مقدس پیشانی کا بوسہ دے لوں۔ رخساروں کی سرخی تھی کہ گویا انار نچوڑا گیا ہے۔ چمک تھی کہ گویا روغنِ چنبیلی ملا گیا ہے۔ مجھے تعجب تھا اور عمر بھر رہے گا کہ آخر اسی جسم پر نیلا بنا دینے والا زہریلا اثر اور کامل نو دن کا سخت مرض بخار و سرسام کا پڑا ہے، پھر اس جسم پر معمولی مسلمان اموات کا تغیر تک نہیں، بلکہ زندگی سے بدرجہا زیادہ اور ایک حیرت میں ڈالنے والا خوبی وحسن اور ملاحت وصباحت کا تبدل واقع ہوا ہے، اور کھلی آنکھوں یہ بات نظر آ رہی ہے کہ کوئی نورانی بوچھاڑ آسمانی سطح سے مسلسل اس چہرے سے آکر ٹکرا رہی ہے، جس کی گول ٹکیہ تمام یگانوں اور بیگانوں کی زیارت کیلئے کھلی ہوئی ہے۔

عشاق وخدام کی اس جانکاہ حادثے پر جو کچھ بھی حالت ہونی چاہئے اس کا ہر صدمہ اٹھایا ہوا دل اندازہ کر سکتا ہے۔ خصوصاً ایسی یتیم بن جانے والی اولاد کی حالت جس نے دنیا و دین میں سب سے زیادہ عزیز و مہربان باپ کی دنیاوی مفارقت کا صدمہ اٹھایا اور اس عمر بھر کی جدائی کا سفر کا سامان بندھنے اور رحلت کرنے کا آخری سماں آنکھوں سے دیکھا، جو کچھ بھی ہو جائے قابلِ تعجب نہیں۔

حضرت رحمہ اللہ کے وصال کے بعد خلافِ شرع اُمور سے پرہیز

ایسے محبوب اور عالم کے مشہور مقتدا کا وصال ایسا نہ تھا جس پر سخت دل سے سخت دل بھی نہ چیخ اٹھے، چہ جائیکہ ناز کے ساتھ پالی ہوئی وہ رُوحانی اولاد جس نے باپ کے سایۂ عاطفت کے اُٹھ جانے کی بھی اس ظلِ ہدایت کے ہوتے ہوئے پروانہ

کی ہو، جو کچھ بھی دہاڑتی کم تھی اور جتنا بھی ہائے واویلا اور شوروغل مچاتی شاید معذور سمجھی جاتی، مگر اللہ اکبر! ایک قدرتِ خداوندی کی شان نظر آ رہی تھی کہ بیس بیس سال کی پرورش کی ہوئی اولاد سے بھی خلاف شرع کوئی حرکت تک صادر نہیں ہوئی، بلکہ جس نے جتنی مدت زیادہ فیض حاصل کیا تھا اسی قدر صبر واستقلال کی ترازو میں وزنی اور گراں اُترتا تھا۔ وہ حاضر باش غلام جو گھر چھوڑ چھوڑ کر دس دس اور بارہ بارہ برس سے شیفتہ جمال بن کر اس دروازے پر پڑے ہوئے تھے، اپنے دینی سردار کے رخصتی سامان اور تجہیز وتکفین میں اس طرح مشغول تھے جس طرح اولاد کو گرم گستر باپ کے سامانِ سفر کا تہیہ کرنا چاہیے۔ دم بخود ششدر وحیران، ساکت وصامت، ہاتھوں سے دل تھامے، بغلوں میں ہاتھ دیے اور سینہ دبائے ہوئے ضرور تھے۔ آنکھیں ابرِ نیسان کی جھڑی برسا رہی تھیں۔ ایک ایک قدم من من بھر کا بنا ہوا اور بہ مشکل اٹھائے اٹھتا تھا، مگر کیا مجال تھی کہ چیخ نکل جائے یا گریبان پر ہاتھ جا پڑے!

جمعہ کی نماز کا نقشہ اور اتباعِ سنت

اللہ اللہ! ابھی ابھی یہ پتھر کا کلیجہ شق کر دینے والا قصہ نظروں کے سامنے گزرا ہے، اور ابھی چوں کہ اذان جمعہ ہو چکی ہے اس لئے نماز کی تیاری میں وضو ہو رہے اور اس مسجد میں صف باندھے خطیب کے منتظر بیٹھے ہیں، جس میں گزشتہ جمعہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ سنایا اور نماز پڑھائی تھی۔

صاحبو ذرا غور کرو! پروانہ وار عاشقوں کی طبیعتوں کا اُس وقت کیا حال ہوگا جن کی نگاہوں کے سامنے سات دن قبل کے جمعہ کا یہ نقشہ جما ہوا تھا کہ اب جُبہ پہنے، عصا ہاتھ میں لیے، سبز عمامہ باندھے اور کھڑاؤں پاؤں میں پہنے ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف لاتے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ سناتے ہیں۔

آہ! یہ آٹھ دن کے اندر کیا ہو گیا؟ اس وقت وہ مقدس شیخ جس کے پیچھے ایک جمعہ کی نماز کا پڑھ لینا خدام کی حاضری کا مقصدِ اعلیٰ سمجھا جاتا تھا، عین خطبہ ونماز کے

وقت سہ دری میں چادر اوڑھے قبلے کی جانب منہ کیے، چت لیٹے، میٹھی نیند پڑے سوتے ہیں۔ غلام منتظرین مگر انتظار بے سود۔ عشاق کی مشتاق نگاہیں کسی کھوئی ہوئی چیز کو ڈھونڈ رہی ہیں مگر تلاش بے فائدہ۔

آہ! یہ مقدس مجمع جس وقت اپنی جان سے زیادہ عزیز شیخ کی جگہ کسی دوسرے شخص کو ممبر کا خطیب اور نماز کا پیش امام بنا دیکھیں گے تو کیا کچھ نہ بلبلائیں اور چیخ دھاڑ مچائیں گے؟ مگر نہیں! کچھ بھی نہیں ہوا۔ باوجودیکہ نمازیوں کی کثرت کے باعث ارد گرد کے مکانات کی چھتوں تک پر جگہ نہ ملی، اور اِدھر اُدھر کے راستے اور رہ گزر تک میں آدمی بھر گئے۔ اُس اطمینان اور لذت کے ساتھ خطبہ و نماز سے فراغت ہوئی، جو دوبارہ گنگوہ میں بھی نصیب نہ ہوئی۔ حضرت رحمہ اللہ کے خادم خاص مولوی محمد یحییٰ صاحب نے خطبہ پڑھا، اور بجز اس کے کہ عام طور پر خطیب و سامع کے چوٹ کھائے ہوئے دلوں کے غبار متواتر آنسوؤں کے ذریعے سے برابر فرو ہوتے رہے اور خطیب کو زیادہ حالت بگڑنے کی وجہ سے صرف ایک منٹ کے لئے اپنی آواز کا روکنا اور گریہ کو ضبط کرنا پڑا، کوئی حرکت بھی خلاف شرع صادر نہ ہونے پائی۔

ہاں! اے دنیا کے رہنے والو! اللہ کے واسطے بتاؤ کہ کسی شیخ نے اپنے متوسلین کو اس زمانے میں ایسا متبع شریعت بنایا ہے کہ جس کا ادنیٰ سے ادنیٰ مرید پر یہ اثر نمایاں ہو کہ ایسے قیامت خیز سماں پر بھی نوحہ و بین یا حد شرع سے بڑھا ہوا گریہ و بکا نہ ہونے پایا ہو؟

شیخ کی تربیت کا اثر

یہ ہے وہ شیخ کا تصرف جس کی قطبیت کا دعویٰ ہے اور جس کو انتقالِ جسمانی سے صدمہ نہیں پہنچتا، اور یہ ہے اتباع شریعت کا کمال اور تکمیل کا اثر جس کی نظیر میرے دیکھنے میں نہیں آئی۔ دینی تعلیم کا اعلیٰ اثر اور تصوف وسلوک کا مقصود بالذات ثمرہ ایسا عام تھا جو صرف ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والوں کو بھی حاصل تھا۔ اگر یہ کوئی خوبی کی بات ہے تو اس کو حضرتؒ کی

کرامت سمجھو، جو بعد وصال اتباع سنت کے فیضانِ خداوندی ہونے کی تائید میں صادر ہوئی۔ **ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء.!**

تاریخ وفات

الغرض! جمعہ کے روز ساڑھے بارہ بجے کے بعد بہ اختلاف رُویت ۸ یا ۹ھ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱/ اگست ۱۹۰۵ء بہ عمر اٹھتر سال سات ماہ تین یوم حضرت مولاناؒ نے اس عالم فانی سے رحلت فرمائی۔ آفتابِ علم و ہدایت چھپ گیا۔ مہتابِ ورع و امانت غروب ہوگیا۔ اس زمانے کے بخاری و مسلم اور اس وقت کے بیہقی و حاکم نے انتقال کیا۔ جنید وقت، شبلیٔ زماں، بایزید عصر، حافی دوراں کوچ فرما گئے۔ دنیا کیوں نہ تاریک ہوجائے؟ اس کا عالم تاب آفتاب نظروں سے غائب ہوگیا۔ باغ علم کیوں نہ سوکھ جائے؟ اس کا چشمہ رواں زمین میں اُتر گیا۔ ہم خدام کو جو کچھ صدمہ ہے اس کا اندازہ ہمارے دل سے پوچھو! حضرت خاتم المحدثین، سید المفسرین، انیس العارفین، تاج السالکین، حجۃ الخلف، بقیۃ السلف، مرجع انام، ماوائے خواص وعوام، سیدنا ومرشدنا الحافظ الحاج حضرت شیخ المشائخ المولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ واصل بہ حق ہوگئے۔ وہ ساقیٔ علوم ومعرفت جن کی ایک نظر نے ہزاروں کو سیراب کردیا، جس نے جدا جدا شریعت وطریقت کی سبیلیں لگا رکھی تھیں، دنیا سے تشریف لے گئے۔ وہ فدائے سنت نبویہ مرشد جنہوں نے بدعات مخترعہ کی تردید اور بطحائی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ مرضیہ کی تائید میں سینکڑوں گالیاں شربت کے گھونٹ کی طرح پی لیں، اور پیارے عربی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے احیا میں مخلوق کی ایذا رسانی پر شکریہ ادا کیا، انتقال فرما گئے۔

ہاں! حضرت مولاناؒ کا وصال ایک شخص کا انتقال نہیں ہے بلکہ ایک عالم کی موت ہے۔ وَاِنَّ مَوْتَ الْعَالِمِ لَمَوْتُ الْعَالَمِ!

تجہیز و تکفین اور خدام کا مشغلہ

جمعہ کی نماز کے بعد اِدھر غسل اور تجہیز و تکفین کی تیاری ہوئی اور اُدھر جاں نثار خدام نے ایصالِ ثواب کے لئے تلاوتِ قرآن شریف شروع کر دی۔ دو گھنٹے کے اندر اندر سات ختم تو کلام اللہ شریف کے ہوئے، اور استغفار و درود یا کلمہ و دیگر اَذکار کا شمار نہیں۔ اس لئے کہ اکثر مجمع کے ہاتھ میں تسبیح اور زبان پر اَذکارِ مسنونہ کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔ آنکھیں اپنا کام کر رہی تھیں، ہاتھ اپنے کام میں مشغول تھے زبان کو اپنا مشغلہ تھا اور دل اپنے کام میں مصروف تھا۔ یہ تکفین سے پہلے پہلے اس شیخ کے لئے ایصال کی حالت تھی، جس کو کوتاہ نظر ملانوں نے مروجہ فاتحۂ مبتدعہ کی ممانعت کے باعث طعن و تشنیع کرتے وقت: ''مر گئے مرْدُود، نہ فاتحہ نہ دُرود'' کا مورد بنایا تھا۔ کہاں ہیں اللہ کی منصب بارگاہ میں اس سخت بہتان کے باندھنے والے مجرم اور جواب دہ مسلمان؟ ذرا مقابلہ کریں کہ رسم کی پابندی کرنے والے اصحاب کو دفن سے پہلے کتنا ثواب پہنچایا گیا ہے؟ تم کو قسم ہے خدا کی! اگر گنگوہی سلطنت کی رعایا کے اپنے بادشاہ کی نذر کرنے والے دائمی اور مخفی تحائف کا آپ کو علم نہیں ہے تو اس ظاہری ایصالِ مسنون میں بالانصاف بلکہ بالاعشار ہی موازنہ کر دکھائے؟

آخری دیدار

تجہیز و تکفین سے پہلے حضرتؒ کے خاص قلم کا لکھا ہوا وہ وصیت نامہ نکال کر موجودہ مجمع میں سنایا گیا، جس کے بے بہا الفاظ اور ضروری اُمور کے ظاہر کرنے والے فقرے اس مضمون کے خاتمے پر آپ کی نظر سے گزریں گے۔ اس کے بعد خواص خدام نے اُس سہ دری میں حضرتؒ کو غسل دیا جس جگہ مولانا کی چارپائی بچھا کرتی تھی، اور کفن دے کر صحن خانقاہ میں جنازہ رکھا گیا تا کہ مخلوق کو عام زیارت کرادی جائے۔

اللہ اللہ! اُس وقت کا ہجوم و اژدحام اور بے تابانہ جمال جہاں آرا کی زیارت

کے شوق میں ایک کا دوسرے پر گرنا کچھ عجیب از خود رفتگی و شورش پیدا کر چلا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ زیارت کو آخری نظارہ سمجھ لیا گیا تھا۔ اس بے تابی کے عالم میں شمع پر گرنے والے پروانوں کو کون روک سکتا اور محبوب کے قدموں پر گرنے والے عشاق کو کون تھام سکتا تھا؟ اس حالت کو کن الفاظ میں ادا کروں کہ آپ سمجھ جائیں؟ نہیں، خدا کی قسم! اصلی حالت کا نقشہ قلم سے کھینچ نہیں سکتا۔ باوجود روک تھام اور ٹھہرو ٹھہرو کی صداؤں کے، جس وقت مجمع ٹوٹا تو یقین ہو لیا تھا کہ چارپائی ٹوٹ جائے گی اور بچے بوڑھے دب کر مر جائیں، اور پس کر مسل جائیں گے، اس لئے پوٹ باندھے بغیر چادر رُخِ انور پر ڈال دی گئی اور نہایت مستعدی کے ساتھ جنازہ اٹھا لیا گیا۔

خانقاہ قدوسی خالی ہوگئی

ہاں مجھے خوب یاد ہے اور عمر بھر یاد رہے گا جس وقت وہ مقدس خانقاہ جس میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ سال قیام فرمایا تھا اور اب کئی صدی کے بعد اُس کو اُسی طرح آباد ہونا نصیب ہوا تھا، خالی ہوئی ہے۔ اُس وقت درو دیوار پر اُداسی چھا رہی تھی۔ وہ خانقاہ جس میں حضرتؒ چالیس سال سے متمکن تھے اور اِدھر حدیث کے درس و تدریس کا سلسلہ قائم تھا، اور اُدھر طالبِ حق ذاکر شاغل اہل حال کی چہل پہل، دن کو کسی باغ کی بہار کا اظہار تھا اور شب کو کسی گلستان کی رونق کا فکر و دھیان، کیسی دم کے دم میں بے رونق ہوگئی۔

جہاں ہر وقت ذکر کی آوازیں کانوں میں پڑ کر سوئے ہوؤں کو بیدار کرتی رہتی تھیں، آج کیوں ویران ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ وہ دینی پادشاہ جن کی زیارت کو مشرق و مغرب سے خلقت کھنچی چلی آتی تھی وہ قطبِ وقت جس کی حرکت زمین کی حرکت تھی، آج خانۂ کعبہ کے اندرونی غلاف کے مقدس کپڑے کو قمیص پہنے بالکل سپید، صاف شفاف، متوسط درجے کے پارچے کا کفن لپیٹے اپنے خوش نصیب غلاموں کے کاندھوں پر سوار کسی بڑے سفر کے لئے روانہ ہو لئے ہیں۔

آہ! کیا جگر انداز شعر تھا جو اس وقت ایک صاحب حال خادم کی زبان سے نکلا:

اے تماشا گاہ عالم روئے تو　　　تو کجا بہر تماشا مے روی

مبتدعین سے چند سوالات

جو بات آنکھ سے دیکھنے کو لائق ہو اس کو زبان کیوں کر بیان کرے؟ اس لئے میں اس پر اکتفا کرتا ہوں کہ خلقت کی ہجوم کے باعث جس عجیب کیفیت سے جنازہ قبرستان تک پہنچا ہے اُس کو آنکھیں بھی نہیں بلکہ دل جانتا ہے۔ راستے میں اور خاص قبرستان میں مشتاقانِ جمال کو بہ اطمینان کئی بار زیارت کرائی گئی کیوں کہ اسی ضرورت کے لئے پوٹ کی گرہ باندھی نہیں گئی تھی۔ اُس وقت کے حاضر آنکھوں والوں سے قسم دے کر پوچھ لو کہ کیا عظمت وشان نظر آئی؟ اور شانِ محبوبیت میں جنازے پر کیا کیا ترقیاں ظاہر ہوئیں؟ اس قدر مجمع کہ جنازے تک پہنچنا دشوار ہو، کہاں کہاں دیکھا؟ اور یہ شوق واشتیاق کہ حملِ جنازہ کی جگہ چادر ہی کو ہاتھ لگ جائے تو غنیمت سمجھا جائے، کس کس جگہ نظر آیا؟ مخلوق کا خود بخود ذکر الٰہی شروع کر دینا اور ہر چھوٹے بڑے کی زبان سے کلمے کا بلا اختیار صدور اور صاحب دلوں کا اسم ذات اور نفی واثبات کی باقاعدہ ضربیں، اس بے انتہا سراسیمگی میں کسی شرعی ضرورت کے اندر ذرہ برابر کمی کا نہ ہونا، کسی کے جنازے میں دیکھا یا سنا ہے؟

اللہ! اللہ! ان چند گھنٹوں میں یہ پانچ چھ ہزار کا مجمع خدا جانے کہاں سے آ گیا۔

عورتیں مکانات کی چھتوں اور رہ گزر پر واقع ہونے والے ٹیلے پر کیوں مجتمع ہو گئیں؟

بچوں اور ناسمجھ کو کون پر کیا رنج ہے کہ ان کی آنکھوں میں بھی آنسو ڈبڈبائے ہوئے ہیں؟

آبادی کے ہنود تک کے چہروں کی رونق اُڑ گئی۔ عیدگاہ کے قریب کھلے میدان میں جنازہ رکھا گیا اور آدھ گھنٹے سے زیادہ دیر تک آنے والوں کا تار نہ ٹوٹا۔ رُومال تھے کہ ہلتے نظر آ رہے تھے، اور ''ذرا صبر کرنا!'' ''ذرا ٹھہرنا!'' کی صدائیں جنگل کے درختوں سے ٹکراتی ہوئی کانوں میں پڑ رہی تھیں۔

نمازِ جنازہ اور اس کا امام

آخر جب زیادہ توقف مناسب نہ سمجھا تو حضرت مولانا المولوی محمود حسن صاحب مدرسِ اول مدرسۂ اسلامیہ دیوبند کو آواز دی گئی اور مولانا نے اپنے ہی نہیں بلکہ عالم کے مرشد شیخ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ نمازِ جنازہ کے بعد مجمع نے وہیں نمازِ عصر ادا کی، اور چوں کہ مسنون لحد کی تیاری میں زمین کے سخت ہونے کی وجہ سے دیر تھی، اس لئے جنازہ رکھ دیا گیا اور خدام گرد آکر بیٹھ گئے۔ حفاظ نے پھر تلاوتِ کلام مجید شروع کر دی۔ ذاکر شاغل خدام اپنے پاک مشغلے میں لگ گئے، اور باقی متوسلین کو جو کچھ بھی یاد تھا اس کے پڑھنے اور ثواب پہنچانے میں مشغول ہو گئے۔ ادھر آفتاب عالم کے غروب کی تیاری اور شام کا سہانا وقت، اُدھر ماہ تابِ ہدایت کے نورانی چہرے کے لحد میں مستور ہونے کا آنے والا سماں اور دفن کے لئے قبر کی تیاری میں سرگرمی، اب آپ ہی بتائیں کہ کیوں کر قلم کی تسطیر (سطر بندی) سے سمجھ میں آ سکتا ہے؟

تدفین

خلاصہ یہ کہ بعد نمازِ مغرب خزانۂ معرفت و اَسرارِ الٰہی اور مخزنِ شریعت و طریقت کو اپنے ہاتھوں زمین کے سپرد کر کے واپس آئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون○ کل من علیھا فان○

ویبقٰی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام○

مولوی احمد رضا خان صاحب کی خوشی پر افسوس

حضرت رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ تھے وہ تھے، مگر افسوس! مخلوق نے قدر نہ جانی۔ سینکڑوں کو تو وصال پر معلوم ہوا کہ حضرت کیا چیز تھے؟ سچ ہے: ”قدرِ نعمت بعدِ زوال“۔ اب اگر کوئی کفِ افسوس نہ ملے تو کیا اور خوشی کرے؟ تو کیا ”خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سُنا افسانہ تھا“۔ اپنے آپ کو عمر بھر چھپانے والے اور باوجود اُستاذ العلماء ہونے کے ادنیٰ طالب علم سے کم تر جاننے والے شیخ کیلئے یہ بھی من جانب اللہ! اظہار کی ایک

صورت تھی جو بلا طلب وخواہش اُس وقت ظاہر ہوئی جس کی حسن وخوبی کا ہر مسلمان متمنی ہے اور کچھ خبر نہیں کہ اپنا یہ آخری سماں کس انداز پر ہونے والا ہے؟

مجھے بہت ہی زیادہ افسوس ہوا جب میں نے سنا کہ مولوی احمد رضا صاحب بریلوی نے اس وفات پر خوشی منائی کہ جس پر شجر وحجر کو رونا آیا، اور آسمان وزمین کو بکا ہوئی، مگر کیا ہوا؟ آخر اُن کے لئے بھی یہ وقت ضرور آنے والا ہے۔ آخر کوئی اُس حالت کا دیکھنے والا بھی اپنا و بے گانہ موجود ہوگا، وہ دیکھے گا۔ ورنہ عدالت العالیہ اور شاہنشاہ احکم الحاکمین کے بڑے دربار میں تو جملہ اولین وآخرین کو سارا تماشا دیکھنے کا کافی وقت اور پورا موقع ملے گا۔ یہ وہ حالت تھی جس کو کئی ہزار مخلوق نے دیکھا ہے، اور یہ موت وہ موت تھی جس پر اسلام کے کسی فرقے کو بھی زبان ہلانے کا موقع نہ مل سکا۔

وجہ تالیف حالاتِ وفات

طبیعت کا اضمحلال اس جاں کاہ حادثے کے لکھنے سے قلم روکتا رہا اور اسی حالت میں دو ماہ گزر گئے مگر احباب کے بدریافت حالاتِ وصال پہنچنے والے خطوط نے مجبور کیا کہ میں تحریر شائع کردوں۔ میرے مہربان دوست منشی نظام خان صاحب سابق ملازم پلٹن نمبر ۶، اس تحریر کے زیادہ محرک وساعی ہوئے۔ اللہ اُن کو جزائے خیر دے، اُنہوں نے مجھ سے یہ کام لے لیا۔

آہ! وہ دُربار دَربار جہاں حاضر ہوکر توکل وقناعت، صبر اور ریاضت، زُہد وطہارت، صدق وامانت، تقویٰ ودیانت، خلق ومروت، استقلال واستقامت، استغنا واہل دنیا سے نفرت، مہمان نوازی وسخاوت، دریادلی وشجاعت، غرض مقدس مذہب اسلام کی ہر محمود خصلت کا سبق عملی صورت میں پڑھایا جاتا تھا، آج خالی نظر آتا ہے۔ وہ مورِدِ تجلیات الٰہیہ اور مہبطِ فیوض غیر متناہیہ جس میں جلال وجمال کے نرالے رنگ جدا جدا نظر آتے تھے، آج مقفل دکھائی دیتا ہے۔

اولیاء کا کمال خرقِ عادات اور اُمورِ عجیبہ کا اظہار نہیں ہے، اور اگر...... یہ خوارق بھی جن کو عوام کرامت سمجھتے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سیکڑوں صادر

ہوئے، مگر ایمان سے پوچھو تو حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کا بڑا کمال جس میں جفاکش جوگی اور ریاضت شعار کفار کی شرکت کیا معنی؟ عام اہلِ اسلام بھی شریک نہیں ہوسکتے۔ اتباعِ سنتِ محمدیہ اور پیرویٔ شریعتِ نبویہ پر وہ استقامت واستقلال ہے، جس کی نظیر بلادِ ہند ہی میں نہیں بلکہ سطحِ زمین پر کسی خطے میں نہ نظر آئی، نہ خبر سنی گئی۔ مجھے فخر ہے اور یہ فخر بہ طور ادائے شکرِ خداوندی کے ہے کہ مجھ جیسے گناہ گار کو حق تعالیٰ شانہٗ نے وہ دامن پکڑوایا جس سے ہزار ہا مسلمان محروم رہے، اور اگر انصاف کیا جائے تو یہ محرومی کوئی معمولی محرومی نہیں ہے۔

ہاں! حق تعالیٰ حضرتؒ کے خلفا کی عمروں میں برکت عطا فرمائے اور مدارج میں ترقی خصوصاً اُس سدابہار گلستانِ شریعت اور ہرے بھرے نخلستانِ طریقت کے بارآور اَشجار میں ممتاز درختوں یعنی حضرت مولانا المولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی۔ مدرسِ اول مدرسۂ مظاہر العلوم سہارن پور، حضرت مولانا المولی محمود حسن صاحب دیوبندی، مدرس اول مدرسۂ اسلامیہ دیوبند اور حضرت مولانا المولوی عبدالرحیم صاحب رائے پوری۔ اَدام اللہ فیوضہم۔ کی ستودہ صفات ذوات کو ہم ناکارہ غلاموں کے سروں پر قائم ودائم رکھے۔ اگر رُشد وہدایت کے بھوکے پیاسوں کی سیری ہوسکتی ہے تو ان عالی سرکاروں میں ہوسکتی ہے۔

تسلی اور صبر کی تلقین

میرے پیارے دینی بھائیو! حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے غلامو، تابع دارو! اور گنگوہی سرکار سے نفع اٹھانے والو! متبع شریعت مسلمانو! صبر کرو صبر کرو۔ تمہارے رُوحانی باپ کی دنیاوی مفارقت درحقیقت کوئی معمولی صدمہ نہیں، مگر اَجر بھی تو صدمے ہی کی مقدار پر کم وبیش ہوتا ہے۔ تم مجھ سے واقف ہو یا ناواقف، روشناس ہو یا نہ ہو، مگر بہر حال محشر کی ہولناک جگہ میں ایک شیخ کا دامن پکڑنے والے ہو۔ اس وقت اس مضبوط علاقے کے دھیان میں میری تم سب کے ساتھ غائبانہ محبت یہ جوش دلا رہی ہے کہ اگر آمنا سامنا

ہوتو تمہاری وہ آنکھیں چوم لوں جنہوں نے حضرتؒ کو دیکھا تھا، اور وہ ہاتھ آنکھوں سے لگالوں جنہوں نے وہ مقدس ہاتھ چھوئے تھے۔ تمہیں گوارا ہو یا ناگوار، حضرتؒ کے بعد اب تمہاری بھی قدر ہوتی ہے۔ خود بخود تم سے انسیت پیدا ہوتی ہے۔ میں تو تم کو اپنے حقیقی بھائی سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ خدا کرے یہ میرے الفاظ ملمع کاری و تصنع یا دنیاوی مال و دولت کی حرص و طمع پر محمول نہ ہوں۔ ہاں! میں دینی اخوت کی بناپر تم سب سے ظاہر کرتا ہوں کہ تمہارے قطب الارشاد شیخ کا باطنی فیض ختم نہیں ہوا۔ اگر توفیق ہو تو مقدس مزار پر حاضر ہو کر آنکھوں سے دیکھ لو۔ نیز ظاہری سلسلۂ تعلیم و تکمیل میں بھی حبہ برابر کمی نہیں، اس لئے کہ حضرتؒ کے خلفا پورب و پچھم، ہند و حجاز، پنجاب و بنگال، اودھ و ممالک مغربی غرض ہر جگہ پھیلے ہوئے مخلوق کو مستفیض کررہے ہیں، اور اَب وہ بڑے بڑے خلفا جو حضرتؒ کے سامنے اس طرح پوشیدہ تھے جس طرح کواکب قمر کے سامنے، وہ بھی اُس فرضِ منصبی کے ادا کرنے میں جس کے حامل بنائے گئے ہیں، اپنا اخفاء و گریز زیادہ پسند نہ کریں گے۔ خصوصاً حضرتؒ کے لاڈلے اور چہیتے رُوحانی بیٹے حضرت مولانا المولوی خلیل احمد صاحب مدّ اللہ ظلہٗ اور حضرت مولانا المولوی محمود حسن صاحب ادام اللہ فیضہ!

خاتمہ

اے میرے معزز دینی بھائیو! لو میں اب تم سے رُخصت ہوتا ہوں۔ اپنے دل کا جوش ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں نکال چکا۔ میں ان شاء اللہ تم کو نہ بھولوں گا۔ خدا کا واسطہ اور خدا کے رسول کا واسطہ تم بھی مجھے نہ بھولنا۔ اگر اپنے شیخ کے ساتھ تمہیں محبت ہے تو مجھے بھی اس در کا کتا اور کفش بردار غلام سمجھ کر اپنی دُعا کا محتاج اور بھک منگا فقیر سمجھنا۔ ایسا نہ ہو کہ میرے لئے دعائے خاتمہ بالخیر سے بھی بخل ہو۔ میں ناکارہ ہوں مگر گنگوہی دربار کا غلام کہلاتا ہوں اس رشتے سے تمہارا بھائی ہوا۔ کیا بھائی کے کسی قابل بنادینے کی جانب توجہ نہ کرنا بھائی کی غیرت و محبت تقاضا کرسکتی ہے؟ خدا مجھے اور تمہیں سب کو ایمان سے اٹھائے اور پیارے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی میں محشور فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

ضمیمہ۔۳

فخر المحدثین

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

حامدًا و مصلیا! یہ وصیت عام ہے، سب دیکھیں اور سنائیں اور عمل کریں۔ اپنی اولاد اور زوجہ اور سب دوستوں کو بہ تاکید وصیت کرتا ہوں کہ

● ...اتباع سنت کو بہت ضروری جان کر شرع کے موافق عمل کریں۔ تھوڑی مخالفت کو بہت سخت دشمن اپنا جانیں۔

● ...اور رُسوم دنیا کو سرسری جان کر کرنا نہایت خرابی کی بات ہے۔

● ...اور لذت کھانے اور کپڑے کی قید نہایت خرابی ڈالنے والی دین و دنیا کی ہے، اس سے بہت اجتناب کریں۔

● ...اپنے مقدور سے بڑھ کر کام کرنا مآل کار ذلیل ہونا ہے۔ اس کی رُسوائی دین و دنیا میں اٹھانی ہوتی ہے۔

● ...بدمزاج و کج خلقی سخت نامرضی حق تعالیٰ کی ہے۔ دنیا میں ایسا آدمی خوار رہتا ہے اور آخرت میں نہایت ذلت اٹھاتا ہے۔ نرمی سب کے ساتھ لازم ہے۔

● ...اور برا کام قلیل بھی بُرا ہے اور اطاعت و اچھا کام اگرچہ تھوڑا ہو بہت بڑا رفیق ہے۔

● ...تکلفات شادی و غمی کے بدعت سے خالی نہیں ہیں، اُس کو سرسری نہ جانیں۔

● ...طعن و تشنیع خلق اور برادری کے سبب سے اپنے مقدور سے زیادہ کام کرنا یا خلاف شرعی یا بدعت کو کرنا عقل کی بات نہیں۔ دنیا و دین میں اس کا خمیازہ برا ہے۔

● ...اسراف کی مذمت اور برائی شریعت میں سخت آئی ہے کہ شیطان کا بھائی اس کو قرآن میں فرمایا ہے۔........ ● ...اگر میرا انتقال ہو جائے تو حسب مقدور ثواب پہنچائیں، اندازے سے زیادہ ہرگز نہ کریں، نہ کوئی تکلف غیر مشروع کریں، جو کچھ ہو موافق سنت کے ہو۔ باہم اتفاق سلوک سے رہیں۔

● ...میرے ذمے کسی کا ایک پیسہ تک قرض نہیں، اس کا کچھ فکر نہ کریں۔ ترکۂ رام پور جو فروخت ہوا سب کا حصہ دیا، یا صاحب حق نے معاف کیا، مگر ہمشیر کلاں نے نہیں لیا اور ان کی رضامندی سے وہ روپیہ ہمارے پاس خرچ ہوا ہے، اور ترکۂ گنگوہ جو جدی ہے اس میں امۃ الحق کا حصہ نہیں، کیوں کہ وہ دادا صاحب مرحوم نے ہمارے نام پر ہبہ کیا تھا، اس میں فقط ہم ہر سہ کا حصہ ہے۔ دو دو سہام (حصے) بندے اور بھائی صاحب کے اور ایک حصہ ہمشیر صاحبہ کا، اور جو ترکہ والد مرحوم کی خرید ہے اُس میں چونسٹھ سہام (حصے) میں سے سات سہام (حصے) امۃ الحق کے ہیں اور باقی کے پانچ حصے ہو کر دو دو ہمارے ہر دو برادر کے اور ایک حصہ ہمشیر صاحبہ کا ہے۔ جب اہل حق طلب کریں دے دیں، اور کتب جو میرے پاس ہیں، اُن کی فہرست لکھی ہوئی رکھی ہے، سب کتب زر خرید اپنے کا نام لکھا ہے، مگر بعض رسائل کا نام نہیں لکھا گیا، اور وقفی کتابیں اور مستعار اور ترکہ والد سب کا نام لکھ دیا ہے۔ سب مستعار کتب حوالۂ مالک کر دیں اور وقفی کو اگر احتیاط سے رکھ سکیں تو رکھیں ورنہ کسی مدرسہ دینی میں دے دیں، اور ترکے کی کتابوں کو رکھیں مگر جو حصہ لے تو حسب فرائض دے دیں۔ فقط اس سب پر عمل در آمد غور سے کریں۔ آئندہ مختار ہیں، اپنے کیے کو آپ دیکھیں گے۔ یہ عاجز بری الذمہ ہو لیا۔ **والحمدللہ رب العالمین!**

● ...الماری کلاں حجرے میں سب کتب وقفی ہیں، اُس میں کوئی کتاب نہ مملوک بندے کی ہے اور نہ مستعار کی۔ بعد موتِ بندہ جہاں مناسب ہو یہ کتب رکھی جائیں، اور جو حافظ مسعود احمد کو درس کا خیال ہو تو قدرِ حاجت خود بھی رکھیں، اور یہ الماری مِلک بندے کی ہے وقف نہیں، اور دُوسری الماری خوردتن کی لکڑی کی، اُس میں سب کتب مِلک

بندے کی ہیں مگر بعض کتاب جو مستعار ہیں اس پر نام مالک کا لکھا ہے، وہ مالک کو دی جائے۔ عالمگیریہ: حافظ محمد ابراہیم، شرح مسلم: منشی فخر الدین کی، شرح شامی، : مولوی ابو النصر، شرح فقہ اکبر: طیب مرحوم کی اور شامی کا تکملہ خود مِلک بندے کی ہے، اور جو کتاب ترکۂ والد مرحوم کی ہے اس پر نام والد کا لکھا ہوا ہے اور مملوک پر نام بندے کا، اور خارج الماری سے جو کتب ہیں بعض وقف، بعض مستعار، بعض مملوک۔

ان سب پر نام مالک لکھا ہے۔ حسب اُس کے عمل کریں، اور مولوی عبدالکریم کی کتب خارج الماری، الماری نما صندوق میں رکھی ہیں، وہ اُنہوں نے ہبہ بہ نام بندہ کر دیا ہے، اور وقف خود وقف ہیں اور حجرے کا اسباب سب کا سب مِلک بندہ ہے، سوائے ایک دو عدد رضائی کے کہ وہ مہمانوں کے واسطے رکھی ہیں، وہ صدقہ کر دی جائیں، مگر گھڑی دھوپ جامع مسجد کی ہے، اور روپیہ جو کچھ قلم دان والماری میں ہے جس پر کچھ نشان لکھا ہے وہ اس کا ہے، مسجد کا یا کسی کا، اور جس پر کچھ تحریر نہیں وہ مِلک بندہ ہے اور کاغذات قرض وغیرہ قلم دان میں ہیں، ان سے سب حال واضح ہو جائے گا، موافق اس کے عمل کریں۔ ہر شے اپنے مصرف پر اور مالک کو ملے، اس میں فروگزاشت نہ ہو۔

● ...گھر کی الماری میں سب کتب مِلک بندہ ہیں یا ترکۂ والد کے، اور روپیہ سب اپنا ہے، سوائے اُس کے کہ اُس پر کسی کا نام لکھا ہو وہ اُس کا ہے۔ امانت مالک کو دے دیں، باقی کے مختار ہیں۔ میرے ذمے کسی کا قرض نہیں، جو میرا قرض ہے اُس کی فرد قلم دان میں ہے، دیکھ کر وصول کر لیں۔ اگر دو چار آنے دانے گھاس کے عاشق یا کوئی خادم بتائے، وہ دے دیں، شاید سہو سے رہ گیا ہو؟ ورنہ قرض مجھ پر نہیں ہوتا۔ فقط!

ذکرِ محمود

حضرت حکیمُ الاُمّت مُجدِّد المِلّت جَامِع الکمالات منبع الحسنات مَاہر العُلُوم القرآنیۃ واقف الأسرار الفرقانیۃ،
رأس المفسرین مقدام الراسخین صَاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الأسرار الخفی منہار الجلی اعنی بہ

مَولانا مُحمّد اَشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

ذکرِ محمود

ذِکرِ محمود از محمد شد حسن حامدِ حق محسنِ اہلِ زمن

﴿یعنی ذکر (مولانا) محمود (حسن) کا، سید العالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے (کہ مولاناؒ کو مثل جمیع مقبولین کے حضور سے حاصل ہے) حسن ہوگیا، اور مصرعۂ ثانیہ میں حامد اور محسن مع اپنے قیود کی صفتیں ہیں، محمود واقع مصرعۂ اولیٰ کی اور معنی ظاہر ہیں، اور دونوں مصرعے مولاناؒ کے نام کی تصریح اور آپ کے تینوں بھائیوں کے ناموں کی طرف اشارے پر مشتمل ہیں۔ (اشرف)﴾

خطبہ

بعد حمد وصلوٰۃ مجھ سے میرے بعض اعزہ ﴿(المراد به ابن اختی المولوی ظفر احمد جعله الله کما یحب ویرضی. (اشرف)﴾ نے فرمائش کی کہ کچھ مختصر تذکرہ امام العلماء، مقدامُ العرفاء، اُستاذی حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کا لکھ دوں۔ میں نے کافی واقعات وحالات پر محیط نہ ہونے کا عذر کیا۔ عزیز موصوف نے کہا: جیسا ''یادِ یاراں'' میں حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے بعض متفرق ومختصر واقعات بہت ہی قلیل مقدار میں لکھ دیئے ہیں اسی انداز پر لکھ دیا جائے، پھر ہم لوگ اس کے ساتھ خود منضم کرلیں گے۔ چوں کہ اس مقدار اور اس طرز میں لکھنے سے کوئی عذر نہ تھا، اور مقبولین کے تذکرے کا موجب برکت وسعادت ہونا معلوم ومسلم ہے، اس لئے بہ نام خدا یہ چند سطریں لکھتا ہوں اور اس کا لقب ''ذکرِ محمود'' تجویز کرتا ہوں، جس کی دونوں ترکیبیں ہوسکتی ہیں، خواہ موصوف وصفت کہئے، خواہ مضاف ومضاف الیہ، اور اول اولیٰ ہے مع اشارے کے ثانی کی طرف۔ واللہ الهادی الی الصواب وهو المیسر لکل صعاب!

اور اس کے اجزاء کو مع قید عدد بہ عنوان ''ذکر'' تعبیر کروں گا۔

اذکار

پہلی زیارت

ذکر نمبرا: سب سے پہلے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت وصحبت سے مشرف ہوا وہ زمانہ تھا جس میں تحصیلِ درسیات کے لئے دیوبند کے مدرسۂ عالیہ میں حاضر ہوا، اور من جملہ اسباقِ مجوزہ کے مُلا حسن اور مختصر معانی کا سبق مولاناؒ کے متعلق ہوا۔ یہ زمانہ ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ء) کا اُخیر تھا، یعنی ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ مولاناؒ اس وقت مدرسِ رابع تھے، اور مدرسِ اول حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور مدرسِ دوم حضرت مولانا سید احمد صاحب اور مدرسِ سوم حضرت مولانا محمد محمود صاحب تھے، رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً!

حضرت نانوتویؒ کی خدمت

ذکر نمبر۲: مولاناؒ اس وقت بالکل جوان تھے اور لباس بہت نفیس پہنتے تھے، اور بندوق سے شکار کا مشغلہ بھی بہ کثرت فرماتے تھے۔ حضرت مولانا قاسم العلوم قدس سرہٗ بھی دیوبند تشریف فرما تھے، مدرسہ آپ کی سرپرستی میں تھا، درس سے فارغ ہو کر زیادہ وقت حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں صَرف فرماتے تھے۔

تقریر میں سلاست وارتباط

ذکر نمبر۳: مولاناؒ کی ذہانت اور فطانت تو خداداد فطری تھی ہی، اس پر شباب کے رنگ نے سونے پر سہاگہ کا کام دے رکھا تھا۔ اس قدر تیزی تھی کہ سبق شروع ہونے کے وقت جس جگہ نشست ہوتی تھی ختم ہونے تک اس جگہ سے بہت آگے بڑھ آتے تھے، مگر تقریر میں باوجود تیزی وروانی کے سلاست اور ارتباط اور ترتیب اس درجے تھی کہ مفہوم کتاب کا آئینہ ہو جاتا تھا۔

نفسِ مطلب پر اکتفا

ذکر نمبر۴: عادتِ شریفہ تقریرِ کتاب میں یہ تھی کہ اکثر نفسِ مطلب پر اکتفا فرماتے تھے، جس کا نتیجہ کتاب کا جلدی نکلنا، کتاب سے طالب علم کو کامل مناسبت اور اس سے کامل استعداد ہو جانا تھا۔ حسن و وجازت و وضاحت تقریر میں مولاناؒ کا ثانی غالباً اب تک بھی ذہن میں نہیں ہے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآءُ!

اسباق میں کیفیات

ذکر نمبر۵: متعسفانہ سوال کے مقابلے میں الزامی مسکت جواب تو ایسا ہوتا تھا کہ طالب علم منہ تک کے نقشِ دیوار کی طرح رہ جاتا تھا، اور اکثر ایسے جواب میں ایک لطیف مگر چبھتا ہوا مزاح بھی شامل ہوتا تھا، جو انتہا کی تہذیب کے ساتھ نفس کا پورا معالجہ ہوتا تھا۔

ذکر نمبر۶: مذکورہ اسباق کے سلسلے میں احقر کے اسباق، فراغِ درسیات تک مولاناؒ کی خدمت میں رہے۔ معقولات میں حمد اللہ، میر زاہد رسالہ، میر زاہد مُلا جلال اور حدیث میں متعدد کتب جن کی تفصیل رسالہ سبع سیارہ میں ہے اور فقہ میں ہدایہ آخرین تو اس وقت مولاناؒ سے پڑھنا یاد ہے، باقی شاید سوچنے سے یاد آ جائے۔

ذکر نمبر۷: معمول یہ تھا کہ جب طالبِ علم عبارت پڑھ چکتا تو لمبی سے لمبی عبارت کا نہایت مختصر اور جامع خلاصہ ایسا بیان فرما دیتے کہ پھر طالب علم کو اس کی تفصیل کو سمجھ لینا آسان سے زیادہ آسان ہو جاتا۔ گویا اس تفصیل کا اس اجمال پر منطبق کرنا ہی رہ جاتا ہے، اور مطلب سمجھنے میں ذرہ برابر گنجلک نہ رہتی۔ یہ بھی من جملہ کمالاتِ خاصہ تھا۔

ذکر نمبر۸: معمول مذکور نمبر۷ کی یہ برکت تھی کہ کتابیں اس طرح جلد جلد ختم ہوتی تھیں، جیسے کوئی مشین میں ڈھالتا ہو، حتیٰ کہ ہدایہ آخرین کا ایک معتد بہ حصہ بلا ترجمہ ہی نہایت سہولت سے پڑھنا یاد ہے۔

ذکر نمبر۹: حدیث میں گاہ گاہ تلامذہ کی درخواست پر خود بھی عبارت پڑھتے، جس کی روانی اور مفہم لہجے کا لطف مشاہدے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، اور خوبی یہ ہے

کہ درمیان درمیان ایسے وقفاتِ لطیفہ بھی ہوتے تھے کہ جس کا دل چاہے اپنے شبہات وسوالات اطمینان سے حل کر سکے۔اس حالت کے جوابات میں ایک خاص اختصار اور اسکات کی شان ہوتی تھی۔

مناظرہ

ذکر نمبر۱۰: احقر کو زمانہ طالب علمی میں ہر فرقے کے ساتھ مناظرہ کرنے سے ایک خاص دلچسپی تھی، جیسی اب اس سے اسی درجے نفرت ووحشت بھی ہے۔دیوبند میں ایک بار عیسائی منادیوں کا ایسا سلسلہ لگا کہ مسلسل یکے بعد دیگرے آتے اور بازار میں تقریریں کرتے۔احقر سنتے ہی پہنچتا اور گفتگو کرتا۔ایک بار ایک بڑا پادری جو یورپین تھا، زیادہ مجمع وسامان کے ساتھ آیا اور ایک باغ متصل اسٹیشن میں خیمے نصب کرکے ٹھہرا۔ احقر مع چند طلبا کے وہاں بھی پہنچا اور اس سے گفتگو شروع کی۔کسی نے حضرت مولانا کو خبر پہنچادی۔اس شفقت کی کچھ حد ہے کہ صرف یہ خیال کرکے کہ کم عمر اور ناتجربہ کار ہے، کبھی مرعوب نہ ہوجائے، خود اس باغ میں تشریف لائے اور مجھ کو ہٹا کر خود گفتگو شروع فرمائی۔ اس نے نام پوچھا، آپ نے فرمایا: نتھا! وہ معمولی آدمی سمجھ کر گفتگو کے لئے تیار ہوگیا۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ اس گفتگو میں یہ بھی تھا کہ اس نے کہا: عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں۔ مولاناؒ نے اس کی تفسیر پوچھی، تو وہ نہ بتلا سکا۔اس میں مزاحاً یہ سوال بھی فرمایا کہ کلمے کے یہ اقسام ہیں، پھر ان اقسام کے یہ اقسام ہیں، عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے کلمے کی کون (سی) قسم تھے؟ تو وہ منہ دیکھ رہا تھا اور جواب میں پریشان تھا۔آخر اس کی میم (عورت) نے یہ حالت معلوم کرکے ایک رقعہ بھیج کر اس کو بلایا اور اس نے جان چھڑا کر چلے جانے کو غنیمت سمجھا۔ہم سب لوگ خوش بہ خوش مدرسے واپس آئے۔

تصانیف اور ترجمۂ قرآن

ذکر نمبر۱۱: اُسی زمانے میں مولاناؒ کو شغل تصنیف سے بھی دلچسپی تھی، چنانچہ ''ادلۂ کاملہ'' کا جواب جو غیر مقلدین کی طرف سے موسوم بہ ''مصباح الادلہ'' لکھا گیا

تھا، حضرت مولانا نے اس کا جواب لکھا جو مطبوع بھی ہو گیا ہے، جس کا نام ''ایضاح الادلہ'' ہے۔ پھر مختلف زمانوں میں دوسرے رسائل بھی لکھے۔

جن میں دو اس وقت یاد ہیں: ایک ''احسن القریٰ'' دوسرا ''جہد المقل''۔ جن کی حسن و خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، اور سب سے انفع اور ارفع تصانیف میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے جو اخیر عمر میں لکھا گیا ہے۔ اس میں جن فوائد و لطائف کا التزام و اہتمام فرمایا گیا ہے ان کی تحقیق و تفصیل اس کے مقدمے میں تحریر فرمائی گئی، جو میرے نزدیک وہ بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے۔ ایسا کہ اگر کوئی خاص صاحب علم مجموعہ ترجمے کو بھی نہ دیکھے تو خود اس مقدمے کو تو دیکھ لینا ضرور ہی ہے۔

ذکرِ تواضع

تواضع و خلوص کی صفت حق تعالیٰ نے ایک خاص ممتاز شان سے عطا فرمائی تھی، جس کے بعضے آثار یہ تھے جو یہاں سے نمبر ۲۲ تک مذکور ہیں۔

ذکر نمبر ۱۲: تلامذہ کے ساتھ اس طرح اختلاط و ارتباط و انبساط رکھنا کہ دیکھنے والا کبھی نہ سمجھ سکے کہ یہ اس مجمع کے مخدوم ہیں۔

ذکر نمبر ۱۳: بعضے خدام کے ساتھ جن میں کوئی خاص خصوصیت ہوتی، مثلاً: مولانا کے کسی استاذ یا بزرگ کی اولاد میں سے ہونا، یا عوام مسلمین کے نزدیک معظم ہونا، ونحو ذٰلک ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے اجنبی شخص کو شبہ ہو سکے خادم پر مخدوم ہونے کا۔ جب خدام کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو مساوی یا بڑوں کے ساتھ معاملے کا اسی سے موازنہ کرلیا جائے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی راحت مقدم ہے

ذکر نمبر ۱۴: ایک بار اس احقر کے پاس ایک سرفراز نامہ آیا، جس میں القاب میں ''مخدوم و مکرم'' کے الفاظ تھے۔ میں بے حد شرمندہ ہوا اور میں نے عریضے میں اپنی اس خجلت کو ظاہر کر کے درخواست کی کہ ایسے الفاظ تحریر نہ فرمائے جایا کریں۔ اس کے بعد جو

والا نامہ آیا پھر اس میں وہی الفاظ۔ آخر میں نے عرض کیا کہ میری درخواست منظور نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ حضرت کو اسی میں راحت ہے، گو مجھ کو کلفت ہو، مگر میں حضرت کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں، اب جو مرضی ہو اختیار فرمایا جائے، میں گوارا کروں گا۔

ذکر نمبر ۱۵: کسی سے کسی خدمت کی فرمائش کرنے کی عادت نہ تھی بلکہ اکثر مہمانوں کے لئے کھانا مکان سے اپنے ہاتھ میں لاتے اور خود کھلاتے۔

للّٰہیت

ذکر نمبر ۱۶: ایک بار احقر کی درخواست پر مدرسۂ جامع العلوم کان پور کے جلسۂ دستار بندی میں رونق افروز ہوئے، اور اَحقر کے بے حد اصرار پر وعظ فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ جامع مسجد میں وعظ شروع ہوا، جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھیؒ بھی کان پور تشریف لائے ہوئے تھے، میرے عرض کرنے پر جلسے میں تشریف لائے اور عین اثنائے وعظ میں تشریف لائے۔

اس وقت ایک بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا۔ ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہ آج جاتا رہے گا اور سب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں؟ مولاناؒ کی جوں ہی مولانا علی گڑھیؒ پر نظر پڑی فوراً وعظ بیچ ہی میں سے قطع کر کے بیٹھ گئے۔

مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ بہ وجہ ہم درس ہونے کے بے تکلف تھے، انہوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ "یہ کیا کیا؟ یہی تو وقت تھا بیان کا"۔

فرمایا: "ہاں! یہی خیال مجھ کو آیا تھا، اس لئے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہار علم کے لئے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے۔" سبحان اللہ! یہ ہیں حقیقی کمالات!

کسرِ نفسی

ذکر نمبر ۱۷: ثقات سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مراد آباد میں وعظ کی درخواست کی گئی، بہت کچھ عذر کے بعد منظور فرمایا اور بیان شروع ہوا۔ حدیث یہ تھی:

"فقیہ واحدٌ اشد علی الشیطان من الف عابد"

کے ترجمے کا حاصل "بھاری" لفظ سے فرمایا۔ مجلس میں ایک پُرانے عالم تھے جو "محدث" کے لقب سے معروف تھے، انہوں نے کھڑے ہو کر فرمایا:

"اشد کا ترجمہ غلط کیا گیا، ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں۔"

تو مولاناؒ بے ساختہ کیا فرماتے ہیں:

"حضرت! مجھ کو تو پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ جیسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں، اور میں نے ان صاحبوں سے اسی واسطے عذر بھی کیا تھا، مگر انہوں نے مانا نہیں، اب بہت اچھا ہوا حضرت کے ارشادات سے بھی میرے عذر کی تائید ہو گئی اور بیان سے بچ گیا۔"

حاضرین کو تو جس قدر ناگواری ہوئی اس کا کچھ پوچھنا نہیں۔ دانت پیستے تھے کہ یہ کیا لغو حرکت تھی، گو مولاناؒ کے ادب سے کچھ بول نہ سکتے تھے، مگر مولاناؒ نے بجائے ناگوار سمجھنے کے یہ کمال کیا کہ نہایت سکون کے ساتھ ان کے پاس جا کر ان کے سامنے ادب سے بیٹھ کر نہایت نیازمندی کے لہجے میں ارشاد فرمایا:

"حضرت! غلطی کی وجہ معلوم ہو جائے تو آئندہ احتیاط رکھوں۔"

انہوں نے کڑک کر فرمایا:

"اشد کا ترجمہ آپ نے اثقل سے کیا، یہ کہیں منقول نہیں، اضر سے کرنا چاہیے۔"

مولاناؒ نے فرمایا: "اگر کہیں منقول ہو تو؟"

انہوں نے کہا: "کہاں ہے؟" مولاناؒ نے فرمایا:

"حدیث وحی میں ہے: کسی نے پوچھا: کیف یاتیک الوحی؟ جواب میں ارشاد ہوا: یاتینی احیانا مثل سلسلة الجرس وھو اشده علی اور ظاہر ہے کہ یہاں "اضر" کے معنی ممکن نہیں، "اثقل" ہی کے معنی صحیح ہو سکتے ہیں"۔

بس یہ سن کر ان کا تو رنگ فق ہو گیا، مگر مولاناؒ نے نہ کچھ اس پر فخر کیا نہ دوبارہ بیان شروع فرمایا، لیکن ان کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ اپنی غلطی کا اعلان فرما دیں (ذکرِ محمود

''مشمولہ'' تذکرۂ شیخ الہند'' میں اس جگہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری نے جو حاشیہ لکھا ہے وہ یہ ہے: اس ذکر (۱۷) میں جن بزرگ محدث کی طرف اشارہ ہے وہ رام پور کے مشہور محدث مولانا محمد شاہ رام پوری ہیں، واقعے کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے'' مقالاتِ عثمانی'' ج ۲، از مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ص ۳۷۔۴۳۴۔ (اعجاز)

وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء ولنعم ماقیل:

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دل بری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر زموایں جاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری اند

حضرت گنگوہیؒ سے اجازت حدیث کی خواہش

ذکر نمبر ۱۸: یہ بھی بعض ثقات سے سنا ہے کہ حضرت مولاناؒ نے ارشاد فرمایا کہ بار ہا حاضری گنگوہ کے وقت خیال ہوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے حدیث کی اجازت کی درخواست کروں، مگر معاً ہی یہ خیال مانع آ گیا کہ اگر حضرت پوچھ بیٹھیں: ''تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے؟'' تو کیا جواب دوں گا؟ بس یہ سوچ کر چپ رہ گیا۔ اللہ اکبر! کچھ حد ہے تواضع کی؟

نفاست پسندی اور سادگی

ذکر نمبر ۱۹: جیسے شباب میں لطافتِ مزاج کے سبب نفیس پوشش مرغوب تھی، اب غلبۂ تواضع کے سبب اس قدر سادہ لباس اور جوتا، اور سادی ہی وضع اختیار فرمائی تھی، جیسے مساکین کی وضع ہوتی ہے۔ وضع سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرسکتا تھا کہ آپ کو کسی قسم کا بھی امتیازِ مالی، جاہی، علمی حاصل ہے۔ حالانکہ ع

آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

امامت سے گریز

ذکر نمبر ۲۰: میں نے کبھی نہ دیکھا نہ سنا کہ آپؒ نے کبھی امامت فرمائی ہو۔

ہاں بھائی! یہ عیب تو میرے اندر بھی ہے

ذکر نمبر ۲۱: میرے سامنے کا قصہ ہے کہ مدرسہ عالیہ دیو بند میں اہلِ علم کا ایک خاص جلسہ تھا، جس میں اس پر کلام ہو رہا تھا کہ آج کل طلباء اکثر بد استعداد کیوں ہوتے ہیں؟ اور سب متفقاً اس کا سبب طلبا کی کوتاہیوں کو بتلا رہے تھے۔ مثلاً مطالعہ نہ دیکھنا، سمجھ کر نہ پڑھنا، اپنی رائے سے سبق شروع کر دینا، سبق چھوڑ دینا، ومثل ذٰلک!

ایک صاحب جو کسی مدرسے میں مدرس تھے اور حضرت مولاناؒ کے شاگرد بھی تھے اور طبعاً ذرا دلیر تھے، بے ساختہ بول اُٹھے کہ کیوں حضرات! سب طلبا ہی پر الزام ہے، مدرسین کی کوئی خطا نہیں؟ حضرت مولاناؒ نے فرمایا: ''ہاں بھائی! وہ تم بتلاؤ!'' وہ بولے: کیا یہ مدرسین کی غلطی نہیں ہے کہ کسی طالب علم نے کوئی بات پوچھی، بجائے اس کے کہ شفقت سے اس کا شبہ رفع کریں، جھاڑ کی طرح اس کے پیچھے لگ گئے اور الزامی جوابوں سے اس کے سر ہو گئے۔ وہ بے چارہ خوف زدہ ہو کر چپ رہ گیا اور وہ شبہ جوں کا توں رہ گیا۔ تو اس فن میں کیا استعداد ہو؟ تو مولاناؒ کیا فرماتے ہیں: ''ہاں بھائی ہاں! سچ کہتے ہو، یہ عیب تو میرے اندر بھی ہے۔'' وہ بے چارے بے حد شرمندہ ہوئے کہ حضرت! واللہ جو میرا یہ مقصود ہو؟ نعوذ باللہ! حضرت کو تھوڑا ہی کہتا ہوں۔ ہنس کر فرمانے لگے: ''تم نہ کہو، مجھ کو تو معلوم ہے، میں تو کہتا ہوں۔''

کمالِ صبر و برداشت

ذکر نمبر ۲۲: بعضے درشت و نادرشت مزاج طلبا درس میں بہت ہی بے ادبی کے الفاظ کہہ ڈالتے تھے، مگر حضرت مولاناؒ کو کبھی اس پر تغیر نہیں ہوا۔ اس وقت کوئی خاص قصہ ذہن میں حاضر نہیں۔

❁❁❁

مکاتیبِ حضرت مولانا رحمہ اللہ

ذکر نمبر ۲۴: یہ میری کوتاہی ہے یا کم ہمتی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مکاتبت (خط و کتابت) کا بہت ہی کم اتفاق ہوا، اور جو بعض اوقات اس کی نوبت بھی آئی اور اس کا جواب بھی بالالتزام عطا ہوا تو ان کی حفاظت کا کچھ التزام نہیں ہوا۔ اس وقت کل تین والا نامے محفوظ یاد آتے ہیں، ایک تو تفسیر کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ہے، جو تتمہ جلد رابع فتاویٰ امدادیہ: ص ۳۲۶ میں مطبوع ہو گیا ہے

﴿ حضرت تھانویؒ نے جس مکتوب کا ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے:

از احقر محمود عفا عنہ

بہ خدمت گرامی مکرمی جناب مولانا مولوی اشرف علی صاحب زید مجدہم ودام شرفہم

تسلیمات و تحیاتِ مسنونہ کے بعد عرض ہے: الزانیہ کے تقدم اور السارقہ کے تأخر کی نسبت چوں کہ بالتصریح حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی بات سنی ہوئی بندے کو یاد نہیں، اس لئے کچھ جواب دینے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اہل تفاسیر کے ارشادات جناب کو مجھ سے زائد معلوم ہیں، پھر فرمائیے عرض کروں تو کیا کروں؟

البتہ ملا کی تعریف میں داخل ہونے کی نیت سے یہ عرض ہے کہ سارق اور سارقہ فعل سرقہ میں ہر ایک مستقل ہے۔ ایک کے فعل میں دوسرے کو دخل نہیں۔ بہ خلاف فعل زنا کے کہ فعل واحد دونوں کا محتاج ہے، کسی کو مستقل نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے سارق کو مقدم فرمانا تو محل خلجان نہیں ہوسکتا کہ رجال اشرف اور اقویٰ ہونے کی وجہ سے تقدیم کے مستحق ہیں۔ چنانچہ آیاتِ قرآنی میں یہ تقدیم جابہ جا موجود ہے، حتیٰ کہ صرف رجال پر اکثر مواقع میں احکام و خطابات جاری فرمائے

جاتے ہیں، اور نساء کا ذکر تک بھی نہیں فرماتے، تبعاً نساء کو داخل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

البتہ باعث خلجان یہ ہے کہ خلاف قاعدہ آیت سورۂ نور میں زانیہ کو مقدم ذکر فرمانے کی کیا وجہ ہو؟ اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ بسا اوقات باعث تقدیم بے شک اولویت اقدمیت ہوتی ہے، اسی کی وجہ سے رجال کو مستمراً مقدم کیا جاتا ہے مگر کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی مصلحت کی رعایت سے ضعیف کو قوی پر مقدم کرنا عین حکمت و بلاغت سمجھا جاتا ہے۔ آیت: من بعد وصية يوصى بها او دين. میں وصیت کو دین پر اسی وجہ سے مقدم فرمایا گیا۔ حالانکہ دین وصیت سے قوی ہے۔ جب کہ یہ مسلم ہو چکا کہ تقدیم کبھی بہ وجہ قوت ہوتی ہے اور کبھی بہ وجہ ضعف، تو اب یہ عرض ہے کہ ماٰنحن فی بین زانیہ کی تقدیم میں دونوں وجہ جاری ہو سکتی ہیں۔ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہر چند فعل زنا گو دونوں پر موقوف ہے، مگر اکثر اوقات یہی ہوتا ہے کہ محرک اول اس امر میں عورت ہی ہوتی ہے۔ کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے ایسے انداز وحرکات صادر ہوتے ہیں جو رجال کو باعث رغبت وتہیج شوق ہو جاتے ہیں، بدوں (بغیر) اس کے کہ عورت کی طرف سے کسی قسم کی ادنیٰ اعلیٰ تحریک ہو، وقوع زنا نہیں ہوتا یا ہو تو شاذ و نادر ہو۔ فقط!

زانیہ فرمانا مزنیہ نہ فرمانا بھی اس طرف مشیر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ عورت کو لباس زینت و خوش بو کے ساتھ گھر سے نکلنا یا اجانب کے قریب ہونا بھی منع ہوا، بہ خلاف رجال کے کہ ان پر یہ تشدد نہیں فرمایا گیا، اور عورت کے تحرک کے بعد رجال سے ضبط وصبر ہونا شاذ و نادر۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کی طلب کو عورت بسا اوقات مسترد کر دیتی ہے، مگر طلب نساء کو رجال سے روکنا نہایت دشوار اور نادر الوقوع۔ نظر بریں وجوہ نساء اس بارے میں اقویٰ اور اقدم ہیں اور لائق تقدیم۔

حضراتِ مفسرین کے ارشادات سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ رجال اس امر میں فاعل ومختار و قادر و نساء منفعل و مجبور حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ تو رجال پر اکراہ علی الزنا کو معتبر بھی نہیں فرماتے تو عورت کی جانب ضعیف معلوم ہوتی ہے جس سے ممکن ہے کہ کسی کو اجرائے حد زنا کا جو کہ اشد الحدود ہے نساء پر موجب رأفت و درگزر ہو جائے۔ اس لئے نساء کو رجال پر مقدم فرمانا مثل تقدیم وصیۃ علی الدین مطابق حکمت و بلاغت ہو۔

نیز وجہ ثانی کی مؤید ایک وجہ وجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ نساء کی نسبت زنا کی ادنیٰ سی تہمت بھی نعوذ باللہ اس قدر موجب ننگ و عار ہے کہ اس کا تحمل معمولی آدمیوں سے تو کیا؟ خواص سے بھی سخت دشوار۔ اب یہ الزام کسی عورت پر لگے اور حاکم کے رُو بہ رو جا کر سارے مراحل طے ہو کر علی الاعلان عورت پر حد زنا کو جاری کیا جائے۔ اللہ اکبر! اس قدر سنگین امر ہے کہ اولیائے مزنیہ تو درکنار تمام خاندان و اہل قبیلہ و اہل برادری کو بھی اس کا تحمل مالا یطاق نظر آتا ہے، لاافضح قومی سائر الیوم شاہد بھی موجود ہے، اس لئے عورت پر حدِ زنا جاری کرنے میں بالیقین سب ہی تساہل کریں گے، بلکہ مانع ہونے کو مستعد ہوں گے، تو اب اجرائے حد میں ان کو مقدم فرمانا تقدیم وصیة علی الدین سے بدرجہا زائد قابل قبول ہونا چاہئے۔ واللہ سبحانہ اعلم، ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم. (امداد الفتاویٰ: ج ۶، ص ۳۴۲-۳۴۴، کراچی)﴾ وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے، اور دو معمولی مضمون کے ہیں، ان کو ذیل میں برکت کے لئے نقل کرتا ہوں۔ حضرتؒ کے مذاق تواضع وشفقت پر دلالت کے لئے یہ بھی دو شاہد عدل سے کم نہیں ہیں۔

مکتوب نمبر ا

سراپا فضل وکمال شرفکم اللہ تعالیٰ وجعلکم فوق کثیر من الناس.

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

بارہا آپ کی خیریت معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا، اور ایک دو دفعہ بعض آئندگان کی زبانی آپ کی خیریت معلوم بھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مع جملہ متعلقین خیریت سے رکھے۔ اس وقت ایک صاحب بنگالی مسمیٰ عبدالمجید سے ملاقات ہوئی جو ہندوستان واپس ہورہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں، یہ موقع غنیمت معلوم ہوا، اس لئے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں۔ بندہ مع رُفقا بحمد اللہ اس وقت تک بالکل خیریت اور اطمینان سے ہے۔ شروع رجب میں مکہ معظمہ حاضر ہوگیا تھا، اس وقت تک یہیں حاضر ہوں۔ مجھ کو امید ہے کہ فلاح وحسن

خاتمہ کی دعا سے اس دورافتادہ کو فراموش نہ فرمائیں گے۔ آئندہ قیام کی نسبت ابھی کچھ عرض نہیں کرسکتا۔ مولوی شبیر علی صاحب (ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے! (شبیر علی تھانوی) مولوی محمد ظفر صاحب، مولوی عبداللہ صاحب وغیرہ حضرات سے سلام مسنون فرمادیجئے۔

والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم
فقط بندہ محمود عفی عنہ
مکہ معظمہ
۱۲محرم، چہار شنبہ (بدھ)

منشی رفیق احمد صاحب کی خدمت میں سلام۔ خدا کرے ان کا رسالہ روبہ ترقی ہو۔

مکتوب نمبر۲

معدنِ حسنات وخیرات، دام ظلکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامۂ سامی موجب مسرت وامتنان ہوا، جو ہوا کرمین ومخلصین کی ادعیہ مقبولہ کا ثمرہ ہے، ادام اللہ فیوضہم وبرکاتہم۔ احقر اور رُفقا ومتعلقین بحمداللہ خیریت سے ہیں، سب کا سلام مسنون قبول ہو۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم، فقط!

بندہ محمود عفی عنہ، از دیوبند
دوم شوال، روز یک شنبہ (اتوار)

حق پرستی اور رعایتِ دین

ذکر نمبر۲۴: حضرتؒ کے انصاف اور حق پرستی اور رعایتِ دین کا نمونہ ایک قصے سے واضح ہوتا ہے۔ ایک قصبے میں ایک رئیس اور عالم کے یہاں، جو اپنے ہی مجمع کے ہیں، ایک تقریب تھی۔ احقر بھی اس میں مدعو تھا، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اور دیگر حضرات بھی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ رسوم بدعت میں سے کوئی رسم وہاں

نہیں، اور کیوں کر ہوتی؟ جب کہ صاحب تقریب خود بدعت سے مانع تھے۔

مگر عام برادری کی دعوت تھی، جس کو میں بنا بر تجربہ رسوم تفاخر میں سے سمجھتا ہوں، اور جن اکابر پر حسن ظن غالب ہے وہ اس میں توسع فرماتے ہیں۔ چنانچہ اسی تفاوت کا یہ اثر ہوا کہ میں تو بلا شرکت واپس آ گیا اور دیگر حضرات نے شرکت فرمائی۔ خود اپنے ہی مجمع میں اس کا مختلف عنوانوں سے بڑا غوغا ہوا، اور مجھ سے تو جب اس اختلاف کے متعلق کسی نے سوال کیا میں نے تو بزرگوں کے ادب کی رعایت ہی مدنظر رکھ کر جواب دیا، مگر عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جو بعض نے سوال کیا تو باوجودے کہ حضرتؒ کے ذمے اس احقر کی رعایت کی کون (سی) ضرورت تھی، لیکن جو جواب عطا فرمایا اس میں جس درجے رعایت ہے وہ قابل غور ہے۔ وہ جواب یہ تھا کہ

''واقعی بات یہ ہے کہ عوام کے مفاسد کی جس قدر فلاں شخص (یعنی احقر) کو اطلاع ہے ہم کو اطلاع نہیں، اس لئے اس نے احتیاط کی۔''

حقیقت یہ ہے کہ ؎

بریں نکتہ گر جاں فشانم رو است!

یہ جواب مجھ سے بعض ثقات نے نقل کیا۔

گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی

ذکر نمبر ۲۵: اسی قصۂ مذکورہ متصلاً کی نظیر، اسی انصاف اور حق پرستی اور رعایت کا نمونہ یہ قصہ بھی ہے (اور اس وقت اسی پر اس ''ذکر محمود'' کو ختم بھی کر دوں گا) کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا سے تشریف لائے تو بعض خاص اسباب سے بعض خاص معاملات میں بعض خاص خیالات ظاہر فرمائے اور اعلاناً و عملاً ان میں حصہ لیا، جس کا مبنیٰ محض خلوص کے ساتھ اسلام و اہل اسلام کی خدمت تھی۔ چوں کہ وہ مسائل اجتہادی تھے جن میں شرعاً گنجائش اختلاف کی ہوتی ہے، اور ان میں بعضے پہلو دنیوی و دینی خطرات بھی رکھتے تھے، جو شرعاً واجب التحرز تھے۔ بعض اہل علم نے

ان خطرات و مضرات پر نظر کر کے ان تحریکات میں رائیاً و عملاً شرکت نہیں کی، اور احقر کا خیال بھی ان ہی علیحدگی رکھنے والوں کے موافق تھا، اور اس علیحدگی کو اکثر اہل محبت مفرطہ نعوذ باللہ حضرتؒ کی مخالفت سمجھتے تھے، مگر خود حضرتؒ کی یہ کیفیت تھی کہ جب میں زیارت کے لئے دیوبند حاضر ہوا تو میرے ساتھ میرے ایک دوست بھی تھے، جو ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، وہ مجھ سے کہتے تھے: میں نے حضرتؒ سے عرض کیا: اشرف اس وقت آیا ہوا ہے، اگر ان اُمور میں گفتگو فرمالیجئے تو شاید رائے متفق ہو جائے؟ ارشاد فرمایا:

''نہیں، مناسب نہیں۔ جو شخص اپنا لحاظ کرتا ہو اس سے ایسی گفتگو کرنا مناسب نہیں۔ نیز گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی، واقعات سے بدلا کرتی ہے۔''

اللہ اکبر! اس انصاف و رعایت کی کچھ حد ہے؟

نیز ایک صاحب اسی مضمون کے متعلق کہتے تھے کہ وہ دیوبند حاضر تھے، بعض لوگ اس احقر کی شکایتیں ان معاملات میں کر رہے تھے۔ حضرتؒ نے سن لیا، فرمایا:

''افسوس! تم ایسے شخص کی شکایتیں کرتے ہو جس کو میں ایسا ایسا سمجھتا ہوں۔''

(یہاں بعض الفاظ میری شان سے بہت ارفع ہیں، اس لئے میں نے ان کو نہیں لکھا کہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک) اور یہ بھی فرمایا:

''میں جو کچھ کر رہا ہوں کیا مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے؟ میری ایک رائے ہے، سو اس کی (یعنی احقر کی) بھی ایک رائے ہے، اس میں اعتراض و شکایت کی کیا بات ہے؟''

نیز بعضے لوگوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان ہی تحریکات کی تقویت کے لئے تھانہ بھون لانا چاہا اور درخواست کی، تو ایک شخص کہتے تھے کہ حضرتؒ نے یہ جواب دیا:

''وہاں فلاں شخص (یعنی احقر) موجود ہے، میرے جانے سے اس کو تنگی ہوگی۔ کیوں کہ موافقت تو اس کی رائے کے خلاف ہوگی اور عدم موافقت سے شرمائے گا، اس لئے وہاں نہیں جاتا۔'' ﴿ اسی طرح ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا: ''تم کیوں بار بار اس

پر اعتراض کرتے ہو؟ وہ بھی دین کا ایک کام کر رہا ہے۔'' (اشرف)

سبحان اللہ، اللہ اکبر! میں تو اکثر اوقات اپنے بزرگوں کے ایسے کمالات پیش کر کے دوسری جماعتوں کو خطاب کر کے کہتا ہوں:

اُولٰئک آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

خاتمہ

اب اس کو ختم کرتا ہوں اور حسرت کے ساتھ تاریخ وفات سے اطلاع دیتا ہوں کہ بہ تاریخ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/ ۳۰ نومبر/ ۱۹۲۰ء یوم سہ شنبہ (منگل) رہ گذائے عالم بقا ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

اس احقر نے محض سہولت یادداشت کے لئے ایک مادہ تاریخ کا سوچا ہے، گو فصیح نہیں ہے، اور اس پر مصرعے بھی لگا دیے، گو شاعر نہیں ہوں۔ وھو ھذا:

قطعہ

آہ حضرت شیخ محمود الحسن راہی جنت شد از دار المحن
گفت ہاتف چوں بہ جستم سالِ او واصل درگاہ جاناں ذُو المنن
۱۳۳۹ھ

اور حضرت رحمہ اللہ کے حاضر باش خواص سے اُمید رکھتا ہوں کہ اگر وقت ملے تو حضرتؒ کے کمالاتِ علمیہ وعملیہ کا مبسوط تذکرہ تحریر فرمائیں، خصوص مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب، مولانا حسین احمد صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ کی توجہ سے اس مقصود کی تکمیل میں بہت کچھ آسانی کی توقع ہوتی ہے۔ واللہ الفاتح لکل ابواب الخیرات وھو الموفق لاتمام الصالحات!

کتبہ اردء تلامذہ صاحب التذکرۃ

الاحقر اشرف علی رزقہ اللہ تعالیٰ التقوٰی والمغفرۃ

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ (۲۵ جنوری ۱۹۲۱ء بروز اتوار)

گنج بے رنج

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

گنجِ بے رنج

پہلی حاضری

مجھ کو دو مرتبہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یقین کے ساتھ تو ماہ و سنہ یاد نہیں ہیں، لیکن گمانِ غالب سے کہتا ہوں کہ اول مرتبہ جب حاضر ہوا ہوں تو ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۴ء) تھا اور مہینہ بھی غالباً ربیع الثانی (فروری) یا جمادی الاولی (مارچ) تھا۔ کیوں کہ مجھے اتنا یاد ہے کہ یہ حاضری تعلق ملازمت کان پور کے کچھ بعد تھی، اور تعلق کان پور کا زمانہ آخر صفر تھا جو قرب میلاد کا زمانہ تھا، اور اکثر لوگ میلاد کے مسئلے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ نیا نیا مدرس ہو کر کان پور گیا تھا۔ بعض وجوہ سے دو مہینے کے بعد ملازمت چھوڑ دی اور تھانہ بھون واپسی کا ارادہ کیا، گو بعد کو مدرسۂ جامع العلوم کی بنیاد پڑ گئی اور مجھے رکنا پڑا۔ اسی زمانے میں جب کہ کان پور کو چھوڑنے کا قصد کر لیا تھا، یہ خیال ہوا کہ حضرت مولاناؒ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرتا جاؤں، کیوں کہ معلوم نہیں پھر اس طرف آنے کا کبھی اتفاق ہو یا نہ ہو؟

چنانچہ ایک طالب علم مہدی حسن تھے جو قرآن شریف پڑھا کرتے تھے، ان کو ہمراہ لے کر مرادآباد کے قصد سے روانہ ہوا، اناؤ تک ریل سے مسافت طے کی، باقی راستہ ٹٹو (خچر) سے قطع کیا۔ راستہ کچھ اچھا نہ تھا، ایسا ہی تھا، کوئی باقاعدہ سڑک نہ تھی اور اس پر طرہ یہ کہ ہم دونوں راستے سے واقف نہ تھے۔ نہ کوئی پتا نشان، نہ کسی سے پوچھا تھا، یوں ہی چل کھڑے ہوئے تھے، اور ٹٹو والا افیونی تھا، وہ پینک میں کہیں پیچھے

رہ گیا، ہم اکیلے چلے جارہے تھے لیکن ہم دونوں راستے سے ناواقف تھے، ناواقفی کی وجہ سے کئی جگہ راستہ بھولے۔ جب کوئی گاؤں نظر آتا اس میں جا کر راستہ پوچھتے پھر آگے چلتے۔ غرض کئی جگہ شبہ ہوا، اس شبہے اور دھوکے ہی میں دن ختم ہوگیا، لیکن برابر چلتے ہی چلے گئے کیوں کہ شوق زیارت شدت کا تھا۔

بہت تیزی سے ایک ساتھ تین سوال

خدا خدا کر کے پہنچے، عشاء کی نماز ہو چکی تھی۔ مولانا مسجد سے حجرے میں تشریف لے جا چکے تھے، خادم کے ذریعے اطلاع کرائی گئی، حضرتؒ نے بلالیا اور میں نے رفیق کو اسباب کے پاس چھوڑا اور خود اسی خادم کے ہمراہ حاضر ہوگیا۔ اتنا یاد ہے کہ وہاں ایک جانب تخت بچھا ہوا تھا، جس کے پاس ایک بوریا بھی بچھا ہوا تھا، اور حضرت مولاناؒ ایک دوسری جانب چارپائی پر تشریف فرما تھے، میں سامنے جا کر کھڑا ہوگیا اور سلام عرض کیا۔ جواب دینے کے بعد اپنے مخصوص لہجے میں بہت تیزی سے ایک ساتھ تین سوال کیے:

کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟

حضرتؒ کی گفتگو کا انداز

حضرت مولاناؒ کا لہجہ طبعی طور پر سادہ تھا، مزاج میں سادگی بہت تھی، عرفی تکلف کے پابند نہ تھے، صاف طبیعت تھے، گفتگو میں لہجہ ذرا تیز ہوتا تھا۔ خصوص اس کے ساتھ جو معتقد ہو کر جائے، جیسے میں گیا تھا، اور وہاں تو اکثر لوگ معتقدانہ ہی حاضر ہوتے تھے۔ ایسا لہجہ تھا کہ اگر کوئی اجنبی شخص دیکھے تو یہ گمان کرے کہ مولانا غصہ فرمارہے ہیں۔ حالانکہ یہ بات نہ تھی۔ جس کو دو چار بار حاضری کا اتفاق ہو جاتا تھا وہ تو اچھی طرح سمجھ لیتا تھا کہ حضرتؒ کا لہجہ ہی ایسا ہے۔ لطف وعنایت کی گفتگو میں بھی اکثر لہجے کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔

غرض مولانا نے تیز لہجے میں یہ تین سوال ایک ساتھ کیے: کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟

کیوں آئے ہو؟

ارے یہ کوئی زیارت کا وقت ہے؟

میں نے بھی ادب کے ساتھ ان تینوں سوالوں کے جواب میں عرض کیا کہ میں ایک طالب علم ہوں، کان پور سے آیا ہوں، زیارت کو حاضر ہوا ہوں۔

یہ سن کر اور تیز ہوئے اور فرمایا:

''بڑے آئے زیارت والے! ارے یہ کوئی وقت زیارت کا ہے؟ ایسے وقت کسی کی زیارت کو آیا کرتے ہیں؟ آدمی کو چاہئے کہ ذرا سویرے آئے، دوسرا کچھ روٹی وغیرہ کا انتظام تو کر سکے۔ اب بتلاؤ! تمہارے لئے کھانا کہاں سے لاؤں؟ تمہیں خدا کا خوف نہ آیا، تم کو زمین نہ نگل گئی۔''

عقیدت کا خلاصہ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے جو اپنے دل کو دیکھا تو مطلق کسی قسم کی کوئی شکایت یا رنج نہ پایا، بلکہ اس سے زیادہ بھی کہہ لیتے تب بھی ذرا ناگوار نہ ہوتا۔ کیوں کہ خاص عقیدت کے ساتھ حاضر ہوا تھا، اور عقیدت کا خاصہ یہی ہے، گو میرے پاس عذر تھا، لیکن میں نے اس وقت کچھ عرض کرنا خلافِ ادب سمجھا۔ یہ ایک تنبیہ تھی، سو میں کیا اس کا جواب دیتا؟ چپ کھڑا تھا۔

تمہارے پاس کچھ پیسے ہیں؟

تھوڑی دیر بعد فرمایا:

''تمہارے پاس کچھ پیسے ہیں؟''

میں نے عرض کیا: جی ہاں! ہیں۔ فرمایا:

''اچھا! جاؤ اور بازار سے کچھ لے کر کھالو اور صبح چلے جاؤ۔''

میں نے عرض کیا: بہت اچھا۔ اس ارشاد کے بعد خادم سے کہا:

''انہیں لے جا کر فلاں مکان میں ٹھہرا دو۔''

اجی یہاں آ جاؤ

چنانچہ ہم لوگ ساتھ ہو لیے اور اس نے لے جا کر ایک جگہ دکھا دی۔ ایسا خیال ہے کہ وہ ایک عام جگہ تھی، محفوظ جگہ نہ تھی، سہ دری سی تھی، خیر مع ٹٹو اور رفیق کے وہاں چلا گیا اور سامان اتارنے لگا، یہی ارادہ تھا کہ بازار سے لے کر کچھ کھا پی لیں گے اور حسب الحکم صبح کو رخصت ہو جائیں گے۔

لیکن تھوڑی ہی دیر میں ایک خادم آیا اور کہا کہ مولانا نے یاد فرمایا ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ کچھ اور یاد آیا ہوگا، لیکن میں نے دل میں کہا کہ بھائی سننے کو تو ہم آئے ہی ہیں۔ میں ساتھ ہولیا اور جا کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ فرمایا: ''بیٹھ جاؤ'' مگر لہجہ اب بھی ویسا ہی تھا، حالانکہ اس وقت لطف اور شفقت موجود تھی، جیسا کہ بعد کے برتاؤ سے معلوم ہوگا۔ کچھ لہجہ ہی ایسا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ طبیعت میں سادگی تھی، تصنع اور تکلف نہ تھا۔ میں یہ ارشاد سن کر تخت کے پاس جو چٹائی بچھی ہوئی تھی اس پر بیٹھ گیا۔ فرمایا:

''اجی یہاں آ جاؤ، تخت پر بیٹھو۔''

حسب ارشاد اُٹھ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ پھر خادم سے فرمایا کہ

''ان کے لئے ہماری بیٹی کے یہاں سے کھانا لاؤ۔''

چنانچہ خادم اسی وقت جا کر کھانا لایا، ایک پیالے میں سالن تھا، غالباً ارہر کی دال تھی اور اسی پر روٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جب خادم نے کھانا میرے سامنے لا کر رکھا تو مولانا نے دیکھ لیا۔ حالانکہ چراغ کی روشنی بھی کم تھی اور میں بھی کسی قدر فاصلے پر تھا۔ نظر حضرتؒ کی اس عمر میں بہت اچھی تھی۔ کھانا دیکھ کر خادم سے فرمایا:

''بدتمیز! یوں کھانا لایا کرتے ہیں مہمان کے واسطے؟

ارے روٹی الگ طباق میں لاتا، سالن علیحدہ برتن میں لاتا۔ یہ کون سا طریقہ ہے کہ پیالے پر روٹیاں رکھ کر لے آیا؟''

خادم نے عرض کیا کہ میں نے طباق ڈھونڈا، ملا نہیں۔ فرمایا:

''جھوٹ بولتا ہے۔ ارے فلانے طاق میں رکھا نہیں ہے؟''

یہ غالباً کشف سے فرمایا۔ مولانا کو کشف بہت ہوتا تھا، خادم یہ سن کر دوڑا ہوا گیا اور طباق لے آیا، ورنہ سب روٹیاں ہاتھ میں لے کر کھانا پڑتیں۔

بہت بڑی تعریف

جب میں نے کھانا شروع کیا تو فرمایا: ''کیا کھانا ہے؟''

میں نے عرض کیا: حضرت! ارہر کی دال ہے اور روٹی ہے۔ فرمایا:

''سبحان اللہ! یہ تو بڑی نعمت ہے۔ تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو، تم نے مولوی محمد یعقوبؒ سے پڑھا ہے۔''

مولانا کو کشف ہوا، پھر فرمایا:

''بہت اچھے آدمی تھے۔''

یہ گویا مولاناؒ نے بہت بڑی تعریف کی۔ کیوں کہ مولانا مبالغہ تعریف میں نہ کرتے تھے، اتنا فرمانا کہ ''بہت اچھے آدمی تھے'' بہت بڑی تعریف ہے۔ اس سے حضرت مولاناؒ کا تعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے بھی ثابت ہو گیا۔

تذکارِ صحابہؓ

غرض فرمایا کہ

''تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو، تم کو معلوم ہے کہ صحابہؓ کی کیا حالت تھی؟ ایک ایک چھوہارا کھا کر جہاد کرتے تھے اور دن بھر لڑتے تھے۔''

جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بڑھا تو جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے، عادت یہی تھی کہ بزرگانِ دین کے تذکرے کے وقت جوش میں آ جایا کرتے تھے۔ غرض جوش میں کھڑے ہو گئے اور پاس آ کر میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور دیر تک حضراتِ صحابہؓ کا تذکرہ کرتے رہے۔ میں کھانا کھاتا رہا۔ ایسا خیال پڑتا ہے کہ ایک آدھ شعر بھی پڑھا۔

اجی تبرک وبرک چھوڑو

پھر اس کے بعد فرمایا کہ ''بیر کھاؤ گے؟'' میں نے عرض کیا کہ حضرت کا تبرک ہے۔ فرمایا: ''اجی تبرک وبرک کو چھوڑو، یہ بتاؤ کہ بیر کھانے سے تمہارے پیٹ میں درد تو نہیں ہو جاتا؟''

میں نے عرض کیا: حضرت! نہیں۔ پھر وہاں سے چلے اور ایک برتا ہوا بدھنا اٹھا کر لے آئے، جس میں پیوندی بڑے بڑے بیر تھے، اور لا کر میرے سامنے الٹا کر دیا اور کہا: ''کھاؤ!'' پھر بہ طور مزاح کے فرمایا کہ

''کبھی دل میں کہتے آپ ہی کھا لیے، مہمان کی بات بھی نہ پوچھی۔''

جب میں کھانے سے فارغ ہو گیا تو فرمایا:

''اچھا جاؤ! عشاء پڑھ کے سو رہنا، اب صبح کو ملاقات ہوگی۔''

پھر مولانا اس وقت تشریف لے گئے، خبر نہیں کہاں؟ حجرے میں یا مکان کے اندر؟ ہاں! حضرتؒ نے کان پور سے گنج مراد آباد تک قصر کے متعلق بھی کچھ سوال کیا تھا اور میں نے جواب بھی دیا تھا، اور اس پر حضرتؒ نے کچھ اصلاح بھی فرمائی تھی، لیکن تفصیل یاد نہیں۔ نہ سوال نہ جواب، نہ حضرتؒ کی اصلاح، کچھ یاد نہیں۔ پھر میں نے نماز پڑھی اور جائے قیام پر چلا گیا اور سو رہا۔

فجر کی نماز کی کیفیت

صبح کی نماز مولانا کے پیچھے پڑھی۔ مولانا نے اسفار میں نماز پڑھی تھی اور خود امامت فرمائی۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں۔ پھر ہم لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے، یہاں تک کہ آفتاب اچھا اونچا ہو گیا۔ میرے سامنے مولانا نے نوافل نہیں پڑھے۔

شرم نہیں آتی پرائے ٹکڑوں پر پڑتے ہیں

پھر اٹھ کر ایک صاحب کی طرف متوجہ ہوئے جو سامنے کھڑے تھے، وضع سے کوئی رئیس معلوم ہوتے تھے، مگر ثقہ صورت، داڑھی بھی نیچی، چوغہ بھی اور پائینچے بھی

ٹخنے سے اوپر۔ سردیوں میں اکثر لباس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ رئیس ہے یا معمولی حیثیت کا شخص۔ بہرحال مولانا نے ان کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: ''تم کب جاؤ گے؟'' انہوں نے کہا: جمعہ کی نماز پڑھ کر جاؤں گا۔ فرمایا: ''یہاں جمعہ پڑھ کر کیا ہو گا؟'' انہوں نے کہا: تو میں جمعہ اور کہاں پڑھوں گا؟ وہ بھی کوئی بے تکلف اور پرانے آنے جانے والے معلوم ہوتے تھے۔ مولانا نے فرمایا:

''ہمیں کیا خبر کہاں پڑھو گے؟ ہم کوئی ٹھیکے دار ہیں تمہارے جمعہ کے؟ لوگوں کو شرم نہیں آتی، منہ پر داڑھی لگا کر پرائے ٹکڑوں پر پڑتے ہیں۔''

وہ بھی بہت ہی بے تکلف تھے، انہوں نے کہا: میں تو نہیں جاتا۔ یہ سن کر حضرت ان کا شانہ پکڑے ہوئے اور زور لگائے ہوئے لے چلے اور فرمایا: ''نکلو یہاں سے'' (اس مقام پر پہنچ کر حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی نے فرمایا کہ ''مجھے تو حضرتؒ کی ساری باتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں، ممکن ہے کوئی معاند یا بدفہم اس قسم کے واقعات سے حضرت مولانا کے اخلاق پر شبہ کرے ہمیں تو بزرگوں کی ساری ہی باتیں محبوب معلوم ہوتی ہیں، جس کو ذوق نہ ہو وہ جو چاہے سمجھے۔

وظیفہ تعلیم فرمایا

غرض وہ شخص تو چلے گئے، خبر نہیں قصبے سے بھی چلے گئے یا نہیں؟ میں نے دل میں کہا کہ اب شاید میرا نمبر ہو، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ ''حضرت! میں جاتا ہوں۔'' فرمایا: ''بہت اچھا۔'' میں چلا تو مولانا بھی ساتھ ساتھ چلے۔ میں سمجھا اتفاقاً اپنی کسی ضرورت سے اسی جانب تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ گمان نہ تھا نہ اپنے کو اہل سمجھتا تھا کہ مشایعت کیلئے ساتھ ہیں، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہی غرض تھی، کیوں کہ راستے میں مہمانوں کے ٹھہرنے کا جو مکان آتا حضرتؒ دریافت فرماتے کہ ''کیا یہاں ٹھہرے ہو؟'' حتیٰ کہ وہ سہ دری آ گئی جس میں میرا قیام تھا، میں وہاں رُک گیا تو مولانا بھی وہاں ٹھہر گئے اور فرمایا: ''ٹٹو منگاؤ اور سامان لاؤ''۔ میں نے رخصتی مصافحہ کیا اور عرض

کیا کہ حضرت! میرے لئے دعا کیجئے۔ فرمایا: "ہم نے تمہارے لئے دعا کی ہے۔"
پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھ کو کچھ پڑھنے کو بتلا دیجئے۔ فرمایا:
"قل ھو اللہ شریف، اور سبحان اللہ وبحمدہٖ دو دو سو بار پڑھ لیا کرو۔"
اوروں سے بھی سنا کہ حضرت مولاناؒ طالبین کو اکثر یہی پڑھنے کو بتایا کرتے تھے، کیوں کہ حدیث شریف میں ان چیزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اس کے بعد میں مع اپنے رفیق کے وہاں سے چلا آیا۔ چوں کہ میں مسافر تھا، جمعہ میرے ذمے تھا ہی نہیں، اس لئے فوت کا افسوس بھی نہیں ہوا۔
وہاں سے آجانے کے بعد ہی مدرسہ جامع العلوم کی بنیاد پڑ گئی اور مجھ کو کان پور میں بہ اصرار روک لیا گیا، ورنہ پہلے تو یہ خیال تھا کہ اب کان پور چھوڑ رہا ہوں، حضرتؒ سے مل آنا چاہئے، ممکن ہے پھر نہ حاضری ہو، غرض میرا کان پور میں قیام ہو گیا۔
دوسری حاضری
پہلی مرتبہ زیارت کے تو یہ واقعات تھے، دوسری مرتبہ مہینہ رمضان کا تھا، اور سن تو تقریباً یاد نہیں، بس اتنا یاد ہے کہ پہلے سفر سے چند سال کے بعد دوبارہ حاضر ہوا۔ اس درمیان میں مولاناؒ کبھی کبھی آنے والوں کے ذریعے سے سلام کہلا بھیجتے تھے۔ مولاناؒ تو ایسے آزاد تھے کہ کوئی چیز بھی یاد نہیں رہتی تھی، نہ معلوم یہ کیسے یاد رہ گیا؟
ایک شخص بیان کرتے تھے کہ مولاناؒ کا مزاج تیز تو تھا ہی، انہوں نے حضرت مولاناؒ سے میرا نام لے کر نہایت بدتمیزی سے کہا کہ "آپ سے تو اُس کے اخلاق اچھے ہیں۔" غایت تواضع سے فرمایا: "ہاں بے شک اچھے اخلاق ہیں۔"
مجھے جو پسند تھا وہ ہدیہ دیا
پھر دوبارہ کئی سال کے بعد پھر حاضر ہوا، اس بار چند ہمراہی بھی تھے، اور ہدیے کے طور پر میں کچھ پیڑے بھی لے گیا تھا۔ کان پور میں اس زمانے میں بہت اچھے پیڑے بنتے تھے، جنہیں بنگالی پیڑے کہتے تھے۔ سانچے میں بنتے تھے، بہت

خوبصورت اور خوش بودار ہوتے تھے۔ مجھے بہت پسند تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پسند کی تو خبر نہ تھی۔ میں نے سوچا کہ جو چیز خود مجھے پسند ہے اسی کو ترجیح دینا چاہئے، چنانچہ میں نے پیڑے ہی ہدیے کے واسطے لیے۔ نیز چوں کہ رمضان شریف کا زمانہ اور مدرسے کی تعطیل تھی، اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی گنجائش تھی، اس خیال سے کہ شاید دو چار دن رہنا ہو جائے، ایک بوتل شربت انار کی بھی اپنے افطار کے واسطے ہمراہ لے لی تھی، کیوں کہ گرمی کا زمانہ تھا۔

حاضری کے وقت دل کی کیفیت

جب مراد آباد قریب رہ گیا تو مجھے خیال ہوا کہ ہم لوگوں کے اعمال اچھے نہیں، اکثر بزرگوں کو قلب کی تاریکی کا احساس ہو جاتا ہے، اس لئے شاید ڈانٹ ڈپٹ فرماتے ہوں، لہٰذا اپنے قلب کو پاک صاف کر کے حاضرِ خدمت ہونا چاہئے۔ چنانچہ وضو کیا، استغفار کی کثرت کی، ادب کے لحاظ سے سواری چھوڑ کر پا پیادہ چلے۔

جوان ہو، روزہ ہی مناسب تھا

اس حالت سے چلے جا رہے تھے، دوپہر کا وقت تھا، ایک بوڑھے شخص رستے میں ملے، معلوم ہوا زیارت کو جا رہے ہیں۔ وہاں پہنچ کر اول وہ پیش ہوئے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ روزہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! روزہ ہے۔ اس پر بہت خفا ہوئے۔ فرمایا: ''کس نے کہا تھا کہ سفر میں روزہ رکھو؟'' ان بے چاروں کو حکم ہوا کہ ''بس ابھی چلے جاؤ۔'' ہمارا بھی روزہ تھا، ہم نے کہا: بھائی خدا خیر کرے! ہم سے بھی یہی سوال ہوگا۔ چنانچہ واقعی پیش ہوئے تو یہ سوال فرمایا کہ ''روزہ ہے؟'' ہم نے سچی بات عرض کر دی کہ حضرت ہے''۔ مگر بجائے خفگی کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''اچھا کیا! جوان آدمی ہو، روزہ رکھنا ہی مناسب تھا۔''

یوں بہ ظاہر مولانا رحمۃ اللہ علیہ ذرا مغلوب سے تھے، ورنہ بڑے عالم تھے، بڑے متقی تھے، حدودِ شرعیہ سے خوب واقف تھے اور پورے متبع سنت تھے۔ دیکھئے!

چوں کہ وہ صاحب بوڑھے تھے، ان کو سفر میں روزے کا تحمل دشوار تھا، ان پر خفگی کا اظہار فرمایا، اور ہم لوگوں کے روزے پر اظہارِ مسرت فرمایا، اور یہی محل ہے حدیث:

لیس من البر الصیام فی السفر. کا۔

ہدیے کی قبولیت

غرض ہم بہت خوش ہوئے کہ چلو ایک خطرے سے تو نجات ملی۔

اس وقت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک چارپائی پر تشریف رکھتے تھے۔ یہ نہیں پتا کہ بیٹھے تھے یا لیٹے تھے، غالباً لیٹے تھے، نیچے چٹائی بھی بچھی تھی، اس پر ہم لوگ بیٹھ گئے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً پہچانا نہیں۔ ہم نے اپنے اپنے ہدایا پیش کیے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو تمباکو سے اور صابن سے بہت رغبت تھی، حقہ نوش فرماتے تھے اور کپڑے گھر ہی میں دُھلواتے تھے۔ میرے ہمراہی تمباکو اور صابن ہدیے میں لے گئے تھے، اور مجھے خبر ہی نہ تھی کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ان چیزوں سے رغبت ہے، اوروں نے تو تمباکو اور صابن پیش کیا اور میں جو ہدیہ لے گیا تھا وہ میں نے پیش کر دیا، یعنی پیڑے، اوروں کی چیزیں لیں لیکن کچھ فرمایا نہیں۔ میں نے جو پیڑے پیش کیے تو خوش ہو کر فرمایا کہ ''ہم تو اس کا شربت پیا کرتے ہیں۔''

اور خادم سے فرمایا کہ ''انہیں اُٹھا کر رکھو، ہم ان کا شربت پیا کریں گے۔''

میں خوش ہوا، کیوں کہ میرا خیال تھا کہ میرا ہدیہ کیا پسند آئے گا، اوروں کا ہدیہ پسند فرمائیں گے، کیوں کہ وہ لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رغبت کی چیزیں لائے تھے، لیکن خلافِ توقع معاملہ برعکس ہوا، اوروں کو بھی تعجب ہوا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، پھر از خود فرمایا کہ ''کیا تمہارے پاس کوئی دوا بھی ہے؟''

میں نے عرض کیا کہ حضرت! دوا تو میرے ساتھ کوئی نہیں ہے (کیوں کہ میں شربت انار کو دوا کے طور پر نہیں لے گیا تھا)۔ اس پر ساتھیوں نے مجھ سے آہستہ سے کہا کہ شربت انار تو ہے؟ میں نے مکرر عرض کیا کہ حضرت! شربت انار البتہ ہے۔

فرمایا: ''وہ تو تم نے افطار کے لئے اپنے ساتھ لیا ہے۔''

میں نے کہا: لایا تو تھا افطاری کی نیت سے، مگر اب جی چاہتا ہے کہ حضرت قبول فرمالیں۔ فرمایا: ''بہت اچھا''۔ چنانچہ میں نے پیش کیا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہ بھی قبول فرمالیا۔

سجدہ کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے اللہ نے پیار کرلیا

ہدیوں سے فارغ ہونے کے بعد مختلف باتیں فرماتے رہے۔ بعض بعض یاد بھی ہیں، مثلاً: فرمایا کہ ''کہنے کی بات تو نہیں ہے، لیکن تم سے کہتا ہوں کہ جب میں سجدہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پیار کرلیا۔''

نماز کا مزہ ہی الگ ہے

دوسری بات یہ فرمائی کہ ''بھائی! جنت کا مزہ برحق، حوضِ کوثر کا مزہ برحق، مگر نماز میں جو مزہ ہے کسی چیز میں نہیں۔''

بس اللہ قبر میں نماز کی اجازت دیدیں

ایک یہ فرمایا کہ ''بھائی! ہم تو قبر میں بس نماز پڑھا کریں گے، دعا ہے کہ ہمیں اللہ میاں قبر میں یہ اجازت دے دیں کہ بس نماز پڑھے جاؤ۔''

جب ہم جنت میں جائیں گے

چوتھی بات میں کچھ شک ہے، اسی جلسے میں فرمایا یا بعد کے کسی جلسے میں، بلکہ اس میں بھی شک ہے کہ بلاواسطہ سنا، یا بہ واسطہ، بہرحال اگر بہ واسطہ بھی سنا ہوگا تو کسی ثقہ راوی ہی سے سنا ہوگا، کیوں کہ اس کی صحت کا مجھے اتنا وثوق ہے کہ بلاواسطہ سننے کا احتمال ہے۔ بہرحال چوتھی بات یہ فرمائی کہ ''جب ہم جنت میں جائیں گے۔''

اور یہ ایسے طور پر فرمایا جیسے یقین ہو کہ جنت میں ضرور جائیں گے، (حق تعالیٰ سے ایسی قوی امید تھی کہ کچھ شک ہی نہ تھا)

''اور حوریں آئیں گی تو ہم ان سے صاف صاف کہہ دیں گے کہ بی! اگر قرآن سنانا ہو تو سناؤ ورنہ جاؤ اپنا راستہ لو۔''

اس قسم کی شان مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔

اتنے میں ایک شخص اندر چلا آیا، اس کو بہت ڈانٹا کہ بڑے بدتمیز ہو، منہ اٹھائے چلے آرہے ہو، یہ نہیں دیکھتے ہو کہ موقع ہے یا نہیں؟ یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی خاص بات کر رہا ہے۔ گویا مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نزدیک ہم لوگوں کو خلوت کا وقت دیا تھا۔ اپنے اسرار ظاہر کرنے کے لئے خلوت پسند فرمائی۔

جب یہ باتیں ہو چکیں تو ارشاد ہوا کہ ''مسجد میں بھی جگہ ٹھہرنے کی ہے اور مکان بھی موجود ہے، کہاں ٹھہرو گے؟''

میں نے عرض کیا کہ حضرت! جہاں آپ کا قرب ہو۔ فرمایا: ''تو مسجد میں ٹھہر جاؤ۔''

ہم لوگ مسجد میں ٹھہر گئے۔ دوپہر کا وقت تھا، کچھ لیٹے بیٹھے، اتنے میں ظہر کا وقت آگیا، نماز پڑھی، شام کو بعد افطار بہت پرتکلف کھانا آیا، کئی طرح کا، چار پانچ قسم کا تھا، جیسے کہ اُمرا کی عادت ہے، یا متوسط لوگوں میں بھی اپنے خاص خاص معزز مہمانوں کے لئے کئی کئی کھانے پکوانے کی عادت ہے۔

بہت ہی عنایت تھی، ورنہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وضع بالکل آزادانہ تھی، وہاں تکلفات کی بھلا کیا گنجائش؟ اسی طرح سحری میں بھی کئی قسم کا کھانا آیا، غرض ایک آدھ دن جب گزرا میں نے واپسی کی اجازت چاہی، اور اس درمیان میں مختلف جلسوں میں مختلف باتیں فرماتے رہے، جو کہ اب یاد بھی نہیں۔

حصن حصین حضرتؒ سے پڑھی

بہرحال جب میں نے اجازت چاہی، فرمایا: ''اجی کیا جلدی ہے؟ مدرسے کی تعطیل ہے، رمضان شریف کا زمانہ ہے، اور ٹھہرو۔''

ہم تو یہ چاہتے ہی تھے، حضرتؒ کے ارشاد کو غنیمت سمجھا اور واپسی کے ارادے

کو ملتوی کر دیا۔ جب میں نے دیکھا کہ رہنا تو ہو ہی گیا ہے، لاؤ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ''حصن حصین'' ہی پڑھ لیں؟ چنانچہ میں نے عرض کیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوشی سے فرمایا: ''بہت اچھا''۔ میں نے شروع کیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کہیں کہیں کچھ تحقیق بھی فرماتے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ ''شَوْقًا اِلٰی لِقَائِکَ'' آیا تو فرمایا:
''اچھا بتاؤ! شوق کا کیا ترجمہ ہے؟''

میں نے عرض کیا: ''حضرت ہی ارشاد فرمائیں''۔ فرمایا: ''تڑپ!''

اور درمیان میں مختلف وقتوں میں نعرے بھی لگاتے تھے ذوق وشوق میں۔

کھانا برابر تکلف کا آتا رہا۔ لطیف اور کئی کئی قسم کا۔ جب ''حصن حصین'' ختم ہوگئی اور ہم لوگ رُخصت ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ 'حضرت! تبرکاً حدیث شریف کی بھی اجازت دے دیجئے۔ فرمایا: ''جی ہاں اجازت ہے۔'' یہ بھی فرمایا کہ ''اجی آیا کرو اور کبھی کبھی کچھ سنا جایا کرو۔'' لیکن پھر اتفاق حاضری کا نہیں ہوا۔

(نیل المراد فی السفر الیٰ گنج مراد آباد، مشمولہ ''ارواحِ ثلاثہ'': ص ۲۴۸۔۲۵۶)

عَبدُالقادِر
عَبدُالقادِر

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
رئیس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ
مولانا محمد اشرف علی التھانوی
نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

عبدالقادر عبدالقادر

از محمد عبدالواحد بہ توضیح احکام شرعیہ بہ نسبت بعض عقائد مبتدعین متعلقہ حضرت غوث الاعظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توضیح احکام شرعیہ بہ نسبت بعض عقائد مبتدعین متعلقہ حضرت غوث الاعظم

الحمدلله المترحد بجلال ذاته وكمال صفاته المتقدس عن شوائب النقص وسمائه والصلوة على رسوله المؤيد لساطع حججه وواضح بيناته وعلى اله واصحابه هداة الدين وحماته.

امابعد: بہی خواہان اسلام سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اس زمانہ پر آشوب و فتن میں دین برحق پر جہاں اس کے بیرونی دشمنوں نے چاروں طرف سے حملہ ہائے بیجا کر رکھے ہیں وہاں اندرونی دشمن بھی بے حد پریشانیوں کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ بعض ناعاقبت اندیش اور نام کے مسلمان مارِ آستین بن کر نئی نئی باتیں نکالنے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی تدبیر نہ کرتے ہوں اور ہمارے علماء حقانی کو جو ہمہ تن مسلمانوں کی اصلاح اور انسداد فتنہ ارتداد کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں، اپنی حرکاتِ لایعنی سے مبتلائے تفکرات نہ کر گزرتے ہوں۔

اسلام کے ان اندرونی دشمنوں کی کوششوں کا حاصل صرف یہ ہے کہ یہ دین برحق مسئلہ توحید باری تعالیٰ کی وجہ سے جو فوقیت دیگر ادیان پر رکھتا ہے اور جس کی وجہ

سے بیرونی دشمنوں کو اس کے مقابلہ میں شکست پر شکست ملتی رہتی ہے، اس کی اس خصوصیت کو مٹا دیا جائے اور اسمیں ایسے دھبے لگا دیئے جائیں کہ علماء اسلام بر بناء توحید باری تعالیٰ کسی پر اعتراض ہی نہ کر سکیں۔ ایسے لوگوں کی تمام کارروائیوں کا ذکر کرنا تو خالی از طوالت نہیں لہٰذا اس موقع پر بطور مشتے نمونہ از خروارا ایک واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ کتب عقائد میں بندگان خاص الٰہی کو جناب باری عزاسمہ کی صفات واجبی میں شریک کرنے والوں کے لئے کفر کا فتویٰ ہمیشہ سے موجود ہے۔ چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد سہل عبارت میں سہولت عوام کے لئے منقول ہے۔

بندگان خاص الٰہی را در صفات واجبی شریک دانستن یا آنہارا در عبادت شریک ساختن کفر است چنانچہ دیگر کفار با نکار انبیاء کافر شدند ہمچنیں نصاریٰ۔ عیسیٰ (علیہ السلام) را پسر خدا و مشرکان عرب ملائکہ را دختران خدا گفتند و علم غیب با آنہا مسلم داشتند کافر شدند (ملاحظہ ہو رسالہ مالابد منہ ص:۶)

اسلام کے ان اندرونی دشمنوں کی جانب سے اس عقیدۂ اسلامیہ کے برخلاف اول اعلان کیا گیا کہ عیاذاً باللہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جناب باری عزاسمہ کی صفت علم غیب میں شریک ہیں۔ اس لئے آپ کو بھی عالم الغیب کہنا درست ہے۔ جب اس پر انہیں سمجھایا گیا تو بجائے اس کے وہ اپنی حرکتوں سے باز آتے انہوں نے حضرت پیران پیر قطب ربانی سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ الشریف کی مدح و منقبت میں غلو کرنا شروع کر دیا۔ اور خداوند قادر مطلق کے اس بندۂ خاص کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بلکہ خداوند کریم سے بھی بڑھا دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون، غالباً انہیں لوگوں میں سے کسی شخص کی کارروائی کے متعلق مقام پنگور ضلع چنور احاطہ مدراس سے دو پرچۂ سوالات مرسلہ قاضی سید اسماعیل صاحب حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الوقت مولانا الحاج الحافظ الشاہ اشرف علی صاحب دام اللہ فیوضہم کے دارالافتاء میں پہنچے

ہیں جن کی نقل حرف بحرف ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) پرچہ اوّل: مطبع کریمی بمبئی میں طبع کی ہوئی زین المجالس کی مجلس نہم و یازدہم میں لکھا ہے کہ کسی شخص کی دعا قبول ہونا خداوند تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے پاس بھی مطلب حاصل ہونا نہ ہونا حضرت کے ارادہ پر موقوف ہے۔ مگر حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں کیسا ہی گنہگار کیوں نہ ہو مطلب پیش کرتے ہی اسی وقت خود حضرت ہی حاجت روا کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت آپ کو دی ہے۔

(۲) اور تحریر ہے حضرت ایسا بھی فرماتے ہیں کہ کسی کو کوئی آرزو خدا سے کرنے کی ہو تو وہ شخص اس آرزو کو میرے سے چاہے تو میں خود اس کی مراد برلاؤں گا۔ کیونکہ میں حاجت روا اور مشکل کشا ہوں۔

(۳) اور کوئی شخص اپنی ضرورت کے وقت مشرق یا مغرب سے مجھ کو پکارے گا تو میں اس کا فریادرس ہو کر اس کی سختی کو دور کر دوں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

پس بالا مذکورہ باتوں میں حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اختیار تھا اور ہے سمجھ کر اس پر عقیدہ اور امید رکھنا ثواب ہے یا گناہ، شرک ہے یا کفر۔ مدلل آیات یا احادیث سے بیان فرمائیں۔

حالات اولیاء میں ایسی باتیں بھی لکھی ہوئی کتابوں کو پڑھنا پڑھانا۔ سننا، سنانا کیسا ہے۔ بینوا، توجروا۔

(۲) پرچہ دوم طبع مطبع کریمی بمبئی کی طبع کی ہوئی زین المجالس کی مجلس ہفتم میں تحریر ہے کہ حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس اللہ العزیز نے اپنے خادم کے انتقال کے بعد مکرر سہ کرر حکم سے بھی ملک الموت نہ چھوڑنے کے باعث حضرت نے بزور ظلم زنبیل کو ملک الموت سے چھین کر اس روز کی قبض کی ہوئی تمام روحوں کو چھوڑ دیا تو وہ سب مردے زندہ ہو گئے۔ ملک الموت کے بارگاہ بے نیاز میں فریاد کرنے سے

ندا آئی کہ اے ملک الموت میرے محبوب کے خادم کی روح کو کیوں نہ پھیر دی۔ اس لئے تجھ کو سب روحوں کے کھولنے کی ندامت ہوئی۔

(۲) اسی ساتویں مجلس میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت کا ایک خادم ایسا تھا نہ اسے اللہ کی ایسی پہچان تھی، نہ پیغمبر کی رسالت جانتا تھا، نہ شریعت سے واقف تھا مگر حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا معتقد تھا۔ قضاءِ امر چکا تو کفن دفن کے بعد منکر نکیر نے اس سے سوال کئے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ جواب میں کہنے لگا کہ میں پیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتا ہوں۔ فرشتے نے اس حال کو اللہ سے کہا تو اس پر عذاب کرنے کا حکم ہوا۔ ایسے میں حضرت محبوب کی روح حاضر ہو کر عذاب سے مانع ہوئی۔ فرشتے نے پھر اللہ سے عرض کیا پھر بھی اس کو عذاب کرنے کا حکم صادر ہوا۔ فرشتے عذاب کرنا چاہتے تھے۔ حضرت باداب ودہشت گرزیں چھین کر کہنے لگے کہ کیوں میری بات نہیں مانتے کیا میرا رتبہ نہیں جانتے، اگر چاہوں تو جنت کی راحت اور دوزخ کی ظلمت کو دور کر دوں گا۔ ایسے میں ندا آئی، اے فرشتو میرے محبوب کے خادم کو عذاب سے چھوڑ دو۔ فرشتے بعاجزی گرز لے کر واپس چلے گئے۔

(۳) زید کہتا ہے کہ مردے زندہ کرنے کی خاص اپنی صفت اللہ نے اپنے مقبولوں کو کرامتاً دی ہے۔ اسی طرح اولیاء ملک الموت زنبیل منکر نکیر سے گرزیں بزورو ظلم چھین لینا عجب نہیں۔ اس سے خدا کے حکم کی رکاوٹ یا ملک مقرب کی بے حرمتی نہیں ہوتی۔ پس ایسی کرامات ہوئی ہوں گی یا نہیں؟ ان پر اعتقاد رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ صاف صاف مدلل بیان فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

ان سوالات کے متعلق احکام شرعی کا اظہار تو حضرت اقدس نے اپنے متعدد اور قدیم فتووں میں فرمادیا ہے جو اہل فہم کے لئے ہر طرح اطمینان اور تسلی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان افتراپردازوں کے دام فریب سے بچانے کے لئے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے، صرف احکام شرعی کا اظہار جو مختصر الفاظ میں ہو کافی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت اقدس کی

اجازت سے سوالات متذکرہ صدر کے بارے میں مفصل جواب حوالۂ قلم کئے جاتے ہیں۔البتہ یہ ضرور ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اولیائے کاملین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے صدور کرامات حق اور قابل تسلیم ہے، چنانچہ کتب عقائد میں ہے۔

وکرامات الاولیاء حق ای الخوراق التی تصدر عن الاولیاء تسمی کرامات لان اللہ تعالٰی یرید بصدورھا عنھم اکرامھم واعزازھم والولی فی اللغة القریب فاذاکان العبد قریبا من حضرة اللہ تعالٰی بسبب کثرة طاعتہ وکثرة اخلاصہ کان الرب تعالٰی قریباً منہ برحمة وفضلہ واحسانہ.

اور کرامتیں اولیاء کے لئے حق ہیں یعنی جو خوارق عادات اولیاء اللہ سے صادر ہوں وہ کرامات کہلاتی ہیں۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے ہاتھ پر کرامتیں صادر فرمانے سے ان کا اکرام اور اعزاز منظور ہوتا ہے۔اور لفظ ولی کا مفہوم لغۃً قریب ہے پس جبکہ بندہ بوجہ کثرت عبادت واخلاص درگاہ خداوندی سے قریب ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے فضل وکرم ورحم واحسان سے اس کے قریب ہوجاتا ہے۔

(شرح فقہ اکبر لعلامۃ ابی المنتہی مصری ص:۲۲)

ایسی صورت میں واقعات پیش کردہ سائل صاحب اگر روایۃً حدود خوارق عادات اور کرامات میں داخل ہوسکتے جن کا صدور حضرات اولیاء کاملین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جائز ہے تو ان کے مان لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن یہاں یہ صورت نہیں ہے بلکہ یہ واقعات نہ اسنادِ معتبرہ سے ثابت ہوسکتے ہیں اور نہ ان میں منجملہ کرامات اولیاء اللہ ہونے کی صلاحیت ہے۔اس لئے کہ حضرات اولیاء اللہ مقربان بارگاہ خداوندی ہوتے ہیں عوام الناس تو صرف اعتقاداً جناب باری کو ہر جگہ حاضر وناظر سمجھتے ہیں مگر یہ حضرات اپنے قرب خاص کی وجہ سے اعتقاد کو عین الیقین کے درجہ تک پہنچا ہوا مانتے ہیں۔اور یہ ظاہر ہے کہ مقربان شاہی اپنے بادشاہ کی

موجودگی میں کسی ایسے امر کے ہرگز مرتکب نہیں ہوسکتے جو موہم توہین بادشاہ عالی جاہ ہوسکے، گو قدرت بھی ہو۔ لیکن واقعات پیش کردہ سائل صاحب میں علاوہ اس کے کہ وہ قدرت عبد سے بھی خارج ہیں، سوائے اس کے آنحضرت شیخ علیہ الرحمۃ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب باری عزاسمہ سے حاجت روائی مخلوق کی صفت اور طاقت و قدرت میں بڑھایا گیا ہے۔ اور کچھ ظاہر ہی نہیں ہوتا بلکہ ایسے ایسے ناگفتہ بہ امور حضرت شیخ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں جن سے شیخ کا عیاذ اًباللہ احکام خداوندی کی نافرمانی اور فرشتگان مقرب سے مقابلہ کرنا ظاہر ہوتا ہے۔ ان امور کو خوارق عادات اور کرامات سے کوئی بھی تعلق نہیں ہوسکتا بلکہ یہ واقعات تو خود حضرت شیخ کے ملفوظات سے بھی مطابقت نہیں رکھتے۔ ملاحظہ ہوں آپ کے مواعظ حسنہ جن کا مجموعہ ''الفتح الربانی'' کے نام سے برزبان عربی مصر میں عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے اور حال میں ان کا اردو ترجمہ مولوی عاشق الٰہی صاحب (مولوی فاضل) متوطن شہر میرٹھ نے بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ میں چھپوا کر شائع کیا ہے اور اس کا نام ''فیوض یزدانی'' رکھا ہے۔ جس میں سے بعض مواعظ کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) الاعتراض علی الحق عزوجل عند نزول الاقدار موت الدین موت التوحید موت التوکل والاخلاص والقلب المؤمن لایعرف لم وکیف جل یقول علٰی.

ترجمہ: نزول احکام تقدیری کے حق تعالیٰ شانہ پر اعتراض کرنا موت ہے دین کی، موت ہے توحید کی، اور موت ہے توکل واخلاص کی۔ ایمان والا قلب کیوں اور کس طرح (یعنی چوں وچرا) کو سمجھتا ہی نہیں۔ بلکہ اس کا قول تو وہاں ہوتا ہے یعنی حکم تقدیری کی موافقت کرتا ہے اور چون وچرا نہیں کرتا (ملاحظہ ہو فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی۔ پہلی مجلس ص:۲)

(۲) دع عنک الشرک بالحق وحد الحق عزوجل ھو خالق الاشیاء جمیعھا وبیدہ الأشیاء جمیعھا یاطالب الاشیاء من غیرہ ما

انت عاقل قال الله عن جل وان من شیء الاعندنا خزائنه

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کو شریک کرنا چھوڑ دے۔ اور اللہ تعالیٰ شانہ کو یکتا سمجھو وہی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے اور اسی کے ہاتھ میں تمام اشیاء ہیں۔ اے اللہ کے سوا دوسروں سے کسی چیز کے مانگنے والے تو عقلمند نہیں ہے۔ کیا کوئی ایسی بھی چیز ہے جو اللہ کے خزانوں میں نہ ہو؟ اللہ عز و جل فرماتا ہے ایسی کوئی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ (فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی مجلس اول ص:۴)

(۳) یاقوم وقفوا القدر واقبلوا من عبدالقادر المجتهد فی موافقة القدر تقدمنی الٰی القادر.

ترجمہ: صاحبو تقدیر کی موافقت کرو اور عبدالقادر کی بات مانو جو تقدیر کی موافقت میں کوشاں ہیں۔ تقدیر کے ساتھ میری موافقت ہی نے مجھ کو قادر تک پہنچا دیا ہے (فیوض یزدانی مجلس اول ص:۵)

(۴) یؤتی فضله من یشاء ویرزق من یشاء بغیر حساب الخیر کله بیده والعطاء والمنع بیده والغناء والفقر بیده والعز والذل بیده مالاحد معه شیء فالعاقل یلزم بابه ویعرض عن باب غیره.

ترجمہ: وہ جس پر چاہتا ہے فضل فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رزق بے شمار دیتا ہے۔ ساری بھلائیاں اس کے ہاتھ میں ہیں اور دینا نہ دینا بھی اس کے اختیار میں ہے۔ مالدار اور فقیر بنانا بھی اسی کے قبضے میں ہے۔ عزت دینا اور ذلیل کرنا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی موجودگی میں کسی کے ہاتھ کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا عقلمند وہی ہے جو اس کے دروازہ کا ہو رہے اور دوسروں کے دروازہ سے منہ پھیر لے۔ (فیوض یزدانی مجلس سوم ص:۲۸)

(۵) کن فی تصرفاتک مع شمس التوحید والشرع . والتقوی فان هذه الشمس تمنعک عن الوقوع فی شبکة الهوی والنفس والشیطان والشرک بالخلق)

ترجمہ: اپنے کاروبار اور مشاغل میں توحید اور شریعت اور پرہیزگاری کے آفتاب کے ساتھ رہ کیونکہ یہ آفتاب تجھ کو خواہش اور شیطان اور مخلوق کو شریک خدا سمجھنے سے محفوظ رکھے گا۔ (فیوض یزدانی مجلس سوم: ص ۲۹)

(۶) لاتعارض الحق عزوجل فی نفسک ولا فی اھلک ولا فی مالک واھل زمانک الاتستحیی ان تغیروتبدل انت احکم منه واعلم منه وارحم منه وانت والخلق کله عباده هو مدبرک ومدبرهم ان اردت صحبته فی الدنیا والآخرة فعلیک بالسکون والسکوت والخرس اولیاء الله عزوجل متأدبون بین یدیه.

ترجمہ: حق تعالیٰ سے معارضہ نہ کر، نہ اپنے نفس کے بارہ میں، نہ اپنے بال بچوں کے متعلق، نہ اپنے زمانہ والوں کے لئے۔ کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ خدا پر اس حکم میں تغیرو تبدل کرنے کے لئے حکم چلاتا ہے۔ کیا تو اس سے بڑا حاکم اور بڑا عالم اور بڑا رحیم ہے؟ تو اور ساری مخلوق سب اس کے بندے ہیں وہ تیرا بھی مدبر ہے اور دوسری مخلوق کا بھی اگر تو دنیا وآخرت میں اس کے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو سکون خاموشی اور گونگا بن جانا اختیار کر۔ اولیاء اللہ اس کے حضور میں مؤدب رہتے ہیں۔ (فیوض یزدانی مجلس سوم ص: ۳۰)

(۷) القوم لایخافون من الخلق لانهم فی جنت امن الله عزّوجل وتولیه وحفظه لایبالون باعدائهم لانهم من قریب یرونهم مقطعین الایدی والارجل والالسن علموا وتحققوا ان الخلق عجز عدم لاهلک بایدهم ولا ملک لاغنی بایدیهم ولا فقر لاضر بأیدیهم ولا نفع ولا ملک عندهم الا الله عزوجل لاقادر غیره ولا معطی ولا مانع ولا ضار ولانافع غیره ولا محی ولا ممیت غیره.

ترجمہ: اللہ والے مخلوق سے ڈرتے نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی امان وسرپرستی میں وحفاظت میں ہیں۔ ان کو اپنے دشمنوں کی پرواہ بھی نہیں ہوتی کیونکہ ان کو عنقریب ہاتھ

پاؤں زبانیں کٹا ہوا دیکھیں گے۔ ان کو معلوم اور محقق ہو چکا ہے کہ مخلوق عاجز اور معدوم ہے۔ نہ ان کے ہاتھ میں ہلاکت ہے نہ سلطنت، نہ ان کے قبضہ میں تونگری ہے نہ افلاس اور نہ نقصان ہے نہ نفع۔ ان کے نزدیک بجز خدائے برتر اور بزرگ کے نہ کوئی بادشاہ ہے نہ قدرت والا، اس کے سوا نہ کوئی دینے والا، روکنے والا نہ فائدہ نہ نقصان پہنچانے والا اور نہ جلانے والا نہ مارنے والا۔ (فیوض یزدانی مجلس ۶۱ ص:۴۷۶ وص:۴۷۷)

(۸) (ولهم اعمال من دون ذلک هم لها عاملون) الاعمال الظاهرة للعباد من حيث الجوارح والاعمال الباطنة للخواص من حيث القلوب والاسرار وسر السربينهم وبينه علىٰ قدم الخوف مع قربهم يخافون تقليب الاغيار فى تغير الاحوال والزوال عن المقام يخافون مسح القلوب.

ترجمہ: اللہ والوں کے لئے ان ظاہری اعمال کے علاوہ اور بھی اعمال ہیں جن کو وہ کرتے ہیں۔ ظاہری اعمال عام بندوں کے لئے ہیں اعضاء کے اعتبار سے اور باطنی اعمال خاص بندوں کے لئے قلوب اور بواطن کے اعتبار سے اور اندرون در اندرون ان کے اور ان کے رب کے درمیان ایک ناقابل بیان مضمون اور ہے جس کی اطلاع دوسروں کو نہیں کہ وہ باوجود قرب کے خوفزدہ رہتے ہیں۔

اور حالات کے تغیر اور زوال مرتبہ کے متعلق وہ اغیار جیسے انقلاب کا اندیشہ رکھتے اور قلوب کے مسخ ہو جانے سے ڈرتے رہتے ہیں اور خائف رہتے ہیں کہ کہیں ان کے قلوب بھی مسخ نہ کر دیئے جاویں۔ (فیوض یزدانی مجلس ۶۲ ص:۴۹۲)

(۹) استوصى عبدالوهاب والده الشيخ رضى الله عنه فى مرض موته فقال رضى الله تعالىٰ عنه عليک بتقوى الله وطاعته ولا تخف احداولا ترجه وكل الحوائج كلها الى الله عزوجل واطلبها منه ولا تثق باحد سوى الله عزوجل.

ترجمہ: حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبدالوہاب نے اپنے والد یعنی حضرت شیخ سے وصیت کیلئے درخواست کی جبکہ آپ مرض موت میں مبتلا تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا تقویٰ اور اس کی اطاعت لازم کرلیجیو اور نہ کسی سے خوف کیجیو نہ طمع، اور ساری حاجتیں حق تعالیٰ کے حوالہ کیجیو اور اسی سے مانگیو اور سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی پناہ نہ لینا۔ (ملفوظات حضرت شیخ مشمولہ فیوض یزدانی ص:۲۶۴)

(۱۰) ثم اتاه الحق وسكرة الموت وكان يقول استعنت بلا اله الا الله الحي لقيوم الذى لايموت ولا يخشى عليه الفوت سبحان من تعزز بالقدرة وقهر عباده بالموت لااله الا الله محمد رسول الله.

ترجمہ: اس کے بعد امر حق اور سکرات موت آ پہنچی تب آپ فرمانے لگے کہ میں مدد لیتا ہوں لا الہ اللہ سے۔ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے نہ وفات پائے گا اور نہ اس کو موت کا اندیشہ ہے۔ پاک ذات ہے جس نے غلبہ پایا قدرت سے اور غالب ہوا اپنے بندوں پر موت کا حکم لگا کر۔ کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (تذکرہ وفات حضرت شیخ مشمول فیوض یزدانی ص:۶۶۶)

یہ دس فقرے ایک مبسوط کتاب میں سے جس کے تقریباً ۶۷۰ صفحے ہیں، نقل کئے گئے ہیں۔ اسی قسم کے مضامین اس کتاب فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی میں بکثرت موجود ہیں اور ایسے ہی پاک اور قابل عمل ارشادات حضرت شیخ قدس سرہٗ الشریف کے ان کی دوسری تالیفات غنیۃ الطالبین وغیرہ میں بھی موجود ہیں، جن سے ہر شخص معلوم کرسکتا ہے کہ حضرت شیخ نہایت ہی پابند شریعت اور جامع شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ معلوم نہیں کتاب زین المجالس کس شخص کی تالیف ہے جس میں ایسے باخدا بزرگ پر خدائی دعویٰ کرنے کی ناحق تہمت لگا کر اپنی عاقبت خراب کی ہے اور مسلمانوں کو گمراہ کر کے شرک میں مبتلا کرنے کی تدبیر نکالی ہے۔

ناظرین ان ارشادات حضرت شیخ کو ان ہفوات بیہودہ سے ملائیں، جو سائل

صاحب نے زین المجالس سے نقل کر کے بھیجے ہیں۔ وہ واقعات کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے حالات مقدسہ اور ان کے ارشادات سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے اور زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک واقعہ کے متعلق بغرض آ گاہی وفائدہ ناظرین ذیل میں تشریح کی جاتی ہے۔

(ا) پہلا واقعہ، مندرجہ پرچہ اول تو صریح بطلان ہے جس میں حضرت شیخ کو جناب باری عزاسمہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صفت حاجت مخلوق میں بڑھادیا ہے۔ جو کفر صریح ہے جس کی کوئی تاویل بھی نہیں ہوسکتی۔ اور ایسی جھوٹی تعریف حضرت شیخ قدس سرہ الشریف کی خوشنودی کا باعث بھی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ کسی مقرب شاہی کو اگر کوئی احمق خوشامدی بادشاہ کی موجودگی میں بطور مدحت سرائی یہ کہے کہ آپ ایسے اور ایسے ہیں اور آپ کے اختیارات مقربان خاص اور خود بادشاہ سے بھی زیادہ ہیں تو وہ مقرب جو مقربان خاص سے بہرحال کم رتبہ والا ہوگا اس جھوٹے خوشامدی سے جس قدر ناخوش ہوگا ہر شخص خیال کرسکتا ہے۔ جناب باری عزاسمہ چونکہ عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔ مؤلف زین المجالس کی یہ ناقص کارروائی اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ایسی صورت میں جس طرح سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوگا کہ ﴿یا عیسٰی ابن مریم ءأنت قلت للناس اتخذونی وامی الهین الآیة﴾ یعنی (اے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری والدہ کو معبود بنالینا) اسی طرح جب حضرت شیخ علیہ الرحمۃ سے بھی استفسار فرمایا جاوے گا تو حضرت شیخ اس شخص کی افترا پردازی پر جس قدر ناراضگی ونفرت کا اظہار فرمائیں گے محتاج بیان نہیں۔ اس لئے کہ مقربان شاہی کی طرح حضرات اولیاء کاملین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تغیر حال اور اپنے رتبہ کے زوال کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا ہے جیسا کہ خود حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو آپ کے ارشادات کا ضمن (۷)

اور یہ امر کہ خداوند تعالیٰ (عیاذاً باللہ) یہ رتبہ حضرت شیخ کو دے دیا ہے کہ ایک

بے دلیل دعویٰ ہونے کی وجہ سے نا قابل تسلیم ہے جیسا کہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ وہ دعویٰ خلاف عقل بھی ہے۔ کیونکہ خداوند قادر مطلق کی ذات وصفات خود احاطہ قدرت الٰہیہ سے باہر ہیں ورنہ اپنے مثل کی ایجاد پر قادر ماننا پڑے گا اور وہ باطل ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ خدا نے نعوذ باللہ حضرت شیخ کو کسی صفت میں مثل اپنے یا اپنے سے بڑھ کر بنا دیا۔ قواعد علم عقائد کی رو سے بالکل غلط اور قابل استرداد ہے۔ کیا خدا کی شان ہے کہ مبتدعین جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کو تحت وقدرت باری تعالیٰ و ممتنع بالغیر لکھنے والوں سے دست وگریباں ہوتے تھے اور اظہارِ قدرت قادرِ مطلق کو اعتقاد امکانِ کذب کے نام سے شہرت دے کر جاہلوں کو علمائے دین سے بدظن کرتے پھرتے تھے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی شان میں عقیدۂ اختراع کرتے ہیں کہ عیاذاً باللہ خدا نے ان کو مثل اپنے بلکہ اپنے سے بھی بڑھ کر بنا دیا جو یقیناً کفر صریح ہے۔ یہ سزا ان لوگوں کو ان بدزبانیوں کی وجہ سے ملی ہے جو انہوں نے بلاوجہ حضرات علمائے دین کی جناب میں کر کے تمغائے سواد الوجہ فی الدارین حاصل کیا تھا سچ ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

بہرحال مؤلف زین المجالس کی وہ ہفوات بیہودہ جن کو سائل نے پرچہ اول کے نمبر (۱) میں درج کیا ہے، صریحاً غلط اور افترا پردازی ہے اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنے والا شخص یقیناً مشرک وکافر ہے اور اسی طرح کے مندرجہ ذیل اشعار بھی جن کا حضرت شیخ قدس اللہ سرہ الشریف کی منقبت میں نظم کیا جانا مشہور ہے۔ غلط اور رد کئے جانے کے قابل ہیں۔

بنا لیتا ہے سلطاں آپ سا جس پر عنایت ہو خدا سے کم نہیں عزوجلال اس دیں کے سلطان کا
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب کیونکہ محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

شعر اوّل میں حضرت کا عزوجلال خدا سے کم نہ ہونا اس دلیل سے ظاہر کیا گیا ہے کہ بادشاہ کی عنایت جس پر ہوتی ہے اس کو بادشاہ مثل اپنے بنا لیتا ہے۔ لیکن اول تو

دنیاوی بادشاہوں کے متعلق یہ بھی کلمہ صحیح نہیں ہے۔ بادشاہوں کی عنایتیں اپنے مقربوں پر ضرور ہوتی ہیں مگر اپنی برابر وہ کسی کو بادشاہ نہیں بنا لیتے اور علم عقائد وکلام کی رو سے تو یہ امر قطعاً محقق ہو چکا ہے کہ ذات وصفات باری تعالیٰ اس قادر مطلق کے احاطۂ قدرت سے باہر ہیں اور اسی لئے خدا تعالیٰ کو اپنے مثل کی ایجاد پر قادر نہیں مانا جاتا۔ لہٰذا یہ دلیل لغو قرار دیئے جانے کے بعد یہ مضمون رہ جاتا ہے کہ العیاذ باللہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ خدا تعالیٰ کے ہمسر اور مثل ہیں اور یہ صریحاً شرک ہے۔ اور اس صورت میں اس شعر کا بنانے والا مشرک اور خارج از اسلام سمجھے جانے کے قابل ہے۔ دوسرے شعر میں لفظ مالک خدا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اس صورت میں شعر کا مطلب صاف لفظوں میں یہ ہوا کہ حضرت شیخ محبوب الٰہی ہیں اور محبوب ومحب میں کوئی فرق نہیں ہوتا لہٰذا حضرت شیخ بھی عیاذاً باللہ خدا ہوئے اور میں تو خواہ کچھ ہی ہو خدا ہی کہوں گا۔ اس اصرار علی الشرک کی وجہ سے بھی اسی فتوے کے مستوجب ہیں جو شعر اول کے متعلق دیا جا چکا ہے اور کسی تاویل سے یہ حکم بدل نہیں سکتا۔ اس لئے کہ الفاظ بالکل صاف ہیں کوئی ان کی تاویل کرنا بھی چاہے تو کیا کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں قابل غور یہ امر ہوتا ہے کہ مبتدعین جو اپنے آپ کو علمائے سنی المذہب کے ذیل میں شمار کرتے ہیں۔ ان میں یہ مشرکانہ عقیدہ کس طرح شائع ہوا۔ اس کے متعلق ان لوگوں کے گزشتہ حالات پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے اور ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے فرقہ امامیہ کے خلاف ایک کتاب تحفۂ اثناعشریہ تالیف فرمائی تھی جس سے اس فرقہ میں سخت ہل چل مچ گئی تھی، چونکہ اس زمانہ میں ملک اودھ میں اسی فرقہ امامیہ کی حکومت تھی اور علاقۂ روہیلکھنڈ جس میں واقع ہے اودھ کی سلطنت میں شامل تھا۔ لہٰذا باشندگان...... لکھنؤ جا کر معاش پیدا کرنے کے لئے مجبور تھے۔

چنانچہ جب تحفۂ اثناعشریہ کا جواب لکھانے کے لئے سلطنت اودھ کو قابل اشخاص کی ضرورت ہوئی تو انہیں ایک شخص...... نام باشندہ...... ہاتھ آ گیا جو اس وقت

لکھنؤ میں ملازم تھا۔ اس شخص نے فرقۂ امامیہ کے مجتہدین کو تحفۂ اثنا عشریہ کا جواب لکھنے میں مدد دی اور حضرت مولانا موصوف اور ان کے خاندان کے مشہور علماء کے بیان کردہ مسائل پر بھی جھوٹے اعتراضات شائع کئے اور جاہلوں کو اپنا جانب دار بنا کر اپنا ایک جداگانہ فرقہ بنالیا...... پس جبکہ بمصداقِ الناس علی دین ملوکھم ...... ان خاندانوں کے تعلقات سلطنت اودھ سے ہونے کے باعث ان کا فرقۂ امامیہ کے طریقہ پر ہونا ایک فطری امر ہے تو ان کے عقائد میں بھی فرقۂ مذکور کے عقائد کی جھلک پیدا ہو جانا لازمی اور لابدی امر ہے۔ لہٰذا تحفۂ اثنا عشریہ کو پیش نظر رکھ کر عقائد زیر بحث کی سراغرسانی کی جائے تو بہت ہی آسانی سے پتہ مل سکتا ہے کہ یہ مشرکانہ عقیدہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کو مثل خدا بلکہ خدا سے بھی بڑھ کر جاننے کا ان لوگوں میں باتباع مذہب امامیہ پیدا ہوا ہے گو وہ اپنے آپ کو بظاہر سنی المذہب بتاتے ہیں، چنانچہ ملاحظہ ہوں تحفۂ اثنا عشریہ مؤلفہ مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے اقتباسات ذیل۔

(۱) اما غلاۃ پس بست و چہار فرقہ اند اول آل سبائیہ اصحاب عبداللہ بن سبا۔ قالوا ان علیا ھو الا لہ حقا. یعنی فرقۂ غلاۃ کے چوبیس گروہ ہیں جن میں سے پہلا گروہ عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں کا ہے جو سبائیہ کہلاتا ہے ان کا قول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فی الحقیقت خدا تھے۔

(۲) فرقہ چہارم از غلاۃ بزیغیہ اند اصحاب بزیغ بن یونس کہ بالوہیت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قائل اند۔

(۳) فرقۂ دوازدہم از غلاۃ تفویضیہ اند گویند حق تعالیٰ بعد از پیدائش دنیا امور دنیا را تفویض فرمود بہ پیغمبر۔ و ہر چہ در دنیاست برائے او مباح ساخت وطائفہ از ایشاں قائل اند کہ بمرتضیٰ تفویض فرمودہ بعضے بہر دو۔

(۴) فرقۂ سیزدہم از غلاۃ خطابیہ اند گویند کہ جمع امامان پسران خداوند مرتضیٰ الہ است۔ مرتضیٰ را الٰہ اکبر جعفر صادق را الٰہ اصغر دانند۔

(۵) فرقۂ شانزدہم ذبابیہ اند ایشاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) را نبی ارگارند علی را الٰہ گویند۔

(۶) فرقۂ ہفتدہم ذمیہ اند گویند کہ علی الٰہ است ومحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) را نبی الگارند وعلی را الٰہ اصغر دانند۔

(۷) فرقۂ ہیزدہم اثنیہ اند گویند محمد وعلیؓ ہر دو الٰہ اند۔

(۸) فرقۂ نوزدہم خمسیہ اند کہ ہم پنجتن را الٰہ گویند۔

(۹) فرقۂ بستم نصیریہ اند بحلول الٰہ در حضرت علیؓ و اولاد ایشاں قائل اند وگاہے لفظ الٰہ نیز بر علی اطلاق کنند۔

(۱۰) فرقۂ بست و چہارم مقنعیہ۔ بعد از امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقنع را الٰہ دانند۔ (ملاحظہ ہو تحفہ اثناعشریہ بیان غلاۃ روافض ص: ۱۲ و ۱۳۔)

(۱۱) کید چہارم آنکہ عوام را فریب دادہ اند بروایت احادیث کہ دلالت دارند بر کفایت محبت جناب امیرؓ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) وذریت ایشاں را در نجات از عذاب آخرت بے آں کہ بجا آوردن طاعات واجتناب از معاصی را دخلے باشد

(تحفۂ اثناعشریہ نول کشور پریس ص: ۳۸)

(۱۲) عقیدہ (حقہ) ہفتم آنکہ حق تعالیٰ ہر کہ خواہد خواست از بندگان عاصی خود عذاب خواہد کرد پس ہیچ فرقہ اورا نخواہد بود۔

قولہ تعالیٰ ﴿یعذب من یشاء ویرحم من یشآء﴾ مگر امامیہ اعتقاد دارند کہ کسے از امامیہ ہیچ گناہ صغیرہ وکبیرہ معذب نخواہد شد نہ در روز قیامت نہ در عالم قبر وایں عقیدہ را مدلل کند بآنکہ حب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافی ست در خلاص ونجات وایں نہ فہمیدہ اند کہ حب خدا وحب پیغمبر ہرگاہ در خلاص ونجات کافی نہ باشد حب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چرا کافی خواہد بود۔ (تحفہ اثناعشریہ باب ہشتم ص: ۲۴۳)

یہ دوازدہ اقتباسات شہادت دیتے ہیں کہ مخلوق کو خدا سمجھنے کا عقیدہ مشرکانہ مبتدعین میں شاہان اودھ کی عنایت سے پہنچا ہے اور اس بارۂ خاص میں وہ غلاۃ روافض

کے ہم خیال ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہل بیت کو خدا سمجھتے ہیں اور ان لوگوں نے حضرت شیخ قدس سرہ الشریف کو خدا سمجھنا شروع کیا ہے۔ بات ایک ہی ہے مخلوق میں سے کوئی بھی جناب باری عزاسمہ کے برابر نہیں ہوسکتا خواہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہوں یا امام اور اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ البتہ جو شخص خداوند جل وعلیٰ کے سوا کسی اور کی الوہیت کا قائل ہوگا وہ یقیناً مشرک اور کافر سمجھا جائے گا۔ خواہ وہ غلاۃ روافض ہوں یا...... کے مبتدعین اور ان کے تابعین۔

(۳) واقعہ نمبر (۲) مندرجہ پرچہ اول حالات اولیاء کرام اور ارشادات حضرت شیخ علیہ الرحمۃ پر غور کرنے سے بالکل غلط پایا جاتا ہے۔ اگر اس واقعہ کو یوں بیان کیا جاتا کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے کسی وقت خاص میں خدائے تعالیٰ کے بحر بخشائش کو جوش میں دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو اس وقت داد خداوند رحمٰن الرحیم سے چاہنی ہو تو مجھ سے کہے میں دعا کروں گا اور امید ہے کہ وہ قبول ہوگی۔ تو اس میں کوئی بھی حرج نہیں تھا۔ حضرات اولیاء اللہ مقربان بارگاہ خداوندی ہوتے ہیں۔ ان کو بذریعہ مکاشفہ اوقات خاص کا معلوم ہوجانا اور ان کی دعاؤں سے لوگوں کی مرادوں کا پورا ہونا کوئی غیر ممکن امر نہیں ہے۔ ان حضرات کی دعائیں اکثر قبول ہوتی ہیں۔ اور اوقات خاص میں ان کے قبول ہونے کی بہت زیادہ توقع ہوسکتی ہے۔ مگر وہ وقت خاص ہر وقت نہیں رہتا اور نہ یہ ضروری ہے کہ تمام دعائیں قبول ہی ہوجائیں۔ رہے وہ الفاظ جو مؤلف زین المجالس نے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کئے ہیں وہ صریحاً الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں جو حضرت شیخ علیہ الرحمۃ پر کھلی ہوئی تہمت ہے۔ وہ تو صاف لفظوں میں سب کو ہدایت فرماتے رہے ہیں کہ جو مانگنا ہو خدا سے مانگو۔

(ملاحظہ ہو ان کے ارشادات مندرجہ ضمن نمبر:۲:۴:۹)

ان میں سے نمبر:۹ ایسا ارشاد ہے جو عین وفات کے وقت مرض الموت میں فرمایا تھا۔ یہ کب ممکن ہے جو مقدس بزرگ لوگوں کو یہ ہدایت فرمائے کہ ہر ایک

معاملہ میں خدا ہی سے رجوع کریں۔ وہ خود ہی لوگوں سے کہے کہ وہ خدا کی بجائے ان سے التجا کریں اور وہ بھی اس طریق پر کہ میں خود حاجت روائی کروں گا۔ اور یہ کہ میں حاجت روا اور مشکل کشا ہوں۔

(۳) مشرق اور مغرب کے بعید فاصلے سے لزوماً ہر شخص کی فریاد کا سننا اور لوگوں کی سختی کو دور کرنا بھی خدائے قادر ہی کی شان ہے۔ کسی اور کا یہ دعویٰ خدائی دعویٰ کہے جانے کے قابل ہے جو حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کا قول نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان الفاظ کا حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کرنا بھی جھوٹ اور اس مقدس بزرگ پر صریحاً تہمت ہے۔

غرض یہ کہ یہ تینوں واقعات جو پرچہ اول میں سائل صاحب نے کتاب زین المجالس سے نقل کر کے بھیجے ہیں۔ وہ سب خلاف واقعہ اور بنائے ہوئے قصے ہیں جو حضرات اولیاء اللہ کے حالات سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے اور ان کے موافق عقیدہ رکھنا بالکل ناجائز بلکہ کفر صریح ہے۔ اسی طرح دوسرے پرچہ میں جو واقعات درج کئے ہیں وہ بھی حضرت شیخ علیہ الرحمۃ پر اتہام بندی کے سوا کچھ بھی اصلیت نہیں رکھتے۔

مثلاً (۱) پہلے قصہ میں حضرت شیخ کا اپنے خادم کی روح قبض کرنے کی وجہ سے ملک الموت علیہ السلام سے دست و گریباں ہونا نہ صرف اپنے خادم کی روح کو بلکہ اس دن کے مرے ہوئے تمام مردوں کی روحوں کی زنبیل کو ملک الموت سے زبردستی چھین لینا اور تمام مردوں کا زندہ ہونا بتایا گیا ہے جو حضرت شیخ علیہ الرحمۃ جیسے بزرگ کی شان سے بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے۔ وہ تو احکام خداوندی کی موافقت سے ہی اپنا خدا تک پہنچنا بیان فرماتے ہیں۔ بھلا ان سے احکام خداوندی کی مخالفت کا ظہور کیسے ہو سکتا تھا۔ اور حضرت ملک الموت جو خدا کے بھیجے ہوئے اور اس قادر مطلق کے حکم کی تعمیل کر رہے تھے۔ ان سے مزاحمت کرنا اور ان کی زنبیل چھین لینے کا کون موقع تھا اور انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ مزاحمت حکم خداوندی کی نافرمانی ہے۔ چونکہ......اور......میں ایسے لوگ کثرت سے موجود ہیں جو حکام وقت کے سپاہیوں اور چپراسیوں سے مقابلہ

کر کے قانون شکنی کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنی ان جاہلانہ حرکات پر فخر کیا کرتے ہیں۔ مؤلف زین المجالس نے انہیں لوگوں پر قیاس کر کے اپنی اس ناپاک تحریر میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ پر یہ اتہام بندی کی ہے خدا اس کو شرمائے اور توبہ کی توفیق دے کہ اس نے شیخ علیہ الرحمۃ کی سخت توہین کی ہے۔ جو بزرگ نزول احکام قضا و قدر کے وقت خدا پر اعتراض کرنے کو بھی موت دین، موت توحید وغیرہ فرماتے ہوں اور بجائے چون و چرا کرنے کے ہاں کہنے کو تیار ہوں کیا وہ ملک الموت سے جو حکم خداوندی لے کر آئے تھے اس طریق پر مزاحمت کر سکتے تھے۔ حالانکہ وہ خود اپنے اور اپنے اہل و عیال اور اپنے زمانہ والوں کے بارہ میں خداوند تعالیٰ سے کسی قسم کا تعارض کرنے کو منع فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہوں آپ کے ارشادات کے ضمن: ٦ کا پہلا حصہ)

(۲) دوسرا واقعہ بھی پرچہ دوم میں ایسا ہی غلط اور بے سروپا معلوم ہوتا ہے اور اس میں حسب ذیل نقص اور ہیں۔

(الف) جو شخص حضرت شیخ جیسے مقدس بزرگ کا خادم ہو وہ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کو خدا کی پہچان اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بھی علم نہ ہو۔ جس بزرگ کی بدولت دور دور کے رہنے والے مسلمان ہوئے۔ کیا ان کا خادم خاص دولت اسلام سے جو خدا کے پہچاننے اور رسول کے رسول جاننے پر موقوف ہے، محروم رہ سکتا ہے۔ ان کی نظر کیمیا اثر سے تو جاہل سے جاہل شخص بھی عالم اور عارف باللہ بن سکتا تھا لہٰذا یہ بھی حضرت کی بہت بڑی توہین ہے کہ ان کی تعلیم اور ان کی خدمت کے اثر کو اس درجہ ناقص بتایا گیا ہے۔

(ب) جبکہ وہ خادم بقول مؤلف زین المجالس کافر تھا کہ خدا اور رسول کو بھی نہیں جانتا تو حضرت شیخ علیہ الرحمۃ جو ایک باخدا بزرگ تھے، کس طرح اس کے عذاب سے بچانے کی کوشش فرما سکتے تھے۔ اس لئے کہ جب حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنے والد کی مغفرت کے لئے دعا کرنے سے روک دیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے لئے دعا نہیں فرما سکے جو حضرت شیخ علیہ الرحمۃ جیسے عالم باعمل بزرگ سے ہرگز پوشیدہ نہ تھا

وہ ایسی جرأت کیوں فرماتے اور وہ بھی اس طریق پر جس سے سرکشی کا اظہار ہو رہا ہے۔

(ج) جب دوسری مرتبہ اس خادم کے بھی عذاب کا حکم خداوند جل وعلا نے صادر فرمادیا تو یہ ممکن ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ جیسا بزرگ اس حکم کی تعمیل میں فرشتوں سے مزاحمت بیجا کر کے چھینتے اور ان حکموں کی تعمیل میں حارج ہو کر وقوع کذب وخلف وعید غیر مشروط کا نقص (معاذ اللہ منہا) خدائے اصدق القائلین وقادر مطلق کی ذات ستودہ صفات پر عائد کراتے یا کم سے کم اس قادر مطلق کے عاجز ہونے کا ثبوت بہم پہنچاتے۔

(د) اس جھوٹی حکایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ جناب باری عز اسمہ کو جو علام الغیوب ہیں، پہلے سے یہ علم نہ تھا کہ وہ شخص حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کا خادم ہے اور خود حضرت شیخ بھی جو نزول احکام قضا وقدر پر سر تسلیم خم کرنے کی دوسروں کو بھی ہدایت فرماتے تھے۔ (ملاحظہ ہو آپ کے اقتباس نمبر:۶) اور خود اس سر تسلیم خم کرنے ہی کی بدولت اس درجہ پر فائز ہوئے تھے (ملاحظہ ہو آپ کے ارشادات کا اقتباس نمبر:۳) اپنے ہی ارشاد کے خلاف احکام قضا وقدر کی خلاف ورزی اور اسلام کے قانون مستمر کو توڑنے کیلئے آمادہ ہو گئے جو ان کی ذات بابرکت سے بسا محال ہے۔

چونکہ یہ امور قواعد علم عقائد وحالات اولیاء اللہ اور خود ارشادات حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے سراسر خلاف ہیں لہٰذا ان قصوں کے جھوٹ ہونے میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یقیناً یہ افترا پردازی روافض کے اس خیال ناقص کی ترویج کے لئے کی گئی ہے کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی ذریت طاہرہ کی محبت عذاب قبر وآخرت سے نجات ملنے کے لئے کافی ہے جس میں طاعات کی بجا آوری اور اجتناب از معاصی کو دخل نہیں۔ (ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ کے اقتباسات نمبر:۱۱:۱۲)

روافض کے اس خیال میں صرف اس قدر ترمیم کی گئی ہے کہ بجائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی ذریات کے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کا نام نامی تجویز کیا گیا ہے۔

حالانکہ بدون بجا آوری طاعات واتباع احکام شریعت زبانی محبت اس بارہ میں کچھ بھی

کر کے قانون شکنی کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنی ان جاہلانہ حرکات پر فخر کیا کرتے ہیں۔ مؤلف زین المجالس نے انہیں لوگوں پر قیاس کر کے اپنی اس ناپاک تحریر میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ پر یہ اتہام بندی کی ہے خدا اس کو شرمائے اور توبہ کی توفیق دے کہ اس نے شیخ علیہ الرحمۃ کی سخت توہین کی ہے۔ جو بزرگ نزول احکام قضا وقدر کے وقت خدا پر اعتراض کرنے کو بھی موت دین، موت توحید وغیرہ فرماتے ہوں اور بجائے چون وچرا کرنے کے ہاں کہنے کو تیار ہوں کیا وہ ملک الموت سے جو حکم خداوندی لے کر آئے تھے اس طریق پر مزاحمت کر سکتے تھے۔ حالانکہ وہ خود اپنے اور اپنے اہل و عیال اور اپنے زمانہ والوں کے بارہ میں خداوند تعالیٰ سے کسی قسم کا تعارض کرنے کو منع فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہوں آپ کے ارشادات کے ضمن: ٦ کا پہلا حصہ)

(۲) دوسرا واقعہ بھی پرچہ دوم میں ایسا ہی غلط اور بے سروپا معلوم ہوتا ہے اور اس میں حسب ذیل نقص اور ہیں۔

(الف) جو شخص حضرت شیخ جیسے مقدس بزرگ کا خادم ہو وہ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کو خدا کی پہچان اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بھی علم نہ ہو۔ جس بزرگ کی بدولت دور دور کے رہنے والے مسلمان ہوئے۔ کیا ان کا خادم خاص دولت اسلام سے جو خدا کے پہچاننے اور رسول کے رسول جاننے پر موقوف ہے، محروم رہ سکتا ہے۔ ان کی نظر کیمیا اثر سے تو جاہل سے جاہل شخص بھی عالم اور عارف باللہ بن سکتا تھا لہٰذا یہ بھی حضرت کی بہت بڑی توہین ہے کہ ان کی تعلیم اور ان کی خدمت کے اثر کو اس درجہ ناقص بتایا گیا ہے۔

(ب) جبکہ وہ خادم بقول مؤلف زین المجالس کافر تھا کہ خدا اور رسول کو بھی نہیں جانتا تو حضرت شیخ علیہ الرحمۃ جو ایک باخدا بزرگ تھے، کس طرح اس کے عذاب سے بچانے کی کوشش فرما سکتے تھے۔ اس لئے کہ جب حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنے والد کی مغفرت کے لئے دعا کرنے سے روک دیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے لئے دعا نہیں فرما سکے جو حضرت شیخ علیہ الرحمۃ جیسے عالم باعمل بزرگ سے ہرگز پوشیدہ نہ تھا

وہ ایسی جرأت کیوں فرماتے اور وہ بھی اس طریق پر جس سے سرکشی کا اظہار ہو رہا ہے۔

(ج) جب دوسری مرتبہ اس خادم کے بھی عذاب کا حکم خداوند جل وعلا نے صادر فرما دیا تو یہ ممکن ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ جیسا بزرگ اس حکم کی تعمیل میں فرشتوں سے مزاحمت بیجا کر کے چھینتے اور ان حکموں کی تعمیل میں حارج ہو کر وقوع کذب وخلف وعید غیر مشروط کا نقص (معاذ اللہ منہا) خدائے اصدق القائلین وقادر مطلق کی ذات ستودہ صفات پر عائد کراتے یا کم سے کم اس قادر مطلق کے عاجز ہونے کا ثبوت بہم پہنچاتے۔

(د) اس جھوٹی حکایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ جناب باری عز اسمہ کو جو علام الغیوب ہیں، پہلے سے یہ علم نہ تھا کہ وہ شخص حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کا خادم ہے اور خود حضرت شیخ بھی جو نزول احکام قضاوقدر پر سر تسلیم خم کرنے کی دوسروں کو بھی ہدایت فرماتے تھے۔ (ملاحظہ ہو آپ کے اقتباس نمبر:٦) اور خود اس سر تسلیم خم کرنے ہی کی بدولت اس درجہ پر فائز ہوئے تھے (ملاحظہ ہو آپ کے ارشادات کا اقتباس نمبر:٣) اپنے ہی ارشاد کے خلاف احکام قضا وقدر کی خلاف ورزی اور اسلام کے قانون مستمر کو توڑنے کیلئے آمادہ ہو گئے جو ان کی ذات بابرکت سے بسا محال ہے۔

چونکہ یہ امور قواعد علم عقائد وحالات اولیاء اللہ اور خود ارشادات حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے سراسر خلاف ہیں لہٰذا ان قصوں کے جھوٹ ہونے میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یقیناً یہ افترا پردازی روافض کے اس خیال ناقص کی ترویج کے لئے کی گئی ہے کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی ذریت طاہرہ کی محبت عذاب قبر وآخرت سے نجات ملنے کے لئے کافی ہے جس میں طاعات کی بجا آوری اور اجتناب از معاصی کو دخل نہیں۔ (ملاحظہ ہو تحفۂ اثناعشریہ کے اقتباسات نمبر:١١:١٢)

روافض کے اس خیال میں صرف اس قدر ترمیم کی گئی ہے کہ بجائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی ذریات کے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کا نام نامی تجویز کیا گیا ہے۔

حالانکہ بدون بجا آوری طاعات واتباع احکام شریعت زبانی محبت اس بارہ میں کچھ بھی

کام نہیں آسکتی خواہ وہ محبت کیسی کیوں نہ ہو۔ (ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ کا اقتباس: ۱۲)

(۳) مردوں کا زندہ ہونا حضرات اولیاء کاملین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی دعا و کرامت بیشک ممکن ہے مگر خداوند قادر مطلق کے فعل احیاء کا کسی بزرگ کو ہمیشہ کے لئے مل جانے کا اعتقاد اس طرح سے کہ وہ فعل اس بزرگ کی ایسی صفت مستقلہ بن جائے کہ جب چاہیں بدون شرط ارادہ خداوندی اس سے کام لے سکیں۔ بروئے قواعد شریعت نادرست بلکہ کفر ہے اور خدا کی کسی صفت خاص کے کسی مخلوق میں ہونے کا عقیدہ رکھنے کا مفہوم یہی ہے کہ غیر خدا کو خدا سمجھ لیا گیا لہٰذا اس کے شرک میں شبہ نہیں ہوسکتا۔ مشرکین عرب اپنے بتوں کو خدا اور بذاتہا حاجت روا نہیں کہتے تھے بلکہ یوں کہتے تھے کہ خدا نے ان کو یہ صفات حاجت روائی وغیرہ دے دی ہیں، تاہم قرآن شریف میں ان کو مشرک قرار دیا گیا ہے اس لئے بدون دلیل شرعی جو لوگ خدا کی صفت احیا حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کو دیئے جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی ویسے ہی مشرک اور کافر ہیں۔ جیسے کہ کفار عرب تھے۔

پس مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسی کتاب کا پڑھنا پڑھانا، سننا اور سنانا ترک کردیں اور جنہوں نے لاعلمی سے ایسا عقیدہ رکھا ہے توبہ کرکے اپنا ایمان درست کریں واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب (تتمۂ خامسہ ص: ۴۴)

البیان المتین

فی بعض احوال الشیخ شمس الدین

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار التقی منہاد الجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت شاہ اشرف علی رزقہ اللہ تعالیٰ حظاوافرا من الیقین کہ جز ویست از تربیۃ السالک وکاشف است از حالات حضرت شاہ ولایت مدفون جانب غربی تھانہ بھون مصداقے بود ازیں مفہوم ثمین افادۃً للطالبین

تھانہ بھون میں مغرب کی جانب حضرت شاہ ولایت صاحب کے نام سے ایک بہت قدیم، مشہور اور بابرکت مزار ہے مگر صاحب مزار کے حالات کسی کو معلوم نہیں تھے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے مزار کے متولی سے تحقیق کر کے اور دوسرے ذرائع سے ان کے کچھ حالات اس رسالہ میں جمع فرمادیے ہیں۔

البیان المتین فی بعض احوال الشیخ شمس الدین

بعد حمد وصلوٰۃ تھانہ بھون میں جانب غرب حضرت شاہ ولایت صاحب کے نام سے ایک بہت قدیم اور مشہور بابرکت مزار ہے مگر صاحب مزار کے حالات غالباً کسی کو معلوم نہیں۔ چونکہ معرفت سے محبت بڑھتی ہے اور محبت سے برکت۔ اس لئے جی چاہتا تھا کہ جو کچھ بھی حالات معلوم ہو جائیں ان کو ضبط کر کے شائع کر دیا جائے۔

پیر جی محمد عاشق صاحب متولی مزار موصوف سے تحقیق کرنے پر چند صفحات بابت صاحب مزار کے حالات کے اور کچھ کاغذات حکام حال و شاہان گزشتہ کے بابت مزار کے متعلقات کے دستیاب ہوئے یہ کاغذات تو اصل تھے اور حالات کے صفحات نقل تھے جس کے آخر میں ناقل نے اپنا نام فیض الحسن قریشی چشتی صابری کاندھلوی اور سنہ نقل اربع وثلاث عشرۃ مائۃ یعنی ۱۳۰۴ھ لکھا ہے۔ اس نقل کے منقول عنہ اور اس کے کاتب کا پتہ نہیں مگر قرائن سے وجداناً اس کے کاتب کوئی بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ مضمون حالات کا گو بہت مختصر تھا مگر خفائے محض کے مقابلہ میں غنیمت معلوم ہوا۔ بقول عارف رومی فی المثنوی دیباچہ دفتر پنجم۔

ان شیئًا کلہ لایدرک اعلموا ان کلہ لایترک

گرچہ نتواں خورد طوفان سحاب کے تواں کردن بہ ترک خورد آب

آب دریا را اگر نتواں کشید ہم بقدر تشنگی باید چشید

اور یہ مضمون فارسی عبارت میں تھا چونکہ آج کل عام طور پر فارسی کی استعداد کم

ہوگئی ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ کردینا بھی مناسب معلوم ہوا اور برکت کیلئے اس عبارت کو بھی محفوظ رکھا گیا اور کہیں کہیں ضرورت کے مقام پر ترجمہ میں کچھ توضیحات بھی کردی گئیں۔ کہیں خطوط وحدانیہ کے درمیان کہیں ختم مضمون پر ف بنا کر اور اصل عبارت میں کچھ غلطیاں بھی محسوس ہوئیں۔ چونکہ اصل منقول عنہ کی دستیابی اور اس سے تصحیح کی کوئی توقع نہ تھی اس لئے قیاس سے ان کو درست کردیا گیا اور ان شاء اللہ تعالیٰ اُمید ہے کہ قیاس صحیح ہوگا اور سہولت فہم کیلئے اجزاء مضمون کو نمبروں کی شکل میں تقسیم کردیا گیا اور چونکہ ان حالات کے علاوہ بعض اور حالات متعلقہ بھی میرے استفسار پر پیر جی صاحب موصوف سے معلوم ہوئے ان میں ضروری اجزاء کو لے کر ایک ضمیمہ میں نقل کردیا گیا اور چونکہ کاغذات مذکورہ کے نقل کرنے میں تطویل تھی اور مقصود میں ان کو مزید دخل بھی نہ تھا اس لئے ضمیمہ ہی میں ان کی صرف فہرست (جس کے ساتھ ساتھ ان کاغذات کا خلاصہ بھی مرقوم ہے اور وہی نتیجہ ہوسکتا تھا ان کے بعینہ نقل کرنے کا جو اس صورت سے بھی حاصل ہوگیا اور اس لئے اصل کی نقل سے مغنی ہوگیا) نقل کردی گئی جو پیر جی صاحب سے حاصل ہوئی تھی اور اس مجموعہ کا ایک لقب بھی تجویز کردیا گیا جو رسالہ ہٰذا کی پیشانی پر لکھا ہوا نظر آئے گا۔ اب بنام خدا مقصود کو شروع کرتا ہوں۔ **وھو الموفق للصواب والمعین فی کل باب فقط**

کتبہ اشرف علی ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶

قال صاحب الاصل نقل احوال

۱۔ نامہ حضرت مخدوم العالم سراج الملۃ راہبر راہِ طریقت امام السالکین قدوۃ العارفین زبدۃ الکاملین قطب الاقطاب جناب مولانا شمس الحق والدین المعروف بشاہ ولایت صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ وقدس اللہ سرہ العزیز و رضی اللہ عنہ.

ا۔ظاہر ہے اوراس عبارت سے آپ کا نام شمس الدین معلوم ہوا۔عربی ترکیب میں اس عنوان یعنی شمس الحق والدین سے تعبیر کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔

۲۔از اولاد امجاد افضل اصحاب کرام قاتل الزندیق حضرت ابوبکر الصدیق رضی الله عنه.

۲۔آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں (پس آپ نسباً صدیقی ہوئے)

۳۔ جد .ایشان حاجی الحرمین الشریفین صاحب الکشف والکرامات ارباب العشق والفتوحات والمقامات حضرت شیخ نجم الحق والملة والدین از وطن ا(اصل میں لفظ وطن ومبارک کے درمیان بیاض ہے۔غالباً اس جگہ وطن کا نام ہوگا جو سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے کاتب نے نہیں لکھا۔ شاید کتب سیر میں تلاش کرنے سے مل جاوے۔بعض خدام درگاہ نے بیان کیا کہ بزرگوں سے سنا ہے کہ عرب سے آئے تھے)مبارک همراه قبائل که ازان جمله سی صد دانشمندان ومشائخ اصحاب الکرامات والواردات همراه خود میدا شتند اولاً در دارالخلافه دهلی نزول اجلال فرمود.

۳۔آپ کے جد امجد حضرت شیخ نجم الدین اپنے وطن سے چند قبیلوں کی معیت میں جن میں تین سو علماء مشائخ اہل کرامات و واردات کو اپنے ہمراہ رکھتے تھے اولاً دارالخلافہ دہلی میں فروکش ہوئے۔

۴۔اکثر مریدان ایشان تاج الاولیاء سرحلقه اتقیاء واصفیاء و ارباب رشد و هدایت و سلطان الفقراء گشتند وحضرت ظل سبحانی سلطان محمد عادل دهلوی تغمد الله بلطفه الابدی والازلی نیز مرید حضرت شیخ الشیوخ امام الاولیاء موصوف بودند.

۴۔آپ کے اکثر مرید بڑے بڑے درجے کے ہوئے (اختصار کیلئے حاصل

کے ساتھ ترجمہ کر دیا گیا) اور خود سلطان محمد عادل شاہ دہلوی بھی حضرت موصوف (یعنی شیخ نجم الدین) کے مرید تھے۔

ف: یہاں ایک سوال پیدا ہوا تھا کہ یہ سلطان محمد عادل کون ہیں کیونکہ شاہان دہلی میں اس نام یا لقب کے دو بادشاہ ہوئے ہیں۔ ایک خاندان سوری سے جس کا نام محمد شاہ عادل ہے۔ یہ سلیم شاہ کے بعد بادشاہ ہوا۔ اس کا سن وفات ۱۵۵۵ء ہے۔ دوسرا محمد تغلق۔ جس کی نسبت نزہۃ الخواطر میں لکھا ہے المشہور بالعادل یہ ۱۳۲۵ء میں بادشاہ ہوا اور ۱۳۵۲ء تک بادشاہ رہا۔ سو یہاں دونوں مراد نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ رسالہ ہذا میں آگے حضرت شاہ ولایت صاحب کا باطنی استفادہ حضرت قطب صاحب سے مذکور ہے جو معاصر ہیں۔ شمس الدین التمش کے اور التمش کا سن وفات ۱۲۳۶ء ہے۔ جو پہلے بادشاہ سے تین سو سال پہلے ہے اور دوسرے بادشاہ سے سو سال پہلے ہے۔ اس سوال کے حل کے متعلق بعض صاحبوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ غالباً اس نام لکھنے میں کاتبوں سے غلطی ہوئی ہے۔ یہ شہاب الدین محمد غوری ہیں۔ غوری کا عادل لکھ دیا اور غوری کا سن وفات ۱۲۰۶ء ہے تو التمش کا زمانہ اس سے زیادہ دور نہیں اور وجوہ اس غلطی کے آئندہ ضمیمہ میں مفصلاً مذکور ہیں۔ واللہ اعلم۔

۵۔ درمدد معاش حضرت موصوف راموضع بھورا وبھاجو و چونسا که من اعمال قصبه بنت است معاونت کلی فرموده درتحت تصرف حضرت شیخ نجم الحق والملة والدین زاد الله تعالیٰ فتوحاته الظاهرة والباطنه کنا نید حضرت موصوف باعزاز و اکرام مع اهل و عیال در مواضع ها تشریف آور دندو حضرت شیخ موصوف بمواضع هائے مذکوره چاه ها و منازل ها و باغیچه هابنا ساختند.

۵۔ اور بادشاہ موصوف نے مدد معاش کیلئے حضرت موصوف یعنی شیخ نجم الدین کی

ان مواضع یعنی بھورا اور بہاجو اور چونسا سے پوری اعانت فرما کر حضرت موصوف کے تحت تصرف میں ان مواضع کو کرا دیا۔ حضرت موصوف اعزاز و اکرام کے ساتھ مع اہل و عیال کے ان مواضع میں تشریف لائے اور ان مواضع میں کنویں اور مکانات اور باغات بنائے۔

۶۔روزے بسبب عداوت یک مردم از قوم جاٹ کافر مطلق یک درخت انبه از ملکیت جناب بزور وتعدی بریده بود چون خبر این واقعه بگوش هوش حضرت دررسید حضرت شیخ فرزند مبارک شیم شیخ محمد یوسف را ارشاد فرموده که ایشان مع مردمان درآنجارفته ملاحظه نماید' حضرت شیخ محمد یوسف معه فرزند ارجمند که اسم مبارک شیخ شمس الدین بود آنجا رفتند وزجر و توبیخ کما ینبغی فرمود چون جام حیات او کافر بد کیش وبدنهاد باختتام رسید و روز قضاء اوناهنجار برسرش دررسید از دست مبارک حضرت شیخ مخدوم الاولیاء خواجه شمس الدین صاحب بهلاکت رسیده بقعر جهنم انداخته شد.

۶۔ ایک دن عداوت کے سبب (جو اکثر زمینداری کا خاصہ ہے) ایک شخص نے کافر جاٹ کی قوم سے ایک درخت آم کا حضرت شیخ نجم الدین کی ملکیت سے زبردستی اور ظلم کی راہ سے کاٹ لیا تھا۔ جب اس واقعہ کی خبر حضرت کے کان تک پہنچی تو حضرت شیخ نے اپنے فرزند مبارک خصلت شیخ محمد یوسف کو حکم دیا کہ آدمیوں کی ہمراہی میں اس موقع پر جا کر دیکھیں حضرت شیخ محمد یوسف اپنے فرزند ارجمند کی جن کا اسم مبارک شیخ شمس الدین تھا (شاہ ولایت یہی بزرگ ہیں) ہمراہی میں اس جگہ گئے اور (بعد تحقیق ان ظالموں کو) کافی زجر و توبیخ کی چونکہ جام حیات اس کافر بدکیش و بدنہاد کا (جس نے درخت کاٹنے کی حرکت کی تھی) اختتام کو پہنچ چکا تھا

اور اس ناہنجار کا روز قضا اس کے سر پر آ پہنچا تھا۔ حضرت شیخ (یعنی شاہ ولایت) کے دست مبارک سے ہلاکت کو پہنچ کر قعر جہنم میں ڈالا گیا (یعنی مقتول ہو گیا)

ف: یہ قتل صرف درخت کاٹنے کے عوض نہ تھا بلکہ اس نے بجائے غلطی کے تدارک کے مقابلہ ومقاتلہ کیا ہوگا جس کے قتل کا مستحق ہو گیا۔

۷۔ من بعد، مردم جٹاؤ باخویشاں و با مردان دیگر دیہات و نواحی فریاد پیش ظل الله حضرت سلطان محمد عادل لایزال فی ظل الله العلی بردند حاکم موصوف پس تنقیح و تفحص کماحقه حضرت مخدوم العالم خواجه شمس الحق والملة والدین را طلب فرمودو گفت که خون ایں بدنهاد حسب شهادت مردمان دیگر مواضعات و نواحی مواضع ایشاں و متعلقنیش بذمه ایشاں ثابت حضرت مخدوم العالم قدس الله سره اعتراف صحیح نموده سلطان محمد عادل حسب عدالت شریعت محمدیه مصطفویه عدل صحیح و انصاف بدیع نموده از شبه خون او لقمه جهنم معاوضه سزا از حضرت اقدس مقدس نگرفت الادیهات از ایشاں برگرفته مردمان مضروب ومقتول را عطا فرمود.

۷۔ اس واقعہ کے بعد جاٹ لوگ مع اپنے رشتہ داروں اور دوسرے دیہات ونواح کے لوگوں کے سلطان محمد عادل کے سامنے فریاد لے گئے (کہ ہمارے آدمی کو قتل کر دیا) بادشاہ موصوف نے تنقیح و تحقیق کامل کے بعد حضرت خواجہ شمس الدین کو (جن پر قتل کا دعویٰ تھا) بلایا اور کہا اس بدذات (مقتول) کا خون دوسرے مواضع و نواح کے لوگوں کی شہادت سے بھی اور خود آپ کے مواضع اور متعلقین کی شہادت سے بھی آپ کے ذمہ ثابت ہو چکا۔ حضرت موصوف نے اس کا صحیح اقرار کر لیا۔ سلطان محمد عادل نے عدالت شرعیہ کے مطابق عدل وانصاف کر کے اس لقمہ جہنم کے خون

کے شبہ سے قصاص تو حضرت سے نہیں لیا (غالباً مبنی قتل کا کچھ مشتبہ ہو گیا کہ اس پر قتل کرنا شرعاً جائز تھا یا نہیں اور اشتباہ کی حالت میں شرعاً قصاص نہیں اس لئے قصاص تو نہیں لیا) لیکن ان حضرات سے دیہات لے کر مضروب و مقتول لوگوں کو (یعنی مضروبین کو بلا واسطہ اور مقتولین کو بواسطہ ان کے ورثہ) عطا کر دیئے (یہ قاتلین کیلئے تعزیر تھی اور مستغیثین کی دلجوئی)

ف: ظاہراً اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دیہات ان حضرات کی ملک نہ کئے ہوں گے اور کسی عبارت سے اس کا شبہ ہو تو مجاز پر محمول ہوگا۔ پس اس حالت میں شبہ غصب کا بادشاہ پر وارد نہیں ہوتا یا ممکن ہے کہ کسی دوسرے مذہب کے فتویٰ پر تعزیر بالمال جائز سمجھا ہو۔

۸۔ **ثم بعد ذالک دریں حضرات تفرقه عظیم افتاد هر واحدے ازیں ها منتشر گشته بطریق مختلف شد ند بعضے بقصبه کاندهله و کسے بقصبه نونی متصل دهلی و بعضے بقصبه سر ساده من متعلقات صوبه خلافت سهارنپور برفتندو شیخ محمد یوسف ابن شیخ نجم الحق قدس الله سره فرزند خود حضرت شیخ مخدوم شمس الدین راهمراه خود گرفته باکثر مردمان خویش بدار السلطنت دهلی بخدمت حضرت قطب الاقطاب خواجه قطب الدین بختیار کاکی اوشی رفته شرف عزت یافت.**

۸۔ پھر اس کے بعد ان حضرات میں عظیم تفرقہ ہو گیا۔ یعنی ان میں سے سب کے سب مختلف راہوں پر ہو گئے بعض کاندہلہ بعضے نونی متصل دہلی بعضے سرسادہ من متعلقات سہارن پور چلے گئے اور شیخ محمد یوسف بن شیخ نجم الحق نے اپنے فرزند مخدوم شمس الدین کو اپنے ہمراہ لے کر اپنے اکثر آدمیوں کی معیت میں دار السلطنت دہلی

حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی کی خدمت میں جا کر عزت کا شرف حاصل کیا۔

۹۔ فرزندش شمس الدین ریاضت و مجاهدات شاقه چنان بلیغ فرمود که مرتاض النفس وصاحب الکشف گشتند ووالد بزرگوارش حضرت شیخ محمد یوسف بمقتضائے آیت اذا جاء اجلهم لایستاخرون ساعة ولا یستقدمون و آیت کل نفس ذائقة الموت ذائقه موت چشید. حضرت خواجه قطب الاقطاب قطب الحق والملة والدین باکثر مریدان خویش تشریف آور دندوغسل دهانیده باجماعت کثیر نمازش خواند ندو قبر مبارکش متصل استاد خود کندا نیده دفن کنانید

۹۔ ان کے فرزند شمس الدین نے ریاضت ومجاہدات شاقہ اس قدر بلیغ کیے کہ مرتاض النفس اور صاحب کشف ہو گئے اور آپ کے والد بزرگوار حضرت شیخ محمد یوسف نے بمقتضائے آیت اذا جاء اجلهم لایستأخرون ساعة ولا یستقدمون اور آیت کل نفس ذائقة الموت موت کا ذائقہ چکھا (یعنی وفات پا گئے) حضرت خواجہ قطب الدین اپنے اکثر مریدوں کی ہمراہی میں تشریف لائے اور غسل دلا کر کثیر جماعت کے ساتھ ان کی نماز پڑھی اور ان کی قبر اپنے استاد کے قریب کھدوا کر دفن کروا دیا۔

۱۰۔ بعد سیوم حضرت خواجه قطب الاقطاب علیه الرحمة مخدوم شمس الدین را طلب فرموده بیعت نموده والحمدلله علی ذالک. حضرت شیخ مخدوم بفحوائے والله یوید ه بنصره من یشاء موید بتائیدات الهیه و توفیقات ربیه درریاضت محنت شاقه بکار برده مورد الطاف خداوندی بودند. حضرت خواجه قطب الدین دهلوی برائے هفت چله اجازت فرمود حضرت

مخدوم دریں ایام بیک قلاقل افطار میساختند حضرت دریں ایام معدوده بمطلب اعلیٰ و مقصد اقصی رسید والحمدلله یکے از واصلان حق و کاملان ذات مطلق گشتند.

۱۰۔ تیسرے روز کے بعد حضرت خواجہ قطب الاقطاب علیہ الرحمۃ نے مخدوم شمس الدین کو بلا کر بیعت فرمایا۔ والحمد للہ علی ذالک اور حضرت شیخ مخدوم بحوائے آیت والله یؤید بنصره من یشاء موید (هکذا فی الاصل ویکن ان یکون بدلًا صفته بقولہٖ شیخ مخدوم و یکون بفحوائے الخ یتعلقان بقولہٖ مورد الطاف بودند ۱۲ منه) بتائیدات الٰہیہ وتوفیقات ربانیہ تھے ریاضات میں محنت شاقہ عمل میں لاکر مورد الطاف خداوندی ہوگئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے سات چلے کھینچنے کیلئے اجازت (یعنی فرمائش) فرمائی (جو نو مہینے سے دس دن زیادہ ہوتے ہیں) حضرت مخدوم ان ایام میں صرف ایک قلاقل سے روزہ افطار کرتے تھے (فی بستان المفردات قلقل وقلاقل انار دانہ دشتی گول بیج مثل سیاہ مرچ کے) حضرت ان ایام میں مقصد اعلیٰ تک پہنچ گئے اور بحمد اللہ منجملہ واصلان حق اور کاملین ہوگئے۔

ف: اس سے اوپر کے نمبر میں حضرت شاہ ولایت صاحب کے متعلق تصریح ہے کہ ریاضت ومجاہدات شاقہ چناں بلیغ فرمودند کہ مرتاض النفس وصاحب الکشف گشتند اور اس نمبر سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد قطب صاحب نے ان کو بیعت فرمایا۔ اس سے وہ لوگ سبق لیں جو بیعت کرنے میں یا بیعت لینے میں تعجیل کرتے ہیں اور بیعت کو سرسری چیز سمجھتے ہیں۔ دیکھئے یہ بیعت کتنی ریاضات کے بعد ہوئی۔

۱۱۔ حضرت خواجه قطب مثال قصبه محمد پور عرف تهانه بهون از دست مبارک خود تسوید ساخته و عصائے خود شیخ مخدوم العالم را عطا فرموده با چندیں مریدان خویش که اسم

مبارک شان شیخ رفیع الدین و شیخ بدیع الدین و شیخ شرف الدین و شیخ احمد و شیخ فضا (هکذا فی الاصل واللّٰہ اعلم.۱۲) برائے خدمت اش بقصبه مذکور فرمود۔

۱۱۔حضرت خواجہ قطب الدین نے قصبہ تھانہ بھون کا پروانہ اپنے دست مبارک سے لکھ کر اور اپنا عصا شیخ مخدوم العالم کو عطا فرما کر بغرض ان کی خدمت کے اپنے متعدد مریدوں کی معیت میں جن کے نام یہ ہیں شیخ رفیع الدین و شیخ بدیع الدین و شیخ شرف الدین و شیخ احمد و شیخ فضاء قصبہ مذکور کیلئے حکم فرمایا۔

ف: یعنی قصبہ تھانہ بھون کا صاحب ولایت مقرر کر کے اور اس کی سند اور تبرک کے طور پر عصا دیکر وہاں قیام کا حکم دیا۔ یہ سند مشائخ میں ایسی معمول تھی جیسے علماء میں طلبہ کو سند فراغ دینا معمول ہے،۔

۱۲۔چوں قریب قصبه هذا آمد ند ببادیه تهانه بهون که از بس پر خوف و خطر بود اقامت فرمود مرد مان آبادی باستقبال او حضرت آمد ند تازمان بدیں گو نه حاضر خدمت شده باشند.

۱۲۔جب قصبہ کے قریب پہنچے تھانہ بھون کے جنگل میں کہ بہت خوفناک تھا قیام فرمایا (اس بن کا بقیہ اب بھی مزار کے گرد موجود ہے گو زیادہ نہیں) آبادی کے لوگ آپ کے استقبال کیلئے آئے اور ایک زمانہ تک اسی طرح حاضر خدمت رہے۔

۱۳۔بعضے مرد مان قصبه بخدمت حضرت شیخ عرض رسانید که مایان بسبب خوف صحرا گھے نمی تو انیم رسید فاضلتر ایں است که آں حضرت در شهر اقامت فرمایند او حضرت درخواست اینها باجابت رسانید از بیاباں به آبادی شرف نزول فرموده و بعضے مردم قصبه هذا ازاں حضرت مستفیض شدند بوجه قلیل یک

حویلی ویک مسجد بنا ساخت و از تائید الٰہی حسب حاجت ضروریہ جائیداد نیز بھم رسانید.

۱۳۔قصبہ کے بعض لوگوں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ ہم لوگ بسبب خوف صحرا کے (کہ وہ اکثر موذی جانوروں کا مسکن ہوتا ہے) بعض وقت (خدمت میں) نہیں پہنچ سکتے۔(اس لئے)افضل اور مصلحت یہ ہے کہ حضرت شہر میں قیام فرمائیں۔ آپ نے ان کی درخواست کو قبول فرمالیا اور بعضے آدمی قصبہ کے آپ سے مستفیض ہوئے اور بہت تھوڑی (یعنی بہت مختصر)ایک حویلی اور ایک مسجد بنائی اور خدا تعالیٰ کی مدد سے ضروری حاجت کے موافق جائیداد بھی حاصل کر لی۔

۱۴۔من بعض شخصے شیخ کالا که از قبیله انصار بود بحضرت مخدوم العالم عرضداشت کرد که دخترے دارم برائے خدمت گزاری قبول فرمائیند چه قدر ممنون حضرت والا خواهم شد که ازخارج ازبیان است خواجه مخدوم العالم بعقد خویش آوردند نام دختر بی بی جیو بودو یک کنیزک انار کلی نام برائے خدمت همراه صاحبزادی خود بنموده.

۱۴۔اس کے بعد ایک شخص کالا نام نے جو قبیلہ انصار سے تھا حضرت سے عرض کیا کہ میرے ایک لڑکی ہے اس کو اپنی خدمت کیلئے قبول فرمالیں۔میں حضرت والا کا اس قدر ممنون ہوگا کہ بیان سے باہر ہے۔حضرت خواجہ اس کو اپنے عقد میں لے آئے۔ان صاحبزادی کا نام بی بی جیو تھا (جیو غالباً عائشہ کا ترجمہ ہوسکتا ہے)اس شخص نے ایک کنیز جس کا نام انارکلی تھا خدمت کیلئے اپنی صاحبزادی کے ہمراہ کردی۔

۱۵۔پس از مدت مدید و عرصه دراز شیخ شرف الدین برآں کنیزک مبتلا شد و غایت و بے تابی و بیقراری مجبورش نمود دریں اثناء شیخ شرف الدین از حضرت عرض نمود که ایں خادمه رابمن

عنایت فرما. حضرت شیخ از اهلیه خویش طلب نموده تا آں کنیزک را بشیخ شرف الدین بدهم اهلیه آں حضرت ازیں ابا نمود ونه داد.

۱۵۔ایک مدت کے بعد شیخ شرف الدین (مذکور رسالہ ۱۱ و ۸ ضمیمہ جس سے ان کا بھائی ہونا معلوم ہوتا ہے) اس کنیزک پر مبتلا ہو گئے اور غایت درجہ کی بے تابی اور بے قراری نے ان کو مجبور کیا۔اسی اثناء میں شیخ شرف الدین نے حضرت سے عرض کیا کہ یہ خادمہ مجھ کو عنایت فرما دیجئے۔حضرت شیخ نے اپنی اہلیہ سے درخواست کی تا کہ یہ کنیز شیخ شرف الدین کو دوں مگر حضرت کی اہلیہ نے انکار کر دیا اور نہیں دی۔

۱۶۔پس عرصہ قلیل آں خادمہ را ہمراہ خود شیخ مذکور بہ قصبہ پانی پت بردند قدرے سکونت بہ قصبہ مذکور ساخت و تنکحش بہ آں کنیزک غیر معلوم۔پس بمقتضائے آیت کریمہ یصور کم فی الارحام کیف یشاء پسرے از شیخ مذکور بوجود درآمد حضرت مخدوم الاولیاء شاہ شمس الحق والملۃ والدین خادم خاص را بہ طلبش بہ قصبہ پانی پت فرستاد شیخ شرف الدین ہمراہش نیامد و از قصبہ پانی پت بدہلی رسید

۱۶۔عرصہ قلیل کے بعد شیخ شرف الدین اس کو اپنے ہمراہ پانی پت لے گئے اور چندروز قصبہ مذکور میں سکونت کی اور اس کنیز سے ان کا نکاح کرنا معلوم نہیں (مگر گمان نیک ہی مناسب ہے اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کنیز کا نکاح بدوں اذن مولیٰ جائز نہیں اور مولیٰ یعنی حضرت شاہ ولایت صاحب کی بی بی ناراضی میں کیا اجازت دیتیں۔جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ شرعی کنیز نہ ہو۔عرفی ہو اس کیلئے یہ حکم نہیں۔یا ان مولاۃ نے شیخ شرف الدین کے دین کی حفاظت کیلئے بعد میں اجازت دے دی ہو) پھر بمقتضائے آیت یصور کم الخ شیخ مذکور سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔حضرت شاہ ولایت صاحب نے خادم خاص کو ان کے بلانے کیلئے پانی پت بھیجا۔شیخ شرف الدین اس کے ہمراہ نہیں آئے۔(شاید حجاب اس کا سبب ہوا ہو) اور پانی پت سے دہلی پہنچ گئے۔

۱۷۔ ثانیاً حضرت مخدوم العالم یک عریضہ خاص تحریر ساختہ بحضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار دہلوی فرستادہ بمجرد ملاحظہ عریضہ ہذا شیخ شرف الدین رامع خادمہ مخدوم العالم بہ قصبہ تھانہ بھون روانہ فرمودو بیک ہفتہ بہ قصبہ مذکور رسیدہ بخدمت حضرت شیخ شمس الدین قدس سرہ العزیز حاضر شدندو شیخ محمد ضیا یکے از خدام حضرت قطب الوقت بودہمراہ شیخ مذکور بہ قصبہ تھانہ بھون آمدہ بود تخمینا یک ہفتہ بخدمت حضرت شیخ شمس الحق والملۃ والدین قیام نمودپس بدہلی معاودت نمود

۱۷۔ (جب یہ شرف الدین ایک بار کے بلانے سے نہ آئے اور دہلی چلے گئے تو) حضرت مخدوم العالم نے دوسری بار ایک خاص عریضہ لکھ کر حضرت قطب الدین بختیار رحمہ اللہ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے خط دیکھتے ہی شیخ شرف الدین کو مع حضرت شاہ ولایت کی خادمہ کے تھانہ بھون روانہ فرمادیا اور یہ ایک ہفتہ میں قصبہ میں پہنچ کر حضرت شاہ ولایت کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور شیخ مذکور کے ہمراہ حضرت قطب صاحب کے ایک خادم محمد ضیاء تھانہ بھون آئے تھے۔ تخمیناً ایک ہفتہ شیخ شمس الدین کی خدمت میں قیام کرکے دہلی واپس ہوگئے۔

ف: غالباً حضرت قطب صاحب نے آپ کو اس لئے ہمراہ کردیا ہوگا کہ شیخ شرف الدین کہیں اور جگہ نہ چلے جائیں۔

۱۸۔چوں حضرت مخلوم آں فرزند را معاینہ نمود نامش خدا بخش نہاد

۱۸۔ جب حضرت مخدوم نے اس فرزند کو دیکھا اس کا نام خدا بخش رکھا۔

۱۹۔ وبہ اکثر اوقات اوحضرت بافرزند سعادت کیش کہ اسم مبارکش الہ دین بودپندھا می فرمودندومی گفتند کہ نام ایں کنیزک زادہ دیگر بود حالانامش خدا بخش نہادیم۔

۱۹۔ اور آنحضرت (یعنی شاہ ولایت صاحب) اکثر اوقات اپنے فرزند

سعادت مند کو جن کا نام الہ دین تھا کچھ نصیحتیں فرمایا کرتے (اور اسی کے ساتھ) یہ بھی کہتے کہ اس کنیزک زادہ کا نام دوسرا تھا (جو ولادت کے وقت رکھا گیا ہوگا مگر) فی الحال ہم نے اس کا نام خدابخش رکھ دیا ہے۔

ف: اس تبدیلی کی مصلحت اللہ ہی کو معلوم۔ ممکن ہے کہ پہلے کوئی ترفع کا نام رکھا گیا ہوگا۔ آپ نے سادہ اور سچا نام رکھ دیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا تو دیا ہوا تھا ہی جو ترجمہ ہے ہبۃ اللہ یا عطاء اللہ کا۔

۲۰۔ الشجرة العاليه الصديقيه (از اولاد حضرت صديق اكبرؓ)

شيخ عظيم الدين بن شيخ معين الدين بن شيخ عبدالواحد بن شيخ جهان بن شيخ محبى ايں هرسه برادران بودند شيخ خليل وشيخ محمد شيخ بهوة عرف بهاء الدين ابن شيخ اله دين بن شيخ مخدوم العالم خواجه شمس الحق والملة والدين رحمه الله ابن شيخ محمد يوسف ابن شيخ نجم الحق والملة والدين بن شيخ مهذب بن شيخ اسمعيل بن علابن شيخ سراجدين بن نجيب بن شيخ عبداللطيف بن شيخ محمود بن عثمان بن طلحه بن عبدالله بن عثمان ابن عبدالرحمن بن عبدالرؤف ابن حارث بن ابوالقاسم بن محمد بن خلف بن احمد بن شعيب بن طلحه بن سعد بن عبدالله بن عبدالرحمن بن حضرت ابوبكر الصديق امير المومنين و خليفة المسلمين ابن ابى قحافه رضى الله عنه.

۲۰۔ شجرہ عالیہ حضرت شاہ ولایت صاحب کا۔

نوٹ: یہاں جو شجرہ اصل میں منقول ہے اس کے شروع کے ناموں کی عبارت حل نہیں ہو سکی۔ عجب نہیں کاتبوں کی تحریف سے مغلق ہو گئی ہو اور اس کو

مقصود میں بھی دخل نہیں کیونکہ مقصود اجداد کا سلسلہ بتانا ہے نہ کہ اولاد کا اور وہ نام اولاد کے ہیں۔اس لئے اس کو حذف کر کے صرف آپ کے صاحبزادہ الہ دین کے نام سے باقی رکھا گیا ہے اور وہ اس طرح ہے۔

شیخ الہ دین بن حضرت شاہ ولایت صاحب بن شیخ محمد یوسف بن شیخ نجم الدین آگے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک کے نام متن کے کالم میں دیکھ لئے جائیں۔مگر ضمیمہ میں شروع سے ہی سب نام بعینہ نقل کر دیئے گئے اور مختلف کاغذات میں کچھ ناموں کی کمی بیشی بھی تھی۔بقاعدہ المثبت مقدم کالم میں زیادت کو لے لیا۔

ضمیمہ میں اس کے متعلق ایک نوٹ بھی ہے۔

ضمیمہ

رسالہ کے خطبہ کا اخیر حصہ ملاحظہ ہو۔

استفارات

(از مولف رسالہ)

السلام علیکم! کاغذات سے میں نے ایک رسالہ بنالیا ہے اس رسالہ کی تکمیل کیلئے ذیل میں بعض سوالات درج ہیں اگر آسانی سے تحقیق ممکن ہو۔خواہ کسی اور کاغذ سے خواہ موجود اصحاب سے دریافت کر کے تو ضرور اطلاع کر دیں۔ پھر اس رسالہ کے چھپوانے کا انتظام کیا جائے گا۔تا کہ یہ حالات ضائع نہ ہو جائیں۔کیا مزار کے متعلق کچھ جائیداد ہے اس کے اخراجات کیا ہیں؟

کیا حضرت شاہ ولایت صاحب کے کچھ اولاد ہے اور اس وقت کون کون ہیں اور کیا مجاور وہی کہلاتے ہیں یا کچھ اور۔حضرت کے تبرکات کیا کیا ہیں۔حضرت کی خانقاہ میں کیا کیا مکانات ہیں اور کس کے بنائے ہوئے ہیں اور اب کس کام میں آتے ہیں۔عرس کی تاریخ کیا ہے کیا وہی تاریخ وفات کی ہے۔کیا وفات کا سن معلوم ہوسکتا

ہے۔اس پنکھے کی کیا اصل ہے۔ جو مزار یا اس کی جائیداد کی نگرانی و انتظام کرتے ہیں کیا وہ سجادہ کہلاتے ہیں یا کچھ اور۔کیا خدا بخش کنیز زادہ کی بھی نسل ہے۔

جوابات: از متولی حال مزار شریف

بخدمت اقدس امیر الملۃ حکیم الامت حضرت صاحب مدظلہم العالی۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جواباً عرض ہے۔

ا۔ یہ کہ حضرت مخدوم العالم کے یہاں بہ زمانہ سابق سننے میں آیا ہے کہ ایک لاکھ بیگھہ اراضی سے کچھ زیادہ تھی جس کا اہتمام منجانب شاہان دہلی نواب پیش کار خان صاحب کے ہاتھ میں رہا۔نواب صاحب موصوف نہایت نیک نفس اور امانت دار تھے۔ان کے زمانہ میں لنگر خانہ معارف مدرسہ اسلامیہ بڑے پیمانے پر جاری تھے جو جگہ اب خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اسی وجہ سے خانقاہ کہلاتی ہے۔نواب صاحب کے بعد اہل قضا صاحبان کا اقتدار ہوا۔ بحیثیت مقتدر ہونے کے درگاہ شریف کی جاگیرات کا اہتمام صاحبان مذکورین کے دست انتظام میں پہنچا۔ بعدہ ایسا سننے میں آیا ہے کہ صاحبان مذکور نے رفتہ رفتہ اپنا قدم اتنا بڑھایا کہ اپنی حکمت عملی اور ہمارے بزرگوں کی لیت ولعل سے قابضانہ صورت اختیار کی اور اس سے بڑھے تو پھر قطعی طور پر مالکانہ حیثیت سے اس بڑے وقف اور معتدبہ جاگیر پر متصرف ہوگئے۔ صاحبان مذکورین کا زمانہ عروج وہ ہے جبکہ حکومت مغلیہ میں کمزوری آچکی تھی۔اس لئے ایسا ہونا قرین قیاس بھی ہے کیونکہ اورنگ زیب کے بعد تخت دہلی قابل حکمرانوں سے آخر تک خالی رہا۔البتہ کاغذات سے یہ ضرور ثابت ہورہا ہے کہ ڈیڑھ روپیہ روزینہ یومیہ محکمہ مال پرگنہ تھانہ بھون سے مع دانہ طاؤسان وتیل وچراغ غدر تک ملتا رہا اور نوے روپیہ سالانہ حکومت درگاہ شریف کو دیتی رہی۔ یہ سب باتیں (جو اس نمبر کے شروع میں مذکور ہیں) شنیدہ ہیں۔کاغذی ثبوت باوجود تلاش بسیار کے مہیا نہیں ہوسکا۔البتہ ایک فرمان بہت

روز ہوئے میاں شیخ ابراہیم عرف ریلو نے مجھ کو دکھایا تھا جس میں ایک لاکھ بیگھ اراضی بحق درگاہ حضرت مخدوم شاہ ولایت صاحب لکھا ہوا ہے۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کاغذ ان کے یہاں کیسے پہنچا۔ اگر جناب ملاحظہ فرمانا چاہیں تو ان کے یہاں وہ فرمان موجود ہے منگا کر دیکھ لیجئے (مولف سے بعض خدام درگاہ نے زبانی بھی بیان کیا کہ میری نظر سے ایک کاغذ محمد ابراہیم عرف ریلو کے یہاں گزرا جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ یک لکھ و بست و پنج ہزار بیگھ زمین بنام حضرت شاہ ولایت صاحب تھانہ بھون)

موجودہ حالت درگاہ شریف کی یہ ہے کہ صرف تیس بیگھ معمولی قسم کی زمین ہے جو تمام خاندان میں تقسیم ہے جس میں بیگھ خام کلر اور شور والی ہے پیداوار بہت کم ہوتی ہے۔ وہ بھی کبھی بارش اچھی ہو جانے پر سات بیگھ خام کا للعہ ۲۰ سیر من پختہ سالانہ غلہ وصول ہوتا ہے۔ گیارہ روپے سالانہ سرکاری مالگواری کے ادا کئے جاتے ہیں۔ اخراجات خانقاہ پہلے تو بہت زیادہ تھے مگر اب تقریباً ہزار روپے سالانہ یا اس سے کچھ کم وبیش ہو جاتے ہیں۔

۲۔ شجرہ مسلکہ مع کاغذات مشمولہ پیش خدمت ہے۔ (اس کا تتمہ ۸ کے بعد آتا ہے)

۳۔ حضرت کے تبرکات بزرگوں کے زمانہ میں بہت تھے جو سکھوں اور مرہٹوں کے غارت گر ہاتھوں نے ضائع کر دیئے۔ اب صرف ایک عصائے مبارک جو کہ حضرت شاہ ولایت صاحب کو حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کا کی اوشی رحمہ اللہ نے عطا فرمایا تھا موجود ہے جس کی زیارت عام طور سے ہر سال عرس کے ایام میں بتاریخ ۲۳ رجب المرجب کرائی جاتی ہے۔ تقریباً ہزار آدمیوں کا مجمع اس وقت ہو جاتا ہے۔

۴۔ آثار قدیمہ میں ایک مسجد اور ایک حویلی زنانی اور ایک دیوان خانہ ہے جو حضور نے خود تعمیر کرایا تھا۔ اب تک بحمد اللہ موجود ہے اور اس میں موجودہ خاندان کے لوگ آباد ہیں۔

درگاہ شریف حضرت مخدوم العالم نے پہلے مزار مقدس کھلا تھا اب کچھ عرصہ سے

قدیم مزار پر ایک بارہ دری مجھ محمد عاشق سجادہ نشین نے تعمیر کردی ہے اور ایک مسجد و حجرہ قدیم تعمیر ہے۔ درگاہ شریف کے سامنے ایک عمارت جو نقار خانہ کے نام سے موسوم ہے تعمیر ہے۔ درگاہ شریف کی اندرونی عمارت مسجد وغیرہ کی تعمیر پیر ہری صاحب نے جو آپ کے خلیفہ مجاز تھے تعمیر کی۔ پیر ہری صاحب ایک برہمن زادے تھے۔ حضرت سے معتقد ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے اور بیعت طریقت حاصل کر کے تزکیہ نفس وترقی روحانی بہم پہنچائی اور صاحب مقامات عالیہ ہوئے۔ جن کا مزار شہر کے جنوبی وشرقی گوشہ میں موجود ہے۔ پیر ہری صاحب کے مزار پر زمانہ قدیم میں ایک عالی شان گنبد بنا تھا اب کچھ عرصہ سے منہدم ہوگیا ہے۔

حضرت کی خانقاہ شریف میں ایک چاہ پختہ و چہار دیواری و مہمان خانہ و مجلس خانہ تعمیر ہے جو شکستہ ہوگیا تھا۔ اب چند سال ہوئے جبکہ میں محمد عاشق سجادہ نشین ہوا تو عمارت قدیم کو منہدم کرا کر از سر نو ایک ہال کمرہ تخمیناً چھ سات گز چوکور اور ہر دو جانب برابر میں دو لمبے کمرے مہمانوں کے قیام اور آرام کیلئے تعمیر کئے جو بحمد اللہ ابھی تک درست حالت میں موجود ہیں کنویں اور چہار دیواری کی بھی ضروری مرمت اسی وقت کرائی گئی تھی۔

مصرف مکانات خانقاہ کا یہ ہے چند سال سے مسلم سکول قائم ہے جس میں بچے تعلیم پاتے ہیں۔ عرس کے ایام میں مدرسہ تعطیل کر دیتا ہے۔ برابر کے دونوں کمروں میں مہمان آرام کرتے ہیں۔

۵۔ عرس زمانہ قدیم سے ۲۱ رجب المرجب کو شروع ہوتا ہے۔ حضرت کی تاریخ وفات بھی یہی رجب المرجب ہے۔ پہلے زمانہ میں اس کے سندی کاغذ بھی تھے جو اب گم ہوگئے مگر یہ تاریخ مستند ہے جو بزرگوں سے سنتے چلے آرہے ہیں چونکہ کاغذات سابقہ جن میں یہ امور تحریر تھے گم ہوگئے اس لئے یہ نہیں معلوم کہ حضور نے کس سن میں انتقال فرمایا۔

۶۔ پنکھے کی اصل یہ ہے کہ تیر گروں میں کسی شخص کے یہاں اولاد زندہ نہ رہتی تھی

اس نے حضرت کے یہاں نذر مانی اور وہ کامیاب ہوا اس وقت سے رسم پنکھا جاری ہوئی (غرض کسی بزرگ کی رسم نہیں ۱۲ مؤلف)

۷۔ اس کے جواب میں کاغذات قدیم جو دستیاب ہو سکے پیش خدمت ہیں۔ کاغذات جواب دیں گے (یعنی ان کاغذات میں ان کا لقب سجادہ مذکور ہے ۱۲ مؤلف)

۸۔ کا جواب یہ ہے کہ قدیم بزرگوں سے اکثر یہ سنتے رہے ہیں کہ حضرت شاہ ولایت صاحب کے یہاں ایک کنیزہ تھیں جن سے کہ حضرت کے گھر میں سے اکثر ناراض رہتی تھیں۔ حضرت شاہ ولایت صاحب کی حیات تک وہ کنیزہ اور شاہ شرف الدین صاحب برادر حضرت شاہ ولایت کے یہاں مقیم رہیں بعد کو بیوہ ہوگئیں ادھر حضرت شاہ ولایت صاحب کا انتقال ہوگیا۔ چونکہ حضرت مخدوم شاہ ولایت صاحب کے گھر میں سے ان سے ناراض رہتی ہی تھیں۔ اس لئے ان حوادث سے پریشان ہو کر بعد وفات اپنے شوہر اور حضرت مخدوم شاہ ولایت صاحب کے یہاں قیام نہ رکھ سکیں۔ بہ مجبوری اپنے بیٹے خدابخش سمیت مقام پانی پت چلی گئیں اور پھر وہ یا ان کے بیٹے خدابخش یہاں کبھی نہیں آئے۔

تتمہ جواب استفسار

بزرگوں سے سنتے رہے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب تھانوی جن کا مزار ریتی دروازہ سرکاری مدرسہ کے سامنے بنا ہے۔ حضرت کے یہاں خدمت جاروب کشی و مجاوری کیا کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب موصوف کو جو کچھ ملا وہ حضرت کی خدمت کے سبب اور اس کا صلہ کہا جاتا ہے اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ قدیم زمانہ میں خدمت مجاوری ادا کرتے تھے جس وقت شاہ صاحب خود صاحب مقامات ہوئے۔ فتوحات ظاہری بھی ہونے لگی۔ جس سے ان کے خاندان کی مالی حالت نے درستی اور مطمئن صورت اختیار کر لی۔ اب جبکہ انہوں نے اپنے آپ کو غنی اور دولت مند پایا تو اب ان

کو خدمت مجاوری سے عار و شرم دامن گیر ہونے لگی۔ ادھر شاہ صاحب انتقال فرما گئے اور شاہ صاحب کے بعد ان کو حق پیرزادگی اور سجادگی سب کچھ حاصل ہو گیا۔ گھر کی پیرزادگی مل جانے پر پھر اس خدمت کی چنداں احتیاج نہ سمجھی بلکہ اس سے ہتک عزت بھی سمجھنے لگے اور خدمت ترک کر دی۔ اپنی ذاتی خانقاہ کے سجادے اور مہتمم بن کر زندگی بسر کرنے لگے۔ ہمارے پاس اس کا ثبوت یہ ہے کہ عرس کے لنگر سے از شروع تا آخر سب اوقات میں کھانے کے بخش برابر برسم قدیم اب تک جاری ہیں۔ دونوں وقت وہ خود آتے ہیں اور اپنے بخش فی کس کے حساب سے اس گھر سے ہر سال لے جاتے ہیں۔ اس لئے ہم تمام اہل خاندان یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے خدمت مجاوری ان کے خاندان میں ضرور تھی۔

ہم لوگ مجاور کیوں کہلاتے ہیں؟

چونکہ شاہ صاحب ممدوح کے خاندان والے لوگ اب مجاور نہ رہے تھے بلکہ پیرزادے کہلانے لگے تھے اس لئے خدمت درگاہ سے دستکش ہو چکے تھے۔ درگاہ میں جب کوئی مجاور نہ رہا۔ ہمیں لوگوں میں سے خدمت جاروب کشی بھی کرنے لگے۔ اہل خاندان میں جو کثیر العیال ہوتا تھا اس کو یہ خدمت سپرد ہو جاتی تھی چونکہ درگاہ میں آمدنی کافی تھی اس وجہ سے سجادگی (جو پہلے سے تھی) نیز جاروب کشی دونوں خدمتیں ہمارے خاندان میں آ گئیں۔

چونکہ ہر خاندان یکساں حالت پر کبھی نہیں رہتا کبھی برسر اقتدار ہو جاتا ہے۔ کبھی زوال کی طرف جا پڑتا ہے۔ ترقی اور اقتدار کے بعد زوال بھی لازمی تھا۔ عروج کا دورہ کم ہونا شروع ہوا مالی اور علمی و عملی حالت کمزور ہونے لگی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور پر ہم لوگوں پر لفظ مجاور حاوی ہو کر زبان زد خاص و عام ہو گیا۔ اگر پہلی جیسی قابلیت علمی، عملی مالی ہم میں سے رخصت نہ ہوتیں تو یقیناً اس لفظ مجاور کو ہم پر حاوی ہونے کی جرأت نہ ہوتی اور ہم وہی شاہ ولایت زادے کہلاتے رہتے۔

پس حضرت شاہ صاحب مخدوم کے خدام اور مجاوروں کا برسر اقتدار ہو کر اپنے لئے بجائے مجاور کے سجادگی اور پیرزادگی کا لفظ چسپاں کر لینا محض اپنی ذاتی و صفاتی قابلیت کے بڑھ جانے سے ہوا اور ہماری قابلیت گھٹ جانے نے ذلت کا پردہ ہمارے چہروں پر ڈال کر ہم کو مجاور کہلا دیا۔ مگر رسوم سجادگی اب تک اسی طرح ادا ہوتی ہیں اور خانقاہ کی آمدنی اور اخراجات کا صرف سجادہ ذمہ دار ہوتا ہے اور خاندان کے لوگوں کو سجادے کی آمدنی یا خرچ میں کوئی دخل نہیں ہوتا وہ بالکل با اختیار متولی ہوتا ہے اور اپنے اختیارات ذمہ داری کو آزادانہ استعمال کرتا ہے۔

زیادات علی الاستفسار

الف۔ حضرت کے بائیں طرف برابر میں شاہ شرف الدین صاحب (مذکور ۸) کا مزار ہے۔ ان کے برابر میں ایک بہت لمبی قبر جو نوگزی کر کے مشہور ہے۔ حضرت کے خلیفہ مجاز ہیں۔ شیخ نانو نام سننے میں آیا ہے ان کے برابر اور خدام مخلصین مریدین اور اہل بیت کے مزارات ہیں۔

ب۔ ایک ضروری یادداشت بغرض ملاحظہ عرض ہے وہ یہ کہ حضرت مخدوم العالم جناب قبلہ شاہ ولایت صاحب قدس سرہ کے حالات نامہ سے ظاہر ہے آپ سلطان محمد عادل بادشاہ دہلی کے عہد میں اپنے جد امجد حضرت شاہ نجم الدین صاحب کے ہمراہ وطن مبارک سے تشریف لائے ہیں لیکن تاریخ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قطب صاحب اور حضرت خواجہ معین الدین صاحب کے زمانہ میں کوئی بادشاہ دہلی کے تخت پر اس نام کا نہیں ہوا بلکہ اس عہد کا شہنشاہ محمد غوری ہے۔ اب رہا یہ شبہ کہ حال نامہ میں محمد عادل لکھا ہوا ہے محمد عادل کو محمد غوری کیسے مان لیا جائے۔ اس کی کئی وجہ ہو سکتی ہیں۔ سب سے قوی یہ کہ جس کاغذ سے یہ حالات نقل کئے گئے ہیں وہ اکثر جگہ سے کرم خوردہ اور بوسیدہ تھا۔ بعض پرانے کاغذات ایسے دیکھنے میں آئے ہیں ان کے

لفظ کے لفظ اور سطریں کی سطریں کرم کھا گئے۔ کرم خوردہ جگہ کی تحریر بوجہ کرم خوردگی پڑھنے میں نہیں آتی۔ مجبوراً پڑھنے والا قیاس دوڑا کر پچھلی اور اگلی عبارت کے مناسب وہاں جملہ لگا لیتا ہے۔ونیز بعض اشخاص کی تحریر اس قسم کی ہوتی ہے کہ بعض الفاظ صحیح اور صاف پڑھنے میں نہیں آتے لفظ کچھ ہوتا ہے اور پڑھنے میں کچھ آجاتا ہے۔تیسرے یہ کہ یہ بھی بہت ممکن اور قرین قیاس ہے کہ لفظ غوری صاف تحریر نہ ہو۔نقل کنندہ بجائے غوری کے عادل پڑھ گیا ہو۔ چونکہ کاغذ اصلی بہت پرانا اور خراب حالت میں تھا۔اس زمانہ کی رسم الخط بھی ہمارے زمانہ جیسی نہ تھی۔ نیز ہمارے زمانہ میں فارسی بالکل ایک اجنبی زبان جیسی ہوگئی ہے کچھ زبان اجنبی کچھ رسم الخط دیرینہ کچھ وہ کاغذ کہنہ اور کرم خوردہ غرضیکہ یہ جملہ وجوہات ایسے ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے اتنا تبدل اور تغیر ہوجانا کچھ بعید نہیں کہ محمد غوری کی بجائے محمد عادل لکھ دیا جائے۔

ایک بات اور سمجھ میں آئی ہے وہ یہ کہ شاید کاغذ اصلی میں سلطان محمد غوری عادل تحریر ہو۔ بروقت نقل اصلی کاغذ جیسا کہ بہت جگہ سے بوسیدہ اور کرم خوردہ تھا لفظ غوری کی جگہ سے بوسیدہ یا کرم خوردہ ہو۔اس لئے لفظ غوری نقل کرنے والے کے پڑھنے میں نہ آیا ہو۔اس لئے وہ لفظ غوری کو چھوڑ گیا ہو اور صرف محمد عادل لکھ گیا ہو۔

چونکہ نقل حالات نامہ میں سلطان وقت کا اصلی نام محمد لکھا ہے عادل اور غوری دونوں لقب ہیں اور تاریخ اس عہد کے بادشاہ کا لقب عادل ہونا ظاہر نہیں کرتی۔ بلکہ غوری بتاتی ہے ہاں اصل نام وہی بتاتی ہے جو حالات نامہ میں تحریر ہے یعنی محمد تو جبکہ تاریخ سے یہ واضح ہورہا ہے کہ اس عہد کا تاجدار محمد نامی تھا اور نقل نامہ بھی اصلی نام محمد بتارہا ہے۔تو اب بحث صرف یہ باقی رہ جاتی ہے کہ نقل نامہ میں محمد کے ساتھ عادل لقب تحریر ہے اور تاریخ میں لفظ غوری پایا جاتا ہے مگر اصلی نام دونوں جگہ یعنی تاریخ اور حالات نامہ میں محمد تحریر ہے۔اس لئے یقینی امر ہے کہ کاتب نقل کی غلطی سے بجائے محمد

غوری کے محمد عادل تحریر میں آ گیا یا ممکن ہے کہ محمد غوری عادل اصل کاغذ کی عبارت ہو اور لفظ غوری کرم خوردگی یا بوسیدگی میں آ کر حذف ہو گیا ہو۔ اس لئے پڑھنے میں نہ آیا ہو۔ صرف اوّل و آخر کے الفاظ پڑھنے میں آئے ہوں اور بیچ کا لفظ غوری پڑھنے اور لکھنے دونوں سے متروک ہو گیا ہو بدیں وجہ یہ امر یقینی اور صحیح معلوم ہوتا ہے کہ محمد عادل غلطی کاتب سے تحریر ہوا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ محمد غوری کا عہد حکومت تھا جو تاریخ سے واضح ہے اور مطابقت بھی کرتا ہے آئندہ جیسی حضور کی رائے ہو یہ میری ذاتی رائے اور قیاس ہے اس لئے کہ اصل کاغذ تو عرصہ ہوا ضائع ہو چکا۔ اصل کی نقل سے یہ حالات نقل کئے گئے ہیں جو آپ کے یہاں حالات نامہ پیش کیا تھا۔

ج تفصیل نمبر ۱۲۰ اصل رسالہ

شجر عالیہ صدیقیہ ابنائے خاندان عالی شان رہنمائے عالمیان مخدوم عالم و عالمیان امام السالکین قدوۃ العارفین زبدۃ الکاملین قطب الاقطاب جناب مولانا واولادنا حضرت مخدوم شمس الحق والملت والدین نور اللہ مرقدہ وقدس اللہ سرہ العزیز المعروف شاہ ولایت صاحب تھانوی

پیر جی محمد عاشق بن شاہ محمد صادق بن شیخ خواجہ بخش و حافظ مخدوم بخش ہردو ابناء حافظ غلام محمد بن حافظ معزالدین ونجیب اللہ برادران حقیقی بن حبیب اللہ بن شیخ نصر اللہ محدث بن مولوی عبد القادر عرف قادر بخش بن غلام نبی بن شیخ بدر الدین بن حافظ نور الدین بن شیخ عظیم الدین بن شیخ معین الدین بن شیخ عبد الواحد و مولانا ادریس ہردو برادران حقیقی بن شیخ جہان بن شیخ محی بن شاہ بہاء الدین عرف شیخ بھوہ ابن شیخ العالم شاہ الہ دین بن مخدوم العالم حضرت خواجہ شمس الحق والملۃ والدین رحمہ اللہ تعالیٰ ابن شیخ محمد یوسف ابن شیخ الشیوخ سر دفتر عشاق حضرت شاہ نجم الحق والملۃ والدین خلاصہ اسرار العالمین رحمہ اللہ بن شیخ مہذب بن شیخ اسماعیل بن شیخ علی بن شیخ سراجدین بن

شیخ نجیب بن شیخ عبداللطیف بن شیخ محمود بن عثمان بن طلحہ بن عبداللہ بن محمد بن خلف بن احمد بن شعیب بن طلحہ ابوقہاب (بضم القاف بمعنی الابیض کذافی القاموس ۱۲ مؤلف) بن سعد بن عبداللہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن امیر المومنین خلیفۃ المسلمین وقاتل الزندیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

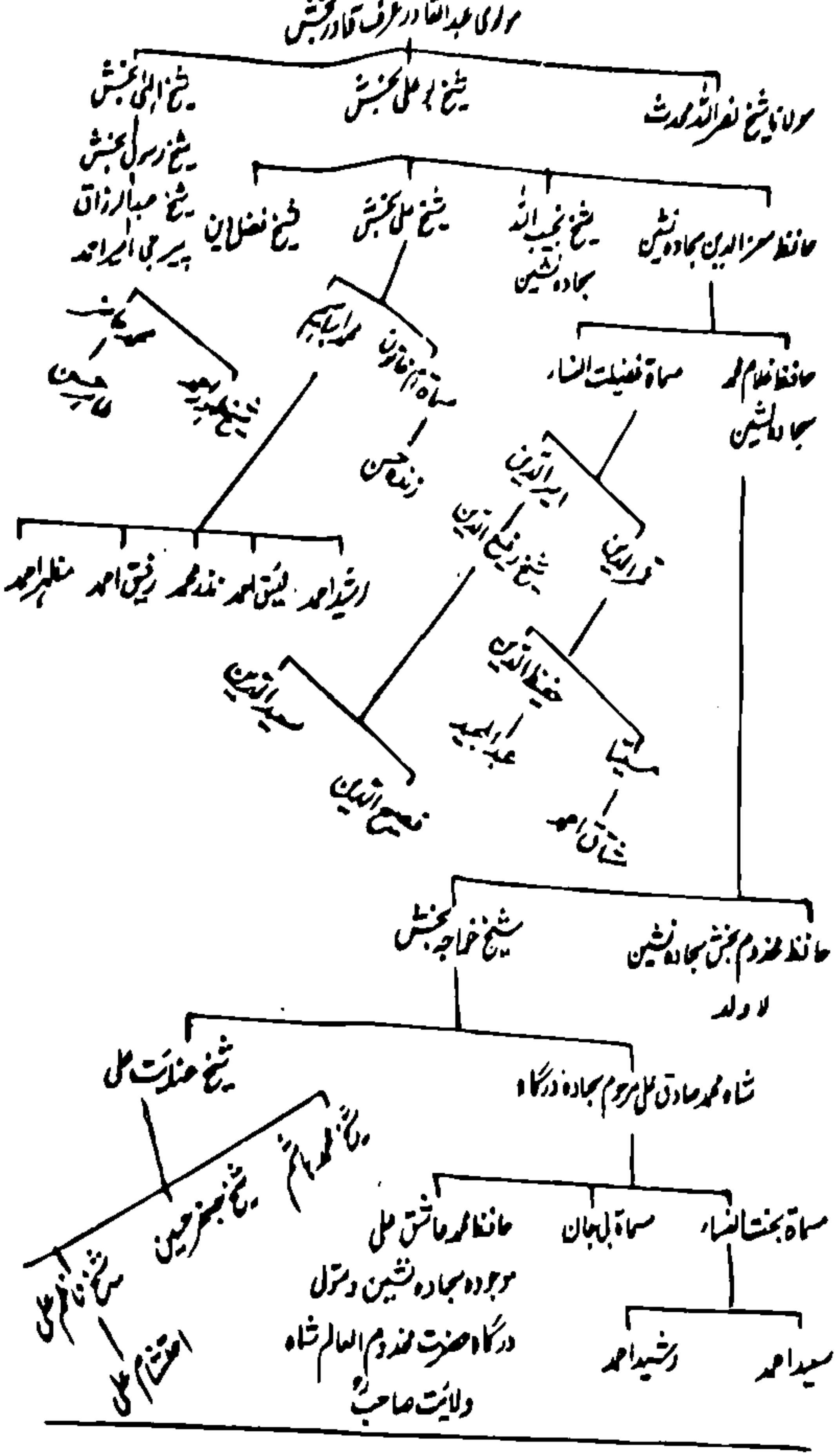
نوٹ ملاحظہ طلب بہ روشنائی سرخ

نمبر ۳۱: مندرجہ بالا (یعنی عبداللہ) کے بعد کاغذ اصلی میں جس سے یہ حالات نقل کیے گئے ہیں اس طرح تحریر ہے۔

نمبر ۳۲: بن عثمان' عبدالرحمٰن بن عبدالرؤف بن حارث بن ابوالقاسم بن محمد بن خلف بن احمد بن شعیب بن طلحہ ابوقہاب بن عبداللہ بن سعد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس لئے جو رائے مناسب ہوں ویسا کیجئے۔ اگر اوپر کے مندرجہ اسماء صحیح ہوں تو یہ رکھئے ورنہ یہ نام جو سرخی لکھے گئے ہیں درج فرمائے جائیں اطلاعاً عرض ہے۔

نوٹ از مولف رسالہ ۲۰ کا نوٹ ملاحظہ ہو۔

تتمہ حرف جیم:۔ موجودہ خاندان کے تفصیلی نام اور جہاں پر جس کا سلسلہ ملتا ہے اس کی کیفیت حسب ذیل ہے۔


مولوی عبدالقادر عرف قادر بخش
شیخ الٰہی بخش
شیخ علی بخش
مولانا شیخ نصر اللہ محدث
شیخ رسول بخش
شیخ عبدالرزاق
پیر جی امیر احمد
شیخ فضل الدین
شیخ علی بخش
شیخ نجیب اللہ سجادہ نشین
حافظ معز الدین سجادہ نشین
حافظ غلام محمد سجادہ نشین
مسماۃ فضیلت النساء
مسماۃ ام فاطمہ
زندہ حسن
حبیب الدین
قمر الدین
شیخ ربیع الدین
رشید احمد
لئیق احمد
نذر محمد
رفیق احمد
مظہر احمد
حفیظ الدین
عبدالحمید
نصیح الدین
شیخ خواجہ بخش
حافظ مخدوم بخش سجادہ نشین
لا ولد
شیخ عنایت علی
شاہ محمد صادق علی مرحوم سجادہ درگاہ
حافظ محمد عاشق علی
موجودہ سجادہ نشین و متولی
درگاہ حضرت مخدوم العالم شاہ
ولایت صاحب
مسماۃ بی جان
مسماۃ بخت النساء
سعید احمد
رشید احمد
شیخ نصیر الدین
شیخ ناظم علی
احتشام علی

فہرست کاغذات مشمولہ مجموعہ ہذا

ا۔ درخواست مشعر نوے روپیہ سالانہ خرچ درگاہ شریف ڈیڑھ روپیہ روزینہ مقرر درگاہ موصوفہ مع دانہ طاؤسان وغیرہ منجانب غلام محمد ولد حافظ معزالدین سجادہ نشین درگاہ عالیہ مخدوم شاہ ولایت صاحب۔

۲۔ درخواست اہالیان خاندان بابت تقسیم جائیداد مواضعات پلھیڑی، ناگل، منت وغیرہ۔

۳۔ فرمان دربار شاہ فرخ سیر بادشاہ غازی مشعر ثبوت شجرہ مشمولہ ہذا پیش ہے۔

۴۔ ایک قطعہ بیعنامہ بہ ثبوت شجرہ مذکورہ۔

۵۔ حکمنامہ اطلاع دہی یک صد بیگھہ پختہ اراضی واقع موضع پلھیڑی بنام عملان سرکاری علاقہ تھانہ بھون۔

۶۔ رپورٹ تحصیلدار صاحب تھانہ بھون جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یار پور میں شاہ ولایت صاحب کی یکصد بیگھہ معافی تھی۔ نیز عرس وغیرہ کا قدیم سے ہونا ثابت ہے۔

۷۔ یار پور کی اس اراضی کا پٹہ جو شاہ ولایت صاحب کی ملک تھی اور حافظ غلام محمد صاحب مقر پٹہ ہذا چونکہ قاضی صاحب کے یہاں ملازم تھے اس لئے ساکن لکھنوتی اپنے آپ کو تحریر کیا ہے۔

۸۔ پٹہ اقراری حافظ غلام محمد بابت اراضی موضع پلٹھیری۔

۹۔ درخواست منجانب حافظ مخدوم بخش صاحب سجادہ نشین درگاہ وروزینہ دار وتعلقہ دار مع حکم سرکار سے ثابت ہے کہ خاندان سے جس آدمی کے ہاتھ میں درگاہ کی خدمت ہوتی تھی وہ سجادہ کہلاتا تھا اور یہ بھی ثابت ہے کہ عصر ۸ یومیہ روزینہ صرف

اس شخص کو سرکار سے ملتا تھا جو درگاہ کی سجادگی پر مامور تھا۔

۱۰۔ ایک قطعہ رپورٹ بابت تعمیر مکانات درگاہ حضرت شاہ ولایت صاحب حضرت شاہ لال صاحب (اس کاغذ میں شاہ لال کو شاہ لعل ع سے لکھا ہے اوران کے ... کے بعد یہ عبارت بھی لکھی ہے کہ عمومی صاحب آنجناب اند مولف بعد معائنہ کاغذ اس سے اس افواہ کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے کہ یہ بزرگ پہلے ہندو تھے یا باعتبار ہندو یا مسلمان ہونے کے مختلف فیہ تھے غالباً منشاء اس کا لال الف سے لکھنا ہے جو خود بے اصل ہے۔

۱۱۔ یک قطعہ پٹہ اراضی واقع موضع پنوار کھیڑا از رسول بخش وغیرہ۔

۱۲۔ یک قطعہ کاغذ نسبت اراضی موضع ملاں پور بمد نیاز منجانب قاضی محمد منعم خان صاحب مرحوم۔

۱۳۔ حکمنامہ منجانب حاکم میرٹھ بنام راجہ اُمید سنگھ بابت دانہ طاؤسان وتیل چراغ از محکمہ مال پرگنہ تھانہ بھون۔

۱۴۔ درخواست منجانب حافظ غلا محمد سجادہ نشین درگاہ بابت اراضی موضع منٹ جس سے لفظ (سجادہ نشین) کی تصدیق ہوئی ہے۔

۱۵۔ درخواست طلبی روزینہ منجانب حافظ غلام محمد سجادہ نشین درگاہ اس سے بھی متذکرہ بالا کا ثبوت ہوتا ہے۔

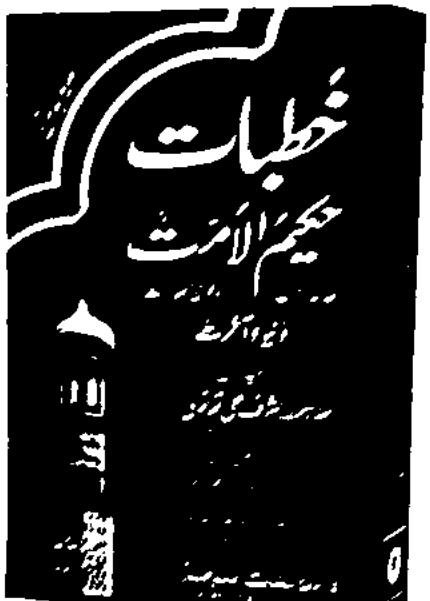
۱۶۔ فرمان عالی شان منجانب رعیت وشریعت پناہ حضرت ابوظفر محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر اعظم شہنشاہ دہلی رحمۃ اللہ علیہ بحق جناب شیخ مولانا نصر اللہ صاحب محدث تھانوی مورث ہم مسکینان محمد عاشق وغیرہ وارثان حضرت شاہ ولایت صاحب۔

الحمدللہ! ''مقالات حکیم الامت'' کی 93 نمبر جلد مکمل ہوئی۔

مقالاتِ حکیمُ الاُمتؒ... ایک تعارفی نظر

50 ہزار صفحات
106 جلدیں

خطباتِ حکیمُ الامت 32 جلد ... ملفوظاتِ حکیمُ الامت 32 جلد
کلیدِ مثنوی 10 جلد ... مقالاتِ حکیمُ الامت 32 جلد



حکیمُ الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے تقریباً 350 الہامی خطبات 32 جلد شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی نگرانی میں جدید تخریج وتعلیق



حکیمُ الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے تقریباً 16 ہزار ملفوظات کا مبارک مجموعہ احادیث مبارکہ کی تخریج کے ساتھ 32 جلد



حضرت الشیخ جلال الدین رُومی رحمہ اللہ کی معرکۃ الآراء الہامی کتاب مثنوی شریف کی عظیم اُردو شرح 10 جلد

مذکورہ تینوں کتب کی جلدوں کی مجموعی تعداد 74 ہے اور یہ تینوں کتب مقالات حکیمُ الامت میں شامل ہیں



حکیمُ الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نادر ونایاب قدیم وجدید تقریباً 350 رسائل وکتب کی پہلی مرتبہ یکجا اشاعت

(جلد 75 تا 106 تک) (32 جلد)

یہ جدید مجموعہ اہل علم وفضل، ارباب مشائخ اور سلسلہ اشرفیہ سے وابستگان حضرات کیلئے ایک بہترین علمی تحفہ ہے۔

نوٹ: مذکورہ مقالات حکیمُ الامت میں یہ کتب شامل نہیں ہیں

تفسیر بیان القرآن (2 جلد)... آسان بیان القرآن (2 جلد) از حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ خلاصہ تفسیر بیان القرآن از مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ... مخطوطہ بیان القرآن... یعنی حکیم الامتؒ کے دست مبارک سے لکھے ہوئے مسودہ کا عکس... اشرف التفاسیر (3 جلد)... حکیم الامت... نقوش وتاثرات۔

... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی تقریباً 35 نایاب کتب